کلیاتِ شاہ نصیر، جلد دوم

طبع اول : مارچ ۱۹۷۷ع

تعداد : ۶۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظمِ مجلسِ ترقیِ ادب ، لاہور

طابع : سید ظفرالحسن رضوی

مطبع : ظفر سنز پرنٹرز ، کوپر روڈ ، لاہور

سرورق وغیرہ : مطبع عالیہ ، ۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور

قیمت : ۳۷ روپے

بعونِ صنّاعِ مکین و مکان و بفضلِ خلّاقِ زمین و زمان
۱۲۰
اُردو کا کلاسیکی ادب
کُلیاتِ شاہ نصیر
جلدِ دوم
مرتبہ
ڈاکٹر تنویر احمد علوی
ناشر
مجلسِ ترقیٔ ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

فہرست

ردیف ر

ردیف ڑ

ردیف ز

ردیف س

ردیف ش

ردیف ص

ردیف ض

ردیف ط

ردیف ظ

ردیف ع

ردیف غ

ردیف ف

ردیف ق

ردیف ک

ردیف گ

ردیف ل

ردیف م

ردیف ن

ردیف واؤ

ردیف ہ

ردیف ر

۱

کس کی سنی آوازِ پر تیر ہوا پر
جو سہم گیا مرغِ ہوا گیر ہوا پر

دے مجھ کو بھی اس دور میں ساقی سپرِ جام
ہر موجِ ہوا کھینچے ہے شمشیر ہوا پر

کیا دم کا بھروسا ہے کہ نقاشِ ازل نے
کھینچی ہے اس انسان کی تصویر ہوا پر

یہ ابر ہے یا فیلِ سیہ مست ہے ساقی
بجلی کے جو ہے پاؤں میں زنجیر ہوا پر

دامن سے لگا اس کے نہ میں بعدِ فنا بھی
رکھے ہے مری خاک کو تقدیر ہوا پر

حیراں ہوں نہ کیوں دیکھ حبابِ لبِ دریا
کس طرح سے ٹھیرے ہے یہ تعمیر ہوا پر

صیاد یہ ہے کنجِ قفس بیضۂ فولاد
اڑنے کی کروں خاک میں تدبیر ہوا پر

گرمی تو کسی بات میں اس کی نہیں لیکن
چاہت سے مری ہے بتِ کشمیر ہوا پر

دوپہر کو گرمی میں نہیں چلتی ہے یہ لوں
یارو ہے مری آہ کی تاثیر ہوا پر

چمک اس نے اڑائی ہے کہیں رات کو شاید
آتی ہے جو آوازِ مزامیر ہوا پر

گردن جو ملخ تیری چھری سے یہ کٹے ہے
سچ کہہ کہ پڑھی کس نے یہ تکبیر ہوا پر

ہم خاک نشیں تجھ کو سمجھتے نہیں، گو تیری
اے تختِ سلیماں تری توقیر ہوا پر

ہے دل میں **نصیر** اپنے کہ اس رشکِ پری پر
بلوائیے اڑوا کے سنابیر ہوا پر

۲

دشتہ آفت کی ہے یہ خاکِ مایوسِ مزار
حسن . . . میں (ہے) دست افسوسِ مزار (کذا)

جلوہ ہائے موجِ دودِ شمعِ مینا فام دیکھ
ہے سرِ بالیں شہیدِ نازِ طاؤسِ مزار

دیدۂ تحقیق لے جس کے مطالعے میں ہو محو
پیشِ اربابِ نظر ہے لوحِ فانوسِ مزار

داغِ سینہ جوں کنول روشن ہو وویں بعدِ مرگ
گنبدِ دودِ دلِ عاشق ہے فانوسِ مزار

حشر کو شیخ و برہمن کی تربے گی روح رقص
صورِ اسرافیل ہوگی جبکہ ناقوسِ مزار

کس لیے رکھتا ہے پابندِ تعلق آپ کو
آخرش ہونا ہے اے دل! تجھ کو محبوسِ مزار

مرقدِ عاشق یہ تیرے روز و شب اے شمع رو
جز چراغِ گل نہ دیکھا کوئی فانوسِ مزار

عشق میں نوبت یہاں تک اُس کی پہنچی ہے صنم
روز و شب بجتا ہے چوبِ آہ سے کوسِ مزار
کیوں نہ دے مرقد پہ اُن کے مہر جاروبِ شعاع
مہجبیناں کا ہے اک عالم قدم بوسِ مزار
مہر جاروبِ شعاعی ہر طرف دے ہے نصیرؔ
ہے شہیدِ ناز کی اک خلق پابوسِ مزار

۳

جبکہ ہووے ورقِ نقرہ نقابِ تصویر
دیکھیے کس وجہہ کوئی پھر تری تابِ تصویر
دیکھے تیرا جو رخِ حسن مآبِ تصویر
تاب لاوے نہ ذرا مہر کی تابِ تصویر
شوقِ نظّارہ میں کس بت کے خدا یاد آیا
چشمِ حیرت زدۂ خانہ خرابِ تصویر
وہ ہے تیرا لبِ شیریں کہ ہوس میں جس کی
کھولتی ہے پرِ پرواز ذبابِ تصویر
حاجتِ دامِ اسیری نہیں اُس کو صیّاد
خود گرفتارِ تحیّر ہے عقابِ تصویر
کھینچ یوں اس ستم ایجاد کا نقشہ بہزاد
تاکہ معلوم ہو چہرے سے عتابِ تصویر
اشک افشاں مژہ دیدہ حیراں کیا ہو
کہ برستے نہیں دیکھا ہے سحابِ تصویر
دل گرفتہ ہوں آسے لائے کوئی میرے پاس
کہ یہاں چاہیے تصویر جوابِ تصویر

غـم مانی میں ہے خاموش و گـرفتہ خـاطر
دوڑی بلوانے آسے ، اسے بسہ ثواب تصـویر
چشم کو رکھتی ہے بیدار نظارہ لیکن
کم نہیں خواب عدم سے ہے یہ خواب تصویر
رخ ترا رشک مرقع ہے کہ جس کے آگے
یک قلم صفحہ باطل ہے کتاب تصویر
تجھ کو دعوائے غلامی ہے تو آنکھوں سے لگا
سر کے اُن کی صفت فیض مـآب تصویـر
جو زیارت کرے حیران نہ رہے پھر وہ نصیر
حضرت شاہ کی ایسی ہے جناب تصویر

۴

نثر پڑے وہ کہیں نوجوان دریـا پر
حضر چڑھائیں گے ہم پھـول پان دریـا پر
ہجوم اشک تھم ہر مژہ نہیں اے عشق
یہ دل کی فوج نے گاڑے نشان دریا پر
حسہ ذون میں ترے دل غریق رحمت ہے
تو اس کو ڈھونڈ لے اے بدگمان دریا پـر
ہنوز اس سے کرے ہے حباب ہم چشمی
الٰہی ٹوٹ پڑے آسمان دریـا پر
ہر دیکھو آئنہ خالی کہ رخ پہ خط ہے نمود
لگ ہے چاند گہن ، دیجے دان دریا پر
مری طرف سے کہے جا کے کوئی ساقی سے
پہنچ شتاب تو اے مـہربان دریـا پر

پٹاپٹی کا یہ خیمہ سفید و سرخ و سیاہ
دیا ہے ابرِ بہاری نے تان دریا پر
نصیرؔ ہم ہیں وہ سرگشتہ جو بگولے نے
اُڑا دی خاک ہماری بھی چھان دریا پر

۵

قطراتِ اشک ٹھیرے نہ مژگاں کے جھاڑ پر
شبنم کسو نے دیکھی ہے کانٹوں کی باڑ پر
خال اُس کی چشم پر نہیں اوڑھے سیہ گلیم
موسیٰ تجلی دیکھے ہے چڑھ کر پہاڑ پر
صیاد کا ہے دام بصد چشم دیکھتا
آخر کو مر گیا ہے اُڑا مرغ جھاڑ پر
قاصد ملے نہ گھر پہ وہ حبشی پسر تو نام
لکھ آنا کوئلے سے تو اُس کے کواڑ پر
کیونکر بچاؤں دل کو خط و خال و زلف سے
ان دزد رہزنوں کی چڑھے کون دھاڑ پر
اس شیخ لم قدے کی یہ داڑھی لگے ہے یوں
جوں گھونسلہ بئے کا لٹکتا ہے تاڑ پر
رنگیں قفس بھی خون سے گلنار ہو گیا
رشکِ چمن بنا ہوں میں اپنے اکھاڑ پر
دنیا فریب دیوے اسے تو بھی مردِ حق
ریجھے نہ ایسی فاحشہ پختہ کھلاڑ پر
ہرگز نہ اُس سے بولتے گو جانتے نصیرؔ
بیٹھا ہے مستعد ہی وہ بدخو بگاڑ پر

٦

چیتے کی طرح کمانے نہیں گل جسمِ زار پر
جاروب دے ہے شیر ہمارے مزار پر
روشن نہ شمع ہے مری مشتِ غبار پر
انگشت رکھ پڑھے ہے دعا وہ مزار پر
دے ہے کسو نے خون کا یک مشت خوں بہا
رنگِ حنا نہیں ہے یہ دستِ مزار پر (کذا)
سیماب و برق میں نہ کہاں اضطراب ، ہاں
گزرے ہے جو ہمارے دلِ بے قرار پر
غالب رہے ہے ملکِ سلیماں پہ فوجِ مور
خطِ سیہ نہیں ہے یہ رخسارِ یار پر
بیٹھی نہیں ہے سرو پہ قمری ، یہ عشق نے
پہنا کے اس کو طوق چڑھایا ہے دار پر

قطعہ

کر یاد عندلیب کو بولا ہزار حیف
گلشن میں پھول بیٹھی تھی ہر شاخسار پر
رونا تغافل اپنے پہ صیاد خوب سا
کنجِ قفس میں دیکھ کے دو تیز جار پر
مٹ کر آئیں گے نقشِ قدم کی طرح نصیر
بیٹھے ہیں اس لیے ہی سرِ رہگزار پر

٧

ایسا نہ ہوا آہ کوئی کام زمیں پر
تاچند ہمارا بھی رہے نام زمیں پر

پہنچا نہ کبھو منزلِ مقصود کی رہ میں
افسوس رہا دل یونہی ناکام زمیں پر
کرتا ہوں سدا زلف و رخِ یار کی میں دید
میری تو یہی ہے سحر و شام زمیں پر
دیتا ہے مجھے کب مرا صد پارۂ دل چین
سیماب نمط خاک ہے آرام زمیں پر
بے وجہ ترے رخ پہ نمودار ہوا خط
کیا ہوگا اس آغاز کا انجام زمیں پر
کب اہلِ فنا زیرِ فلک چاہے ہے جینا
ہر دم ہے آئے مرگ کا پیغام زمیں پر
مانندِ نگیں گھر سے تو باہر نہ قدم رکھ
چاہے ہے نصیرؔ اپنا اگر نام زمیں پر

۸

ہے دلِ پُر داغ سے یوں چشمِ گریاں کی بہار
جلوۂ طاؤس سے جوں ابرِ باراں کی بہار
زلف میں تیری نہیں دلہائے سوزاں کی بہار
شب کو ہوتی ہے دوالی کے چراغاں کی بہار
موتیا ایسی کہیں کھلتی ہے نافرمان میں
دیکھ تو اپنے مسی آلودہ دنداں کی بہار
صبح جوں نکلے ہے تارا یوں ہے اے رشکِ قمر
تکمۂ الماس سے تیرے گریباں کی بہار
محوِ دید اپنے نہ کیوں ہوں سینۂ پُر داغ کا
اس روش اس رنگ سے کب ہے گلستاں کی بہار

کان کے بالے سے ہے صد چند اس رخ کی چمک
جلوہ گر ہالے سے ہے کیا ماہِ تاباں کی بہار
اس کی آنکھوں کا تصور روز و شب رکھتا ہوں میں
یک قلم ہے محو دل سے نرگسستاں کی بہار
جس سے اب پالا پڑا ہے وہ نہایت گرم ہے
ہم نشیں لوٹیں گے اب کے ہم زمستاں کی بہار
روبرو اس کے ہر اک تختہ چمن کا گرد ہے
چشمِ خوں افشاں سے ہے اپنے یہ داماں کی بہار
جس طرح شبنم سے رنگیں‌تر لگے ہے برگ گل
یوں عرق سے ہے صبا رخسارِ جاناں کی بہار
باغ میں کب اس روش سے تختۂ سنبل کھلا
دیکھ آئینے میں اپنی زلفِ پیچاں کی بہار
ہیں گلِ مضمونِ رنگیں جلوہ‌گر اس میں نصیر
بیس اربابِ نظر ہے اپنے دیواں کی بہار

۹

پیری میں نہیں تک سرِ مو پشت برابر
تھی آہ جوانی میں کبھو پشت برابر
ساقی ترے اس بوجھ نے احساں کے جتایا
ہم کیونکہ رکھیں پہلے سبو پشت برابر
قاتل یہ ہوس ہے کہ لگا دیجو زمیں سے
تو کاٹ کے خنجر سے گلو پشت برابر
محرابِ دو ابرو میں تری کرتے ہیں سجدہ
کب رکھتے ہیں ہم کرکے وضو پشت برابر

۹

سونے میں تری پشت سے جوڑا وہ کھجوری
دکھلانے لگی نقشِ اثر پشت برابر

میں معرکہ آرا ہوں مرے آگے دمِ رزم
کیا منہ جو رکھے تن کے عدو پشت برابر

بادِ قدِ لیلیٰ میں مراقب نہ ہو اے قیس
کر کھینچ کے اک نعرۂ ہُو ، پشت برابر

جو اہلِ تواضع ہیں وہ جوں شاخِ ثمر دار
رکھتے نہیں سروِ لبِ جُو پشت برابر

سیدھا نہ سمجھنا کوئی دشمن کو کہ جوں سیف
رکھتا ہے وہ پی پی کے لہو پشت برابر

رشک آئے نہ کیوں مجھ کو کہ شب کو دمِ خفتن
رکھتے نہ مری پشت کے تُو پشت برابر

اور سینۂ تصویر نہالی سے صد افسوس
تیری رہے اے آئنہ رو پشت برابر

خود نورِ خدا اے مہِ کامل تھا مجسّم
جز ختمِ رسل کس کا ہو رو ، پشت برابر

تو پرتوۂ مہرِ نبوت (کا ہے) ایک عکس
اُس پشت سے کر اپنی نہ تو پشت برابر

اس بحر میں لازم ہے **نصیر** اور غزل بڑھ
بٹھلا کے نئی طرز سے تو پشت برابر

۱۰

رکھتے مرے سینے سے جو تو پشت برابر
بستر سے لگاؤں نہ کبھو پشت برابر

یک دست قلم ہاتھ کروں گا ترے مانی
اُس کی نہ کھنچی گر سرِ مو پشت برابر

ناصح سے رفو ہو نہ مرا چاکِ گریباں
رکھیو نہ اگر وقتِ رفو پشت برابر

میں ضعف سے انگشت نما جوں مہِ نو ہوں
میری نہیں رکھنے کی ہے خو پشت برابر

جھکتا ہوں جو بوسے کو تو کرنے نہیں دیتی
تیرے گلِ رخسار کی بُو پشت برابر

پلکوں سے سدا دیکھ لے ہم دیتے ہیں جھاڑو
خاک اپنی ہو تیرے سرِ کو پشت برابر

اللہ رے نزاکت کہ تری پشت سے اے شوخ
جوڑے کی بھی ہوگی نہ کبھو پشت برابر

سونے میں کبھی دب گئی چوٹی جو کھجوری
دکھلانے لگی نقشِ اتو پشت برابر

وحشت میں جھکا مت پئے پابوسیٔ زنجیر
رہنے دے ذرا طوقِ گلو پشت برابر

پہلو میں مرے بیٹھ کے یوں بادہ کشی کر
جوں رکھتے ہیں مینا و سبو پشت برابر

کچھ کعبہ و بت خانہ پہ موقوف نہیں ہے
ہر جا ہے ترا جلوۂ رو پشت برابر

کیونکر نہ پرستش کرے ہر مومن و کافر
رُو ہے ہمہ جانب ، ہمہ سو پشت برابر

سونے میں مری پشت سے گر پشت لگی ہو
تو چاک کر اے عربدہ جو پشت برابر

قطعہ

جس وقت کہ پڑھنے کو نماز اے شہ خوباں
رکھتا ہے کھڑا ہو کے جو تو پشت برابر
عشاق صفیں باندھ کے پیچھے ترے اس دم
جوں مقتدیاں رکھتے ہیں رو پشت برابر
رہتا ہے ملا منہ سے تو جوں شیشۂ ساعت
رکھ پشت سے بھی یار نکو پشت برابر
رشک آئے نہ کیوں مجھ کو کہ شب کو دمِ رفتن
رکھتے نہ مری پشت سے تو پشت برابر
اور سینۂ تصویرِ نہالی سے صد افسوس
تیری رہے اے آئنہ رو پشت برابر
ٹیڑھا یہ قدرت نے بنایا ہے جنوں کو (کذا)
دیکھے گا کبھی اُن کی نہ تو پشت برابر
مشہور ہے کل کون سی سیدھی ہے شتر کی
کج وضع نہیں رکھتے کبھو پشت برابر

۱۱

نہ رکھتا ہم نے طفلِ اشک کو ہیہات چھاتی پر
کہ نورِ چشم تھا یہ لوٹتا دن رات چھاتی پر
یہ خطِ کہکشاں رکھتی نہیں ہے رات چھاتی پر
نکالی اُس نے ہے سیدھی رہِ ظلمات چھاتی پر
سپر گرداب کی رکھے نہ کیوں دریا کہ اے ساقی
خدنگِ تارِ بارش چھوڑے ہے برسات چھاتی پر

نہیں رکھتے ہیں بعد از مرگ کچھ پروا اذیت کی
کوئی ٹھکرائے یا آکر لگائے لات چھاتی پر

فراغت اُس کو کہتے ہیں کہ یارانِ عدم رفتہ
زمیں پر پاؤں پھیلا سوئے رکھ کر ہات چھاتی پر

فراقِ مہ جبیں میں کس کو یارو نیند آتی ہے
کہ ہے کالا پہاڑ اک یہ اندھیری رات چھاتی پر

مٹاتا ہوں بہت لیکن نہیں یہ سنگدل مٹتی
کہ نقشِ کالحجر ہے کل کی تیری بات چھاتی پر

نصیر اس آہ کے تیشے سے ہردم کیوں نہ میں کاٹوں
گرا ہے کوہِ غم آکر مرے ہیہات چھاتی پر

۱۲

احمدؐ مرسل کے جو تھی پشتِ نورانی پہ مُہر
صد شرف رکھتی ہے وہ مُہرِ سلیمانی پہ مُہر

مے کشی کیا ہو کہ عکسِ طوقِ قمری ساقیا
ہے وہاں (بھی) شیشۂ سروِ گلستانی پہ مُہر

کھینچ پیشانی پہ قشقہ اے صنم ٹیکا نہ دے
جائے طغریٰ ہے کہاں فرمانِ سلطانی پہ مُہر

اے مسافر سانپ کا من اپنے حق میں اُس کو جان
باندھ مت اپنی کمر پہ کر کے ہمیانی پہ مُہر

پوچھیے کیا خاک آں آسودگانِ خاک سے
ہے خموشی کی زبانِ عالمِ فانی پہ مُہر

جائے حیرت ہے کہ نقاشِ ازل نے کیوں نہ کی
اس مرقع میں تری تصویرِ لاثانی پہ مُہر

طلائی دھکدھکی پر تیری نیلم کا نگیں
جبیں یا ہے یہ قرصِ مہر رخشانی پہ مُہر
پیچ و تاب اتنا نہ کھاتا قاصدا وہ پڑھ کے نام
بھول کر گر میں نہ کرتا خط کی پیشانی پہ مُہر
س لب کیا لیا میں نے جو تو کرتا ہے قتل
کے اے ظالم کلامِ پاکِ ربّانی پہ مُہر
ظرف اُن کا ہے سدا جن کو کھلانے کا ہے ذوق
تنگدل کرتے ہیں خوانِ قابِ بریانی پہ مُہر
چرخ پر انجم یہ شب کو مہ نہیں نکلا نصیر
کاتبِ قدرت کی ہے قرطاسِ افشانی پہ مُہر

۱۳

ایک تو ہے وہ مہوش زمیں کے پردے پر
دوسرا نہیں چرخِ بریں کے پردے پر
لڑائے آنکھ دوپٹے کی اوٹ غیروں سے
نگاہ کیجیو اُس مہ جبیں کے پردے پر
ہوا ہے یہ بیدید دیدۂ مشتاق
ں ہیں گل تری دیبائے چیں کے پردے پر
نہیں ہے شیفتہ در پردہ تجھ پہ غیر تو کیوں
لگائے آنکھ تری شہ نشیں کے پردے پر
آرزو میں کہ اٹھ جائے یہ کہیں پردہ
ی نگاہ ہے اُس نازنیں کے پردے پر
کسی پہ پردۂ تقدیر کی نہ بات کھلی
صد آفریں ہے جہاں آفریں کے پردے پر

وہی حجاب رہا اب تلک وہی پردہ
دلا میں غش ہوں بتِ خشمگیں کے پردے پر
عجب طرح کا ہے پردہ کہ غیر بیٹھے ہیں
میں صدقے اس بتِ پردہ نشیں کے پردے پر
جو اپنے رخ سے وہ خورشید رو اٹھائے نقاب
تو شورِ حشر ہو برپا زمیں کے پردے پر
مجھے یہ ڈر ہے کہ تیرا نصیر شعلۂ آہ
لگا دے آگ نہ چرخِ بریں کے پردے پر

۱۴

برنگِ برق ہے اس کا سمند آتش پر
سوار ہے وہ بتِ خود پسند آتش پر
لکھے کو کیا کہوں قسمت کے میں نہ خط اس نے
لکھا تو پھینک دیا کر کے بند آتش پر
خیالِ لب میں ترے ہے خطا اگر کھاؤں
بنا کے نانِ خطائی کا قند آتش پر
پتنگ کی کرے تقلید کیا مگس کی ہے تاب
جلے ہے شمع بھی اک پرند آتش پر
یہ دل کو اے صنمِ جامہ زیب ڈستے ہیں
جلا دے ناگ پھنی اس کے بند آتش پر
فرو ہو کیونکہ نہ رونے سے میرے غصۂ یار
چھڑکنا آب کا ہے سود مند آتش پر
ذقن کا بوسہ یہ چاہے ہے مت دکھا لبِ لعل
نہ پھینک دل کو بتِ نادہند آتش پر

نہ لایا تاب تجلّی کی طور پر موسیٰؑ
نگاہ جبکہ پڑی اُس بلند آتش پر

ٹھہر چکا دلِ مضطر مرا یہ پارہ ہے
ہزار رکھ اُسے تو کر کے بند آتش پر

چمن میں گل پہ نہیں شبنم اشک ریز سحر
عرق فشاں ہے صبا کا سمند آتش پر

بعشقِ شعلہ رخاں میں ہی کچھ نہیں جلتا
کہ لوٹتے ہیں پڑے مجھ سے چند آتش پر

بوقتِ بادہ کشی میرے آہوئے دل کو
پسندے تو جو کرے خود پسند آتش پر

تو اشک ریز ہوں پہلو بہ پہلو حسرت سے
کباب پر نمکِ گوسفند آتش پر

نصیر اور بھی ایسی کوئی غزل پڑھ گرم
جو ہو کباب کمالِ خجند آتش پر

۱۵

جلا تو بختِ سیہ سے سپند آتش پر
نہ ہوتی ورنہ تجھے کچھ گزند آتش پر

نہیں ہے یہ شفقِ صبح ، اڑ گئی ہے دلا
لگا کے جانبِ چرخِ بلند آتش ، پر

بجھے گی دل کے یہ اشکوں سے چشمِ پر نم آگ
عبث تو چھڑکے ہے پانی دوچند آتش پر

ہوا ہے تیرے لبِ آتشیں پہ تِل پیدا
عجب ہے ! کیونکہ یہ ٹھیرا سپند آتش پر

بتا یہ ہے رخِ گلنار پر ترے گیسو
کہ یہ ہے موجِ دخاں کی کمند آتش پر

نہیں یہ اسپِ حنابستہ ، مت لگا کوڑا
مدام موجِ ہوا ہے گزند آتش پر

شراب پی ہے تو بہرِ گزک کباب بھی کر
مرا یہ رکھ کے دلِ دردمند آتش پر

مفارقت میں ہے آتش رخاں کی یہ بے چین
کہ اس کو آئے ہے جلنا پسند آتش پر

حذر تو اس کے تو شعلے سے اب کہ رکھے ہے
فلک پہ آہِ دلِ مستمند آتش پر

شرر ہے لختِ دلِ تفتہ اس پہ رکھ نہ قدم
کہ پاؤں رکھتے نہیں ہوش مند آتش پر

قطعہ

نہ کیونکہ لکھ کے جلاؤں میں نقشِ حب شب و روز
ترے لیے بتِ زنّار بند آتش پر

نہ تو نے آہ شرارت سے یک قلم کر چاک
جلا دیا مرے نامے کا بند آتش پر

نہ رکھوں ہم نفساں گر دلِ طپیدہ یہ بات
تو جا رہے ابھی بھر کر زقند آتش پر

نصیر قفسِ آتش نفس ہے طائرِ دل
عجب نہیں جو چلے یہ پرند آتش پر

١٦

شق میں خاک اے بتاں ہے زیرِ پا بالائے سر
؎ و آتش شمع ساں ہے زیرِ پا بالائے سر
سبزۂ نوخیز و تارِ بارش اے ساقی ہمیں
بن ترے تیر و سناں ہے زیرِ پا بالائے سر
ش و خیمہ چاہیے کیا خاکساروں کو ترے
زمین و آسماں ہے زیرِ پا بالائے سر
خارِ دشت و داغِ سودا آہ مجنوں کی طرح
یاں بھی اے لیلیٰ وشاں ہے زیرِ پا بالائے سر
تگانِ خاک سے ہم کس طرح پوچھیں کہ اب
سند و افسر کہاں ہے زیرِ پا بالائے سر
جائے نعلین و کلہ شیدا ترا جز مشتِ خاک
اور کیا رکھتا یہاں ہے زیرِ پا بالائے سر

قطعہ

چھ مت ساقی کہ کیونکر دن کٹے ہیں ہجر کے
با بعشقِ گل رخاں ہے زیرِ پا بالائے سر
دود آہ و اشک کی دولت سے میں دیکھوں ہوں سیر
ابر اور آبِ رواں ہے زیرِ پا بالائے سر
چھ سوائے آب رو پاس اپنے مانندِ گہر
ک اب اے دوستاں ہے زیرِ پا بالائے سر

قطعہ

کیا کہوں تجھ سے کہ اس رشکِ قمر کی ہر زماں
کیا نصیرِ خستہ جاں ہے زیرِ پا بالائے سر

۱۸

عکسِ تابِ رخ نہیں ہے مانگ میں سلکِ گہر
چاندنی اور کہکشاں ہے زیرِ پا بالائے سر

۱۷

ابرو نہیں چشمِ بتِ عیار کے سر پر
ہے ناخنِ شیر آہوے تاتار کے سر پر
لاؤ مرے یوسف کو نہ بازار کے سر پر
ٹوٹیں گے خریدار، خریدار کے سر پر
کیا سر کو جھکا اہلِ تواضع نے اٹھایا
گو سنگ لگے شاخِ ثمردار کے سر پر
مجنوں کے نہ کیوں چاٹتا تلوے سگِ لیلیٰ
پھیرے تھا سدا ہاتھ وہ چمکار کے سر پر
کہہ غیر کے جاتی ہے نگارا تری پاپوش
رکھ آ کے قدم اپنے گنہ گار کے سر پر
صدقے ہے پس از مرگ بھی عاشق کی ترے روح
بھونرا نہ سمجھ تو گلِ دستار کے سر پر
شمشیر و خدنگ ابرو مژہ کاں سے لیے ہے (کذا)
چشمِ بتِ سفاک دلِ زار کے سر پر
اے آنسوؤ تائید کرو تم کہ لڑائی
فوج آتے نہیں دیتے ہیں سردار کے سر پر
صحرا میں سدا قیس کے ماتم میں بگولہ
خاک آ کے اڑاتا ہے ہر اک خار کے سر پر
غرفے سے دکھادو رخِ روشن تو چمک جائے
خورشیدِ قیامت ابھی بازار کے سر پر

پہنچا ترے ہاتھوں سے نہ اے تیرگیِ بخت
دیوار کا سایہ کبھی دیوار کے سر پر
بوسہ نہیں سونے میں ترے رخ کا لیا ہے
قرآن نہ رکھ عاشقِ دیندار کے سر پر
جاناں خط پشت لبِ شیریں کو ترے دیکھ
کیا بن گئی طوطیٔ شکر خوار کے سر پر
آیا جو نظر خال تو حسرت سے مگس بھی
منہ پیٹے ہے ہاتھوں سے سدا مار کے سر پر

قطعہ

مشاطہ سلائی سے نہ کاجل کا بنا خال
تو چشمِ بتِ آئنہ رخسار کے سر پر
دیکھا ہے کہ دیتے ہیں اڑا کر کے تصدق
بٹھلاتے نہیں زاغ کو بیمار کے سر پر
فرہاد کی کیا عرس کی شب ہے جو نصیر آہ
لالے نے چراغاں کیا کہسار کے سر پر؟
ثابت یہ نصیر ہم کو ہوا رنگِ شفق سے
ہے خون مرا چرخِ ستم گار کے سر پر

۱۸

غنچۂ پژمردہ کو گلشن میں پھر لائی بہار
اے صبا سیکھی ہے کیا کارِ مسیحائی بہار
قامتِ موزوں کی تیری دیکھ رعنائی بہار
سرو کے سر پر قیامت باغ میں لائی بہار

وقت ہنسنے کے مسی آلودہ دنداں نے ترے
موتیوں کی ہم کو نافرماں میں دکھلائی بہار

قطرۂ شبنم نہیں گل پر یہ اے رشکِ چمن
تجھ کو دیکھے ہے . . . . چشمِ تماشائی بہار

صبح دم موجِ صبا کیونکر نہ دست انداز ہو
چھاتی پر غنچہ کی گلشن میں ہے گدرائی بہار

داغ کھا کر یک قلم سروِ چراغاں بن گیا
دیکھ کر خط کی ترے طاؤس صحرائی بہار

شاخِ گل ہو کر خجل آخر چمن میں کٹ گئی
دستِ گل خوردہ کی میں نے جب کمند کھلائی بہار

تیغِ زنگ آلودہ دل پر تو نے اے قاتل لگا
زخمِ کہنہ کی مرے یکدست چمکائی بہار

ہے اسیرِ دامِ صہبا واں وہ بے پروا نصیر
حیف ہے اے ہم صفیرانِ چمن آئی بہار

۱۹

مژدں کی تیرے ہیں جو نمودار تار تار
مثلِ رگِ سحاب ہیں دُربار تار تار

اشکوں کے اپنے جتنے ہیں اے یار تار تار
تیرے لیے ہیں موتیوں کے ہار تار تار

دارو مرا ہے سینۂ پُر رخنہ جنتری
آہ و فغاں کے کھینچیے ہر بار تار تار

آ بام پر وگرنہ بناؤں گا جیب کے
بن کر کمند میں پسِ دیوار تار تار (کذا)

ے ہیں چشمِ یار کے ، درکار ہی نہیں
ے کو تیرے آہوئے تاتار ، تار تار

ہے فصلِ گل میں دست و گریباں مرے جنوں
کرتا میں ورنہ دامنِ کہسار تار تار

رگِ سحاب ہے گل گوں تری ایال
سے کم نہیں دمِ رفتار تار تار

شیرازہ بند کیونکہ نہ ہو مصحفِ مجید
گیسو کے جب کہ ہوں بہ رخ اے یار تار تار

نقابِ رخ ہے وہاں آہ غیر کا
جیب کے گلے پہ ہے تلوار تار تار

نازک تنی پہ اپنی نہ کیونکر چمن میں گل
پھولے کہ ہیں قبا کے سبکسار تار تار

ہے پاس داریِ انفاس غافلو
ں نہ یہ اُلجھ کے خبردار تار تار

اے رشکِ ماہ طرّۂ مقیش کے ترے
چمکے ہیں ہو کے طرّۂ دستار تار تار

چشمِ ارزق اے دل رہا ہے تو
کو . . . ہی نہیں درکار تار تار

خورشید کے خطوط شعاعی کے کٹ گئے
ہنگام صبح دیکھ کے اک بار تار تار

ڈھونڈتا ہوں عالمِ ناسوت میں کسے
ے کو تیرے اے دلِ بیمار تار تار

یارو یہ بس ہے جامۂ عریاں تنی مجھے
جو ہو نہ چاک چاک نہ زنہار تار تار

اک تار سے بھی اہلِ تجرّد کو ننگ ہے
سوزن نمط نہیں مجھے درکار تار تار

مو ہائے ریش زاہدِ پشمینہ پوش کے
شانے کے ہاتھ سے نہیں بیکار تار تار

دامِ مگس بنایا ہے یاں عنکبوت نے
یارو، کر اپنے جمع یہ بسیار تار تار

سر رشتۂ سخن سے تو واقف ہے اے نصیر
کیا تجھ کو باندھتے ہیں یہ دشوار تار تار

۲۰

حسنِ رخ سے بے خطر ہو زلفِ پیچاں چھوڑ کر
بیٹھ رہ دولت پہ اژدر کو نگہباں چھوڑ کر

نرگسِ بیمار کو کر خالِ ابرو سے سپند
کیا کرے گا زاغ کو اس پر سے جاناں چھوڑ کر

کون دیکھے اخترِ شب تاب اے خورشید رو
دن کو یہ تیرے مسی آلودہ دنداں چھوڑ کر

گو ہے طفلِ اشک نورِ چشم پر اے مردماں
لائے گا طوفان اک دن جیب و داماں چھوڑ کر

اس متاعِ دل کا سودا ایک بوسے پر ہے دو
کوئی بھی جاتا ہے ایسی جنسِ ارزاں چھوڑ کر

کون کہتا ہے کہ ساری کو فلک کے ہاتھ سے
دوڑے آدھی کو یہاں کوئی نہ انساں چھوڑ کر

یہ مثل یارو غلط ہے رفتہ رفتہ دیکھ لو
قرصِ ناں پاتا ہے ماہِ نو لبِ ناں چھوڑ کر

ع وصفِ ہلال ابرو جو دوں اپنا سنا
جاوے گا ہلالی اپنا دیوان چھوڑ کر
اس زمیں میں پڑھ غزل اک اور ہر مضمون نصیر
تا نہ جائیں سامعیں بزمِ سخنداں چھوڑ کر

۲۱

کدھر جائے لبِ جاں بخشِ جاناں چھوڑ کر
، مشکل ہے پانی آبِ حیواں چھوڑ کر
زلف کیا ہے کہہ دلا ذکرِ خط و رخسارِ یار
تو مطوّل کو نہ پڑھ تفسیرِ قرآں چھوڑ کر
ٔ زر سے ترے یوں ہے بہم چمپا کلی
ے نکلے ہے کرن مہرِ درخشاں چھوڑ کر
اُس کے تیروں کا مرے سینے میں ہے دل پر ہجوم
شیر جاتا ہے کہاں یارو نیستاں چھوڑ کر
ے خط منڈوا کے وہ کہتے ہیں یہ حجّام سے
رِ مور اُٹھ گیا ملکِ سلیماں چھوڑ کر
زیبِ ماہِ نو ہے اختر سے گلے میں اپنے تم
تکمۂ الماس باندھو ہو گریباں چھوڑ کر
دکھلایا جو اُس نے کھول کر بندِ قبا
ساز اُٹھ گئے صاف اپنی دکّاں چھوڑ کر
گر دکھا دے زلف و رخ توہوں ترے حلقہ بگوش
کفر و اسلام آج ہندو و مسلماں چھوڑ کر
ِ رخسارِ عرق افشاں دکھا کر مت اُٹھا
نہ جاؤں گا یہ سیر برق و باراں چھوڑ کر

پائے در زنجیر ہو کر میں کروں برپا جو غل
بھاگ جائے سر کے بل مجنوں بیاباں چھوڑ کر

غیر کا دم بھر کے یارو وہ جلاتے ہیں مجھے
دمبدم میری طرف دو دودِ قلیاں چھوڑ کر

کیوں نہ مانندِ نگیں روشن ہو نام اُس کا نصیر
گھر میں بیٹھے اپنے جو دنیا کو انساں چھوڑ کر

۲۲

رخ پر نہیں اُس کے خطِ ریحان کی تحریر
ہے گردِ چمن سبزۂ غلطاں کی تحریر

قاصد یہ اُسے کہیو زبانی کہ نہیں چین
میں کیا کروں حالِ دلِ نالاں کی تحریر

عارض پہ ترے بالے کے موتی یہ نہیں ہیں
ہے حاشیۂ گل پہ مدن بان کی تحریر

سیکھے ہے خطِ ہشتِ لبِ لعل سے تیرے
یاقوت رقم خال بھی اس عنوان کی تحریر

کیونکر نہ ترے روئے مخطط کو میں دیکھوں
ہے جدولِ قرآں پہ عجب شان کی تحریر

یہ لختِ جگر میرے نہیں ہیں سرِ مژگاں
ہے ساحلِ دریا پہ چراغاں کی تحریر

دکھلاتی تماشا ہے مجھے شام و شفق کا
لب پر ترے رنگِ مسی و پان کی تحریر

چمکے ہے تری جعد میں موباف زری کا
یا ابر میں ہے برقِ درخشاں کی تحریر

ہے جی میں نصیرؔ اپنے کہ دیوان میں اُس کو
کیجے یہ غزل تجھ سے سخن داں کی تحریر

۲۳

ن بوسے کی کیا ہے حجت، سوال دیگر جواب دیگر
کے کہہ بات بے مروت، سوال دیگر جواب دیگر
بۂ سے ہے اور اپنا سخن کو ہم تیرے کیونکہ جانیں
ُھلتی نہیں حقیقت، سوال دیگر جواب دیگر
مطلب کی کہہ رہا ہوں وہ آئنہ رو اک عیب میں ہے
و ملنے کی خاک صورت، سوال دیگر جواب دیگر
وں میں سنوارو زلفیں تو وہ بگڑتے ہیں دے کے گالی
صیبوں کی کچھ ہے شامت، سوال دیگر جواب دیگر
پیغام وصل کا ہے، تمھاری تقریر ہجر کی ہے
ہ یہ بھی خدا کی قدرت، سوال دیگر جواب دیگر
میں نے کہ دو مرا دل تو بولے ہنس کر کدھر ہے دلّی
تو کیا اور اُن کو رحمت، سوال دیگر جواب دیگر

۲۴

ی عبث تو سرو کے جوں نٹ ہے بانس پر
، کبھی نہ چت نہ کبھی پٹ ہے بانس پر
اختر ہیں شب کو یا کہ چراغاں کا اے فلک
اس خطِ کہکشاں کے یہ جمگھٹ ہے بانس پر
دل ہدف ہے، طفلِ فرنگی لگا تفنگ
اتا کیوں یہ کاغذِ پرمٹ ہے بانس پر

ہسے کی طرح بہان متی کے جز اشکِ سرخ
مژگاں کے کب چڑھا کوئی جھٹ پٹ ہے بانس پر

کیوں اب بنہٹی پھینکے ہے جو برق تو نگاہ
کرتی آٹھا کے ابر کا گھونگھٹ ہے بانس پر

شب کیوں نہ سر پہ شمع کے شعلہ ہو گرمِ رقص
بازی گر اپنے حق کا یہ پاکھٹ ہے بانس پر

دنبالہ سرمے کا یہ نہیں ترکِ چشمِ یار
نیزے کی تیرے زور آداہٹ ہے بانس پر

مرغانِ باغ کیا رہیں بے کھٹکے باغباں
ڈرتا سدا تو کھٹکے کی کھٹ کھٹ ہے بانس پر

کہہ دو کوئی یہ بہان متی سے کہ تو چڑھا
پتلے کی کیا دکھاتی ہراوٹ ہے بانس پر

عاشق کے اشکِ سرخ کی مژگاں یہ دیکھ سیر
پہنچا عجب ہی رنگ سے جھٹ پٹ ہے بانس پر

گلشن میں اے نصیر یہ غنچہ ہے شاخ پر
یا سر پہ رکھے سبو کو چڑھا نٹ ہے بانس پر

۲۵

تیری پلکیں یہ بھی جاناں ایک ترکش کے ہیں تیر
ان سے دل سہمے نہ کیوں ، ہاں ایک ترکش کے ہیں تیر

نالۂ شب گیر و آہ صبح سے عاشق کی تو
حوف کھا اے چرخِ گردوں ایک ترکش کے ہیں تیر

ن سے تو سر بر نہ ہوگی ، مت اُلجھ اے زلف دیکھ
ک قلم شانے کے دندان ایک ترکش کے ہیں تیر

انہ کیوں نہ لے جھاڑو کے تنکوں سے وہ طفل
کماں بردارِ دوراں ایک ترکش کے ہیں تیر
نارِ بارش یہ نہیں دوشِ ہوا پر زاہدا
یہ چشمِ بادہ نوشاں ایک ترکش کے ہیں تیر
' نرگس نہیں یہ ، دیکھ چشمِ غور سے
ن کے پاس یاراں ایک ترکش کے ہیں تیر
کیونکہ جاں بر ہو کوئی کافر نگاہوں میں ترے
یہ بھی تو میں تیرے قرباں ایک ترکش کے ہیں تیر
ں کہتی ہیں جسمِ ناتوانِ قیس کی
بھی اے خارِ بیاباں ایک ترکش کے ہیں تیر
ہو نشانہ سینۂ حاسد نہ کیونکر اے نصیر
شعر تیرے اے سخنداں ایک ترکش کے ہیں تیر

۲۶

دیا تھا جس کو گنگا پار کل کی بات پر
وہ ڈوبا سنا اے یار کل کی بات پر
بختِ خوابیدہ مرے جاگے ہیں اک مدت میں آج
رکھ کے مت سو درمیاں تلوار کل کی بات پر
ڑوں ہوتی ہیں باتیں ایسی بدمستی میں یاں
خفا ہو اے بتِ مے خوار کل کی بات پر
راہ تکتا ہے بشکلِ حلقۂ در ، جلد آ
گھر میں تیری چشم کا بیمار کل کی بات پر
و ہونا تھا تو ہم پھر ہو چکا اے رشکِ گل
کیوں ہے تو گلے کا ہار کل کی بات پر

گھر میں کیا ہنستا ہے تو چل دیکھ اے خانہ خراب
کوئی روتا ہے پسِ دیوار کل کی بات پر

۲۷

رہ گیا پہلو میں کیا قاتل کا خنجر ٹوٹ کر
طائرِ دل کا مرے نکلا ہے شہپر ٹوٹ کر
ایک دم کی زندگی پر سر کشی مت کر حباب
مل گئے ہیں خاک میں یاں کاسۂ سر ٹوٹ کر
لوٹتا پھرتا ہے یوں تہ پر زمیں کے اشک اب
آب و دانہ پر گرے ہے جوں کبوتر ٹوٹ کر
عکسِ خالِ رخ کو بولا یوں وہ آئینے میں دیکھ
دیکھیے کیا ہو، گرا دریا میں اختر ٹوٹ کر
بلبلا سا ایک دن ہمتا پھرے گا آسماں
ابر آسا مت برس اے دیدۂ تر ٹوٹ کر
گردشِ چشمِ بتاں نے دل شکستہ کر دیا
ورنہ لا نہوں خاک پر بنتے ہیں ساغر ٹوٹ کر
دیکھیے کیسی بنے اب جان پر اپنے **نصیر**
آ پڑا ہے لشکرِ غم ملکِ دل پر ٹوٹ کر

۲۸

شوخیٔ چشم جو آئی تری اے یار نظر
رمِ آہو سے مری اٹھ گئی یک بار نظر
سرمہ آلود تری کیا ہے یہ دل دار نظر
تیرِ خاکی کی طرح دل کے ہوئی پار نظر (کذا)

تیرے عارض پہ کہاں خطِ سیہ نکلا ہے
ابر آتا ہے ہمیں منہ پہ دھواں دھار نظر

خالِ چشم ایک یہ تعویذِ نظر ہے تیرا
چشمِ بد دور لگی کس کی تجھے یار نظر

حلقۂ زلف سے دل جھالکے ہے یوں رخ پہ ترے
جوں کرے سوے چمن مرغِ گرفتار نظر

وادیٔ قیس میں آنکھوں سے قدم رکھتا ہوں
چشمِ بر آبلہ پا پہ رکھ نہ سرِ خار لظر (؟)

دامنِ ابرِ مژہ ہے گہرِ اشک سے پُر
تجھ پہ کیا کیجیے اے ابرِ گہر بار نظر

کھینچ کر تیغ لگاتی ہے دو دستی مژگاں
اس کی پڑتی نہیں دل پر مرے ہر بار نظر

ٹیکا اس مہ کی جبیں کا نہ سمجھنا اے چشم
دیکھ کہتا ہوں تجھے، کیجو نہ زنہار نظر

دست کاری تری معلوم ہوئی دستِ جنوں
جیب کا ایک بھی آتا نہیں اب تار نظر

شمع نازاں نہ ہو اس پر کہ وبالِ گردن
ہم کو آتا ہے ترا طرّۂ زرتار نظر

کیونکہ اک نیزے پہ خورشید اب آ کر ٹھیرا
یہ قیامت کے ہمیں آتے ہیں آثار نظر

کھوج کیا دل کا ملے کاکلِ جاناں میں نصیر
کام کرتی نہیں یعنی بشبِ تار نظر

۲۹

خال مشاطہ بنا کاجل کا چشمِ یار پر
زاغ کو ہر تصدق رکھ سرِ بیمار پر
مجھ کو رحم آتا ہے دستِ نازکِ دلدار پر
میں ہی رکھ دوں گا گلا اے ہمدمو تلوار پر
در حفاظت رخ کی ہے منظور تو منڈوا نہ خط
باغباں رکھتا ہے کانٹے باغ کی دیوار پر
دیکھے مژگاں پر مرے طغیانیِ سیلِ سرشک
نوح کا طوفاں نہ دیکھا ہووے جس نے خار پر
صاحبِ تجرید کو نامِ تعلق سے ہے ننگ
دیدۂ سوزن کو اپنے کب نظر ہے تار پر
ترک کرنا ہے وطن کا سرفرازی کی دلیل
باغ سے ہو کر جدا پہنچے ہے گل دستار پر
جو کہ ہیں اہلِ تواضع اُن کو آسائش نہیں
لب ہے نا انصافیِ گردونِ بد کردار پر
پیچ ہے یادِ کمر دل اُس دہن کا رکھ خیال
نکتہ داں ہے تو نظر کر مخزنِ اسرار پر
اے دلِ مضطر اُچھلنا واں تلک ممکن نہیں
تب ہوئی تیری رسائی یار کی دیوار پر
دیکھ کہتا ہوں پہنچ تو یوں کمندِ آہ سے
جس طرح سے عنکبوت اپنے چڑھے ہے تار پر
گرم پروازی کرے کیا وہ ترے آگے نصیر
طائرِ فکرِ عدو کے جلتے ہیں اے یار پر

۳۰

خط نہیں اے دوستو پشت لبِ دل دار پر
فوجِ موران صف آرا ہے چڑھی قندھار پر

بے سویدا ہاتھ مت دل ڈال زلفِ یار پر
ماش پہلے پڑھ کے منتر پھینک روے یار پر

کون کہتا ہے کہ سبزہ آگ پر اُگتا نہیں
خط ہے بیٹھا یار کے دیکھو لبِ گلنار پر

کیوں نہ ہو مجھ کو خیال اُس کے دہانِ تنگ کا
نکتہ داں ہوں میں، نظر ہے مخزنِ اسرار پر

حق اگر پوچھو تو اعجازِ سرِ منصور تھا
ورنہ لگتا تھا تعجب پھل کا نخلِ دار پر

جس کو دیکھا ہی نہیں اس کی وطن میں قدر خاک
باغ سے ہو کر جدا چڑھتا ہے گل دستار پر

فیض کا ہونا یہی . . . سر کا باعث ہی نہیں
حیف نا انصافیِ گردونِ بد کردار پر

سر بلندوں کو جھکاتی ہے سیہ بختی یہاں
مت اُبھر منعم، نظر کر سایۂ دیوار پر

موردِ ظلم و ستم ہوتا نہیں سروِ چمن
سنگ باری ہم نے دیکھی بار دار اشجار پر

روزِ وصلِ رشکِ مہ ہے شامِ فرقت اے نصیر
حیف نا انصافیِ گردونِ بد کردار پر

۳۱

رو کش ترے خالِ رخِ زیبا سے ہو کیونکر
یہ بے ادبی دل کے سویدا سے ہو کیونکر

دل وصل طلب اُس بتِ ترسا سے ہو کیونکر
شیشے کی بھلا دوستی خارا سے ہو کیونکر

سو مردے جِلاوے ہے وہ اک جنبشِ لب سے
منکر کوئی اعجازِ مسیحا سے ہو کیونکر

جب نوح کو اندیشۂ کشتی ہو تو پھر خضر
دل پار مرا عشق کے دریا سے ہو کیونکر

کچھ گانٹھ میں رکھتی ہو تو دوں جنسِ دل اُس کو
سودا تری ہاں زلفِ چلیپا سے ہو کیونکر

دل چھوڑ کے خط پوچھ رہِ عشق نہ لب سے
یہ کام خضر کا ہے، مسیحا سے ہو کیونکر

بیشے میں قناعت کے کچھ آسان نہیں رہنا
ہم چشمیٔ شیراں سگِ دنیا سے ہو کیونکر

حسنِ رخِ دلدار ہے ہر جا متجلّی
پنہاں یہ مرے دیدۂ بینا سے ہو کیونکر

فرقت کو ترے حضرتِ یوسف کی گوارا
تا مرگ عزیزو یہ زلیخا سے ہو کیونکر

جب تک نہ چلوں سر کے بل اے وائے میں جوں شمع
طے عشق کی منزل یہ مرے پا سے ہو کیونکر

ہم سر یہ تری کاکلِ مشکیں سے ہو کیا بات
جانا نہ خطا عنبرِ سارا سے ہو کیونکر

گردن جھکی رکھتے ہیں مدام اہلِ تواضع
اے بادہ کشاں سرکشی مینا سے ہو کیونکر

اُس چشمِ فسوں ساز کا بیمار ہوں یارو
تسکین مری آہوے صحرا سے ہو کیونکر

گستاخ نہیں یار کے دامن کو جو چھیڑے
یہ بات مرے دستِ تمنّا سے ہو کیونکر

دل بستگی ہے کان کے جھمکے سے کسی کے
الفت مجھے شب عقدِ ثریّا سے ہو کیونکر

فردا پہ رہا آج کے آنے کا بھی اقرار
آرام ، بتا ہجر کی ایذا سے ، ہو کیونکر

فردا تری فردائے قیامت سے نہیں کم
تسکین مری وعدۂ فردا سے ہو کیونکر

مالک ہے **نصیر** اپنے تو اندازِ سخن کا
تحریر غزل ایسی اب انشا سے ہو کیونکر

۳۴

نگہ کی مت لگا برچھی بتِ بے پیر چھاتی پر
ترے قربان کیا کم تھا مژہ کا تیر چھاتی پر

نہ لوٹا آہ طفلِ اشکِ دامن گیر چھاتی پر
کہ تھا یہ نور دیدہ اُس کی تھی توقیر چھاتی پر

کرے جب چڑھ کے مرفوع القلم تقدیر چھاتی پر
نہ کیوں زخموں پہ کھائے زخم پھر قطگیر چھاتی پر

میں ان روزوں سے اے طفلِ حسیں تیرا ہوں دیوانہ
کہ منّت کا گلے میں طوق تھا زنجیر چھاتی پر

جواب نامہ کی تا ہو نہ بعد از مرگ کچھ حاجت
تصوّر کھینچ میرے یار کی تصویر چھاتی پر
کرے کیونکر نہ سنگ آسیا پھر شور و غل برپا
دلے جب مونگ اس کی تو سدا تقدیر چھاتی پر
عزیزو ہے مرے دل کو خیال اس کے خط رخ کا
نہ رکھوں سورۂ یوسف کی کیوں تفسیر چھاتی پر
ہوا ہو جائے اک دم میں نہ کیوں گنبد حبابوں کا
تری اے قلزم مّواج ہے تعمیر چھاتی پر
کرے ہے ذبح تو مجھ کو اگر تو دیکھ کہتا ہوں
چھری مت پھیر قاتل چڑھ کے بے تکبیر چھاتی پر
بت عشّاق کش کا کیوں نہ میرے بانکپن چمکے
جو سوے زیر سر رکھ کر سر شمشیر چھاتی پر
نہیں کچھ خانۂ ماتم سے کم بے فیض کا مطبخ
رکھے ہے دیکھ لو سوراخ غم کف گیر چھاتی پر
نہ پہنچا نار پستاں تک جب اس کے ہاتھ تب بارو
لگا بیٹھا میں گستاخی سے اک انجیر چھاتی پر
چراغ کعبۂ دل ہے سویدا مت لپٹ اس سے
ترے ہے داغ عشق لالہ رو جا گیر چھاتی پر
وبال سر نہ کیوں ہو شمع کا تاج زر آلودہ
چڑھا جاتا ہے شب کو دیکھ لو گل گیر چھاتی پر

قطعہ

غلط فہمی ہے ان کی جو فلک کو دیکھ کہتے ہیں
رکھے ہے کہکشاں کی رات کو تحریر چھاتی پر

مرے فرہاد دل نے آہ کے تیشے سے کالا ہے
رواں ہے کوہ کے پارو یہ جوئے شیر چھاتی پر
نہ ہو ہمدرد جو معشوق کا عاشق نہیں ہے وہ
ذرا ہاتھ اپنا رکھ لے واجب التقدیر چھاتی پر
تموزِ مہرِ رخشاں سے نہ کھلاتا جو تو بلبل
سرِ گل پر گلستاں میں بصد تدبیر چھاتی پر
سوائے خاک و سنگ و خشت تم نے بعد مرنے کے
نہ دیکھا آہ ہوگا اے جوان و پیر چھاتی پر
گیا جامِ گدائی چھوڑ یہ وہ تخت و افسر کو
گدا کچھ لے گیا یاں سے نہ عالمگیر چھاتی پر
تفنگِ کہکشاں تو ہرنیوں کے صید کے خاطر
چڑھائے شب کو رہتا ہے سپہرِ پیر چھاتی پر
دلا شوقِ شکارِ سرِ طایر ہے اگر تجھ کو (کذا)
لگا تو بھی خدنگ نالۂ شب گیر چھاتی پر
نصیر ایسی غزل تو نے کہی ہے دل ہی جانے ہے
جو ہوتے ، آج رکھتے میرزا و میر چھاتی پر

۳۳

چلتی ہر موج کی رہتی ہے بھنور سے تلوار
بانکے ٹیڑھوں کی جدا کیا ہو سپر سے تلوار
کیا چمکتی ہے تری قبضۂ زر سے تلوار
کہ مہِ نو کی گری میری نظر سے تلوار
امتحاں کی ہوس اب تک بھی ہے اس ظالم کو
مر گیا تا بہ کمر کھا کے میں سر سے تلوار

۳۱

رو کش ترے خال رخ زیبا سے ہو کیونکر
یہ بے ادبی دل کے سویدا سے ہو کیونکر
دل وصل طلب اُس بت ترسا سے ہو کیونکر
شیشے کی بھلا دوستی خارا سے ہو کیونکر
سو مردے جلاوے ہے وہ اک جنبش لب سے
منکر کوئی اعجاز مسیحا سے ہو کیونکر
جب نوح کو اندیشۂ کشتی ہو تو پھر خضر
دل پار مرا عشق کے دریا سے ہو کیونکر
کچھ گانٹھ میں رکھتی ہو تو دوں جنس دل اُس کو
سودا تری ہاں زلف چلیپا سے ہو کیونکر
دل چھوڑ کے خط پوچھ رہ عشق نہ لب سے
یہ کام خضر کا ہے ، مسیحا سے ہو کیونکر
بیشے میں قناعت کے کچھ آسان نہیں رہنا
ہم چشمیٔ شیراں سگ دنیا سے ہو کیونکر
حسن رخ دلدار ہے ہر جا متجلّی
پنہاں یہ مرے دیدۂ بینا سے ہو کیونکر
فرقت کو ترے حضرت یوسف کی گوارا
تا مرگ عزیزو یہ زلیخا سے ہو کیونکر
جب تک نہ چلوں سر کے بل اے وائے میں جوں شمع
طے عشق کی منزل یہ مرے پا سے ہو کیونکر
ہم سر یہ تری کاکل مشکیں سے ہو کیا بات
جانا یہ خطا عنبر سارا سے ہو کیونکر

دن جھکی رکھتے ہیں مدام اہلِ تواضع
ے بادہ کشاں سرکشی مینا سے ہو کیونکر

اُس چشمِ فسوں ساز کا بیمار ہوں یارو
تسکین مری آہوئے صحرا سے ہو کیونکر

ستاخ نہیں یار کے دامن کو جو چھیڑے
بات مرے دستِ تمنا سے ہو کیونکر

دل بستگی ہے کان کے جھمکے سے کسی کے
الفت مجھے شب عقدِ ثریا سے ہو کیونکر

دا پہ رہا آج کے آنے کا بھی اقرار
م ، بتا ہجر کی ایذا سے ، ہو کیونکر

فردا تری فردائے قیامت سے نہیں کم
تسکین مری وعدۂ فردا سے ہو کیونکر

مالک ہے نصیر اپنے تو اندازِ سخن کا
تحریر غزل ایسی اب انشا سے ہو کیونکر

۳۲

ہ کی مت لگا برچھی بتِ بے پیر چھاتی پر
رے قربان کیا کم تھا مژہ کا تیر چھاتی پر

نہ لوٹا آہ طفلِ اشکِ دامن گیر چھاتی پر
کہ تھا یہ نور دیدہ اُس کی تھی توقیر چھاتی پر

رے جب چڑھ کے مرفوع القلم تقدیر چھاتی پر
کیوں زخموں پہ کھائے زخم پھر قطگیر چھاتی پر

میں ان روزوں سے اے طفلِ حسین تیرا ہوں دیوانہ
نہ منت کا گلے میں طوق تھا زنجیر چھاتی پر

جوابِ نامہ کی تا ہو نہ بعد از مرگ کچھ حاجت
تصوّر کھینچ میرے یار کی تصویر چھاتی پر
کرے کیونکر نہ سنگِ آسیا پھر شور و غل برپا
دلے جب سونگ اُس کی تو سدا تقدیر چھاتی پر
عزیزو ہے مرے دل کو خیال اُس کے خطِ رخ کا
نہ رکھوں سورۂ یوسف کی کیوں تفسیر چھاتی پر
ہوا ہو جائے اک دم میں نہ کیوں گنبد حبابوں کا
تری اے قلزمِ مّواج ہے تعمیر چھاتی پر
کرے ہے ذبح تو مجھ کو اگر تو دیکھ کہتا ہوں
چھری مت پھیر قاتل چڑھ کے بے تکبیر چھاتی پر
بتِ عشّاق کش کا کیوں نہ میرے بانکپن چمکے
جو سوے زیرِ سر رکھ کر سرِ شمشیر چھاتی پر
نہیں کچھ خانۂ ماتم سے کم بے فیض کا مطبخ
رکھے ہے دیکھ لو سوراخ غم کف گیر چھاتی پر
نہ پہنچا زارِ پستاں تک جب اُس کے ہاتھ تب یارو
لگا بیٹھا میں گستاخی سے اک انجیر چھاتی پر
چراغِ کعبۂ دل ہے سویدا مت لپٹ اس سے
ترے ہے داغِ عشقِ لالہ رو جاگیر چھاتی پر
وبالِ سر نہ کیوں ہو شمع کا تاجِ زر آلودہ
چڑھا جاتا ہے شب کو دیکھ لو گل گیر چھاتی پر

قطعہ

غلط فہمی ہے ان کی جو فلک کو دیکھ کہتے ہیں
رکھے ہے کہکشاں کی رات کو تحریر چھاتی پر

مرے فرہاد دل نے آہ کے تیشے سے کاٹا ہے
رواں ہے کوہ کے پارو یہ جوئے شیر چھاتی پر
نہ ہو ہمدرد جو معشوق کا عاشق نہیں ہے وہ
ذرا ہاتھ اپنا رکھ لے واجب التقدیر چھاتی پر
تموزِ مہرِ رخشاں سے نہ کھلاتا جو تو بلبل
سرِ گل پر گلستاں میں بصد تدبیر چھاتی پر
سوائے خاک و سنگ و خشت تم نے بعد مرنے کے
نہ دیکھا آہ ہوگا اے جوان و پیر چھاتی پر
گیا جامِ گدائی چھوڑ یہ وہ تخت و افسر کو
گدا کچھ لے گیا یاں سے نہ عالمگیر چھاتی پر
تفنگ کہکشاں تو ہرنیوں کے صید کے خاطر
چڑھائے شب کو رہتا ہے سپہرِ پیر چھاتی پر
دلا شوقِ شکارِ سرِ طایر ہے اگر تجھ کو (کذا)
لگا تو بھی خدنگ نالۂ شب گیر چھاتی پر
نصیر ایسی غزل تو نے کہی ہے دل ہی جانے ہے
جو ہوتے، آج رکھتے میرزا و میر چھاتی پر

۳۳

چلتی ہر موج کی رہتی ہے بھنور سے تلوار
بانکے ٹیڑھوں کی جدا کیا ہو سپر سے تلوار
کیا چمکتی ہے تری قبضۂ زر سے تلوار
کہ مہِ نو کی گری میری نظر سے تلوار
امتحاں کی ہوس اب تک بھی ہے اس ظالم کو
مر گیا تا بہ کمر کھا کے میں سر سے تلوار

جوابِ نامہ کی تا ہو نہ بعد از مرگ کچھ حاجت
تصوّر کھینچ میرے یار کی تصویر چھاتی پر

کرے کیونکر نہ سنگِ آسیا پھر شور و غل برپا
دلے جب مونگ اُس کی تو سدا تقدیر چھاتی پر

عزیزو ہے مرے دل کو خیال اُس کے خطِ رخ کا
نہ رکھوں سورۂ یوسف کی کیوں تفسیر چھاتی پر

ہوا ہو جائے اک دم میں نہ کیوں گنبد حبابوں کا
تری اے قلزمِ متواج ہے تعمیر چھاتی پر

کرے ہے ذبح تو مجھ کو اگر تو دیکھ کہتا ہوں
چھری مت پھیر قاتل چڑھ کے بے تکبیر چھاتی پر

بتِ عشّاق کش کا کیوں نہ میرے بانکپن چمکے
جو سوے زیرِ سر رکھ کر سرِ شمشیر چھاتی پر

نہیں کچھ خانۂ ماتم سے کم بے فیض کا مطبخ
رکھے ہے دیکھ لو سوراخ شم کف گیر چھاتی پر

نہ پہنچا نارِ پستاں تک جب اُس کے ہاتھ تب یارو
لگا بیٹھا میں گستاخی سے اک انجیر چھاتی پر

چراغِ کعبۂ دل ہے سویدا مت لپٹ اس سے
ترے ہے داغِ عشقِ لالہ رو جاگیر چھاتی پر

وبالِ سر نہ کیوں ہو شمع کا تاجِ زر آلودہ
چڑھا جاتا ہے شب کو دیکھ لو گل گیر چھاتی پر

قطعہ

غلط فہمی ہے ان کی جو فلک کو دیکھ کہتے ہیں
رکھے ہے کہکشاں کی رات کو تحریر چھاتی پر

مرے فرہاد دل نے آہ کے تیشے سے کاٹا ہے
رواں ہے کوہ کے یارو یہ جوئے شیر چھاتی پر
نہ ہو ہمدرد جو معشوق کا عاشق نہیں ہے وہ
ذرا ہاتھ اپنا رکھ لے واجب التقدیر چھاتی پر
تموزِ مہرِ رخشاں سے نہ کھلاتا جو تو بلبل
سرِ گل پر گلستاں میں بصد تدبیر چھاتی پر
سوائے خاک و سنگ و خشت تم نے بعد مرنے کے
نہ دیکھا آہ ہوگا اے جوان و پیر چھاتی پر
گیا جامِ گدائی چھوڑ یہ وہ تخت و افسر کو
گدا کچھ لے گیا یاں سے نہ عالمگیر چھاتی پر
تفنگ کہکشاں تو ہرنیوں کے صید کے خاطر
چڑھائے شب کو رہتا ہے سپہرِ پیر چھاتی پر
دلا شوقِ شکارِ سرِ طایر ہے اگر تجھ کو (کذا)
لگا تو بھی خدنگ نالۂ شب گیر چھاتی پر
نصیر ایسی غزل تو نے کہی ہے دل ہی جانے ہے
جو ہوتے، آج رکھتے میرزا و میر چھاتی پر

۳۳

چلتی ہر موج کی رہتی ہے بھنور سے تلوار
بانکے ٹیڑھوں کی جدا کیا ہو سپر سے تلوار
کیا چمکتی ہے تری قبضۂ زر سے تلوار
کہ مہِ نو کی گری میری نظر سے تلوار
امتحاں کی ہوس اب تک بھی ہے اس ظالم کو
مر گیا تا بہ کمر کھا کے میں سر سے تلوار

لختِ دل یہ نہیں تار مژہ پر طفلِ سرشک
پاؤں میں باندھ کے پھرتا ہے ہنر سے تلوار

مور کے حق میں نہیں پر کا نکلنا بہتر
اے میاں ہاتھ میں رکھ کھول کمر سے تلوار

زخمِ دل کیوں نہ ہرا ہو کہ ترے ابرو کی
زہر آلود ہے وسمے کے اثر سے تلوار

دست انداز نہ گلچیں ہو کہ مرغانِ چمن
رکھتے پہلو میں ہیں شاخِ گلِ تر سے تلوار

لطف بِن اُس کے ہے کیا بادہ کشی کا ساقی
لبِ ساغر کے نہیں کم یہ تبر سے تلوار

کیا اسی تحفے کے لائق یہ گنہ گار تھا آہ
تم مرے قتل کو لائے جو سفر سے تلوار

کی ہے پیدا تری تعریف کو اس نے یہ زباں
کھینچ مت میرے لبِ زخمِ جگر سے تلوار

گزری شب وصل کی ڈر قتل مجھے تو لے کر
پنجۂ مہر گریبانِ سحر سے تلوار

قتل ہونے کر نہ باندھیں اگر عشّاق کمر
قطرۂ خوں کو یہاں پھر تری تر سے تلوار

دم چرانے کا گماں یہ ہے کہ کرتا ہے تیز
میری تربت کے سدا لوحِ حجر سے تلوار

دیکھتا کیا ہے کہ ہے معرکہ آرائی آج
برق چمکائے ہے اندازِ دگر سے تلوار

چاہتا ہوں میں کہ اے ابر مژہ تجھ سے بھی
موج ہر اشک سے تلوار پہ برسے تلوار

قیس و فرہاد کہاں جائیں ترے ہاتھ سے عشق
کاش لیں راہِ عدم مار کے سر سے تلوار

خارِ صحرائے جنوں خیز لیے ہے برچھی
کمرِ کوہ میں ہے سبزۂ تر سے تلوار

پڑھ غزل اور بھی اس بحر میں ایسی ہی نصیر
کہ نہ گزری ہو کسی کی وہ نظر سے تلوار

لکھ غزل اور بھی تو صاحبِ جوہر ہے نصیر
باندھ ہر شعر میں مضمونِ دگر سے تلوار

۳۴

قاتل ابرو کی لگاتا ہے ادھر سے تلوار
دل ادھر داغ کی روکے ہے سپر سے تلوار

جس نے دیکھا نہ ہو گر شہپرِ عنقا، دیکھے
باندھ کر آج وہ نکلا ہے کمر سے تلوار

ہمدمو غیر کے قبضے سے نکلتا وہ نہیں
جی میں ہے مار کے مر جائیے سر سے تلوار

تشنۂ خوں ہے غضب کوچۂ جاناں کی زمیں
کہ جہاں چلتی ہے تا شام سحر سے تلوار

دلِ مجروح کو کیوں چاندنی کو میں سونپوں
کھائے ہے دستِ بتِ رشکِ قمر سے تلوار

ہوں وہ ناکامِ شہادت کہ نہیں چلتی ہے
مرے حلقوم پہ اس ترک پسر سے تلوار

بدگماں جان کے کیونکر ہوں ہم آغوش اس سے
درمیاں رکھ کے وہ سوتا ہے خطر سے تلوار

طفلِ قنّاد بتا آج ترش رو ہو کر
لے کے نکلے مرے کیوں قتل کو گھر سے تلوار

کل کی یہ بات ہے تو کہہ کے کہلاتا تھا مجھے
خوب میٹھی ہے یہ مصری کی شکر سے تلوار

اُس کے دلدان کے تصوّر میں نکل کر چمکی
موجۂ اشک کی جو دیدۂ تر سے تلوار

تو لگے دیکھ کے سب کہنے مبصّر ہے مجھے
آبداری میں نہیں کم یہ گُہر سے تلوار

کون کہتا ہے اسے ہے یہ شعاعِ خورشید
زرگرِ چرخ نے ڈھالی ہے ہنر سے تلوار

تجھ کو کیوں صاحبِ جوہر نہ کہیں لوگ **نصیر**
باندھی ہر شعر میں مضمونِ دگر سے تلوار

۳۵

ابرو ہیں اور لب ترے دلبر ہلال چار
ہے آئنہ یہ دیکھ کے ششدر ہلال چار

ٹوپی سمجھ نہ اُس کو تمامی کی چار سرک
قربان سر ترے ہیں یہ مل کر ہلال چار

معجز نما ہے یار کا شبدیز اے فلک
نقشوں سے نعل کے ہیں زمیں پر ہلال چار

دیواں کی اپنے دیکھ لو محرابِ چار در
دیکھے نہیں جو تم نے برابر ہلال چار

قاتل کی میرے تیغ وہ ہے گر آ گل پڑے
گاوِ زمیں کی شاخیں ہوں کٹ کر ہلال چار
دوش و کمان و خنجر و شمشیر ہے کہاں
قبضے میں وہ رکھے ہے ستم‌گر ہلال چار
چلتا زمیں پہ ہے جو کھڑاویں پہن کے تو
پیدا کرے ہے اے بتِ کافر ہلال چار
پانچوں تو آڑ کے ناخنِ پا اس کے چومتا
دیتا کبھو فلک جو تجھے ہر ہلال چار
زاہد اگر تجھے ہے تعجب تو دیکھ لے
جا کر کلال خانے کے اندر ہلال چار
مل کر ہر دو گوشہ کشتی دکھائے ہے
موجِ شراب اور لبِ ساغر ہلال چار
فضلِ خدا سے خالقِ مضموں ہے تو نصیر
پیدا کرے گا کون سخنور ہلال چار

۳۶

چرائی چادرِ مہتاب شب میکش نے جیحوں پر
کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر
سحر گردِ رمِ آہو اٹھی جوں خیمہ ہاموں پر
چراغاں عرس کی شب کی تھی جگنو خاکِ مجنوں پر
نری ہر فندقِ انگشت کی حسرت نکالے ہے
نظر کیجو سرِ مژگاں جگر کے قطرۂ خوں پر
شعاع مہر نے قرنا سحر لی جھانجھ شب مہ کی (کذا)
لگائی کہکشاں کی تیغ یہ ہے گوشِ گردوں پر

ہوا خواہوں میں اتنا تو کوئی ہو بعد مجنوں کے
بگولہ دشت میں جاروب دے ہے خاکِ مجنوں پر
نہ ریگِ رواں ہیں دھوپ میں ذرے نہ تابندہ
اثر سے ہے جلا بسمے کی کیا دامان ہاموں پر
الف کھینچے ہوئے نکلے ہے اب تک با سرِ عریاں
کسی آزاد کا سایہ پڑا ہے سروِ موزوں پر
نہ سمجھو دانۂ تسبیح ، ہیں گولی یہ زنجیرے
کمرباندھے ہے زاہد لشکرِ عصیاں کے شب‌خوں پر
بڑی ہے عشق کے رتبے کی نوبت تیرے عاشق کی
بظاہر گو نہیں نوبت ہے اس بالینِ مفتوں پر
چمن میں یہ جو موجِ نکہتِ گل تازیانہ ہے
نگار شہسواری کون ہے سرگرم گل گوں پر
نصیر ایسی غزل تو نے لکھی ہے مرحبا تجھ کو
کہ سن کر لوٹتے ہیں اہلِ معنی تیرے مضموں پر

۳۷

عیاں ہے کیا ترے قامت سے آسماں کی سیر
دکھائی کان کے بالے نے لامکاں کی سیر
ٹک آ کے دیدۂ عاشق کے کر مکاں کی سیر
مزہ سے کھاٹ ہے گتکے کا اور یہاں کی سیر (کذا)
اسے دکھائیے جوہر یہ تیغِ ابرو کے
کہ جس نے کی ہو میاں ملکِ اصفہاں کی سیر
اٹھاؤ رخ سے نہ زلفِ سیاہ کو اب تم
خوش آتی ابر میں ہے باغ و بوستاں کی سیر

سوائے دل ترے مژگاں سے کون روکش ہو
جو شیر ہو سو کرے دشتِ نیستاں کی سیر
متاعِ لختِ جگر لے چلیں نہ کیونکر اشک
کہ ہے جہاں میں مشہور کارواں کی سیر
ہنسے نہ کیونکہ مرے دیکھنے سے اب وہ شوخ
کہ اس نے کی ہے ابھی کشتِ زعفراں کی سیر
نہیں ہیں سرخ سرشک اب یہ میرے دامن پر
کروں ہوں تختۂ گل ہائے ارغواں کی سیر
نصیر اس بتِ کافر کی آن نے واللہ
چھڑا دی دل سے مرے آن میں جہاں کی سیر
حنائے سرخ ہیں پا اور زمیں زر افشاں ہے
زمیں کی سیر کروں یا میں آسماں کی سیر

۳۸

سینے سے وہ کب تک رکھیوں تصویر لگا کر
حیران ہوں یا رب دلِ دلگیر لگا کر
دل کو مرے مت کر ہدفِ ناوکِ مژگاں
پچھتائے گا کعبے کی طرف تیر لگا کر
دیوانہ میں وہ ہوں کہ سدا پاؤں سے میرے
سر اپنا اٹھاتی نہیں زنجیر لگا کر
دکھلا دے چمک کرمکِ شب تاب کی ہم کو
دانتوں میں مسی اے بتِ بے پیر لگا کر
کافی ہے میرے قتل کو ابرو کا اشارہ
عالم میں نہ بدنام ہو شمشیر لگا کر

دیا چشم ر کھوں میں ترے ابروسے کہ دل کی
کھولی نہ گرہ ناخنِ تدبیر لگا کر
خاکِ قدمِ یار کی خواہش ہے مہوس
دکھلا نہ مجھے تودۂ اکسیر لگا کر
مت کھول حباب آنکھ کہ بیٹھے گا ٹھکانے
تو اپنے تنِ زار کی تعمیر لگا کر
تھی شمع عبث تاجِ زر آلودہ پہ نازاں
شب لے ہی گیا گھات یہ گلگیر لگا کر
اے صید فگن ناخنِ فتراک سے تیرے
تب آنکھ چھپکتا ہے یہ نخچیر لگا کر
بیتاب نہ اے دل ہو کہ اس راحتِ جاں کو
لائے گی ابھی عشق کی تاثیر لگا کر
تو لاکھ مکدّر ہو مری خاک سے لیکن
لائی ترے دامن سے یہ تقدیر لگا کر
عشّاق کے دلہائے خروشاں کے ہے درپے
چشم اس کی نئی گھات بہ تدبیر لگا کر
لائی ہے نصیر اپنی طرف اور طرح سے
شاہین کو آوازِ عصافیر لگا کر

۳۹

شب شعلہ خو کی بزم میں مت کھیل جان پر
اے شمع لا نہ حرفِ شرارت زبان پر
تیغے کو اس نے آج چڑھایا ہے سان پر
اوسان کیا رہے کہ بنی اپنی جان پر

ٹوٹا ہے عشق یوں ترے اس ناتوان پر
گرتا ہے جس طرح سے ہما استخوان پر

مت چھیڑ کر دلا شب فرقت کو جوں بھنور
بن جائے گا یہ ہالۂ مہ آسمان پر (کذا)

بلبل کے حق میں بن گئی صیاد خود بہار
باندھے ہے رشتۂ رگ گل سے ندان پر

جلتا نہیں کچھ عشق کی آتش سے داغ دل
آنسو بھی آبلہ ہے شرر کی زبان پر

گزرا جو وہ رخ عرق آلودہ سے کہیں
یک لخت اوس پڑ گئی کچھ گلستان پر

قطعہ

اے نامہ بر جواب دے کچھ میری بات کا
انجان ہو کے ہاتھ نہ رکھ اپنے کان پر

گر اس نے خون پر نہیں باندھی کمر تو کیوں
نامہ لکھا ہے یہ ورق برگ پان پر

دنیا ہے فاحشہ ، نہ لگا اس سے دل نصیر
مرتی ہے پیر زال یہ ہر نوجوان پر

۴۰

کان کا حلقہ وہ جب بالائے گوش آیا نظر
حلقۂ چشم پری حلقہ بگوش آیا نظر

خواب راحت میں ہر اک مجھ کو خموش آیا نظر
دامن روے زمیں بھی پردہ پوش آیا نظر

رخ پہ خط رکھنا تمھیں دیکھو بہر صورت ہے کفر
خانہ کعبہ ہمیں پھر سبزہ پوش آیا نظر

بام پر اپنے ہوا کیا جلوہ فرما رشکِ مہ
آفتابِ حشر بھی خانہ بدوش آیا نظر

دورِ ساغر ہے بعینہ گردشِ چشمِ بتاں
ہوش میں ہم کو نہ کوئی اہلِ ہوش آیا نظر

بزمِ تصویرات کا ہے اور ہی کچھ رنگ یاں
عالمِ حیرت میں جو دیکھا خموش آیا نظر

کس نے ہے برپا کیا ہنگامۂ محشر دلا
ایک عالم بر سرِ شور و خروش آیا نظر

سیرِ گلگشتِ چمن کو ہوگی گلگوں پر نصیب
صبحدم گلشن میں کیا وہ بادہ نوش آیا نظر

گل ہی کچھ تنہا نہیں ساغر بکف واں اے نصیر
یعنی ہر غنچہ بھی مجھ کو غم بدوش آیا نظر

۴۱

جبلِ عشق کا کیونکر کوئی توڑے پتھر
کوہکن چوم کے بھاری ہو تو چھوڑے پتھر

تنگ ہوں خانۂ زنجیر میں وحشت کے، مجھے
دست طفلاں سے کہیں کھانے ہیں روڑے پتھر

نہ لگانا تھا تجھے سنگِ جراحت جرّاح
بن گئی دل پہ، جو یک لخت یہ پھوڑے پتھر

سنگ سے شیشۂ دل کو جو مرے توڑے ہے
سنگ دل تجھ سے محبّت کوئی جوڑے پتھر

بےکسی اب سرِ بالیں ہے بجائے تکیہ
بسترِ خاک پہ منہ ہم سے یہ موڑے پتّھر
کیوں بہت درپۓ تکلیف ہے طفلِ دہقاں
کہ فلاخن سے تری کھائے ہیں تھوڑے پتّھر
عشق کی راہ وہ ہے سخت کہ چلنے میں نصیر
بن گئے شاہ سواروں کے بھی گھوڑے پتّھر

۴۲

قدم رکھ اب نہ مرے بے درنگ سینے پر
ٹک ہاتھ اپنے بھی دھر شوخ و شنگ سینے پر
جہاں میں خاک رکھوں چشمِ زندگی اپنی
لگا ہے اس کی نگہ کا خدنگ سینے پر
قدم نہ سنگ کے سینے پہ رکھ کے چل غافل
کہ عاقبت ترے ہوگا یہ سنگ سینے پر
یہ داغ ہے کوئی یا بیشۂ محبّت کا
چڑھا ہے آہوے دل کا پلنگ سینے پر
لگائے ہے شہِ خوباں جو تازیانۂ زلف
سمندِ ناز کا ٹک ایجو سنگ سینے پر
نہ سمجیو اس کو کوئی خطِ کہکشاں دیکھو
چڑھا رہا ہے یہ گردوں تفنگ سینے پر
نہ رکھ تو دامنِ مژگاں سے گھیر کر اے چشم
کہ طفلِ اشک کرے ہے شلنگ سینے پر
ہوا ہوں جیسے میں قانونِ عشق سے دمساز
یہ تارِ اشک ہے جوں تارِ چنگ سینے پر

یہ جالِ سینہ نظر سے ہے روزوں (کذا)
لگی ہے خوب تری چشمِ تفنگ سینے پر (کذا)
مثالِ آئنہ روشن ضمیر ہم ہیں نصیر
رہے ہے اہلِ کدورت کے رنگ سینے پر

۴۳

رکھتا ہوں ذکرِ زلفِ بتاں کیا زباں پر
مارے ہے موج عشق کا دریا زبان پر
فوّارہ ساں نکلتی ہے ہردم لبوں سے آہ
یاں تک ہے تشنگی مری پیدا زبان پر
اُلفت یہ ہے کہ خارِ مغیلاں بھی بعدِ قیس
رکھتا ہے وصفِ دامنِ صحرا زبان پر
سرگرمِ نالہ یہ ہوئی بلبل کہ پڑ گیا
شبنم سے برگِ گل کے پھپھولا زبان پر
ہر گام پر ہے وہ تری ٹھوکر میں یہ اثر
رکھتا تھا معجزہ جو مسیحا زبان پر
جوں غنچہ باغِ دہر میں جز مہرِ خامشی
آتا نہیں ہے حرفِ تمنّا زبان پر
یوں چھیڑے نہ کر کہ مبادا جدا کرے
صیّاد تیری بلبلِ شیدا زبان ، پر
شب موجِ دودِ شعلۂ آتش نہیں ہے یہ
مارِ سیہ ہے شمع کی گویا زبان ، پر
موتی پروئے ہیں ترے دنداں کے وصف میں
ہے کہکشاں کی ڈب یہ ثریّا زبان پر

اقرارِ وصل یار سے امروز تھا نصیرؔ
لایا وہ تس پہ وعدۂ فردا زباں پر

۴۴

فوجِ اشک اب ہو نہ کیوں دیدۂ تر سے باہر
علمِ آہ جو نکلے ہے جگر سے باہر

بتِ بے مہر کو اک ذرّہ نہ جوں بحر ہے چین
شام تک صبح سے پھرتا ہے وہ گھر سے باہر

سربلندی کی ہوا پر عبث ابھرے ہے حباب
طرفۃ العین یہ ہو جائے گا سر سے باہر

قفسِ چرخ میں رکھتا ہے بہت دام اپنا
یا الٰہی کوئی اب نکلے کدھر سے باہر

چھت سے یاں لگ گئی آنکھیں مری اے خانہ خراب
تو بھی رکھا نہ قدم تو نے تو در سے باہر

موتیا کہاں سے کچھ کم نہیں چشمِ عاشق
اشک بھی دیکھ نکلتے ہیں کدھر سے باہر

لکھ غزل اب تو اسی بحر میں اک اور نصیرؔ
کوئی مضموں نہیں تیری نظر سے باہر

۴۵

کاش کے آہ نکالے اسے گھر سے باہر
نہ تو وہ زور سے نکلے ہے نہ زر سے باہر

قدِ خم گشتہ ہے گو ضعف سے مانندِ کماں
آہ پر تیر ہی نکلے ہے جگر سے باہر

لیجیو دیدۂ تر سے نکل اے اشک قدم
پھر چلا یار تو آتے ہی سفر سے باہر
روز و شب ہے مری آنکھوں میں تصوّر تیرا
ہونے کب دو ہوں تجھے اپنی نظر سے باہر
دستِ پُر نور وہ دیکھیے تو نہ نکلے تا حشر
پنجۂ مہر گریبانِ سحر سے باہر
ضبطِ اشک آہ نہیں میں نے کیا ہے یہ نصیر
کیا کہوں بات یہ ہے فہمِ بشر سے باہر
خانۂ چشم سے رکھتا ہے یہ اب طفل سرشک
میلیِ پنجۂ مژگاں کے خطر سے باہر

۴۶

پھپھولے دیکھ تیرے عاشقِ رسوا کی چھاتی پر
حباب آنکھیں نکالے ہے سدا دریا کی چھاتی پر
نہ تنہا خار ہے برچھی لیے صحرا کی چھاتی پر
کٹاری کھینچتی ہے موج بھی دریا کی چھاتی پر
گلوں سے ہم کنار آ کر نہ ہو گلشن میں اے شبنم
دلے ہے مونگ تو دیا بلبلِ شیدا کی چھاتی پر
زبانِ شیشہ پر ہر دم یہی مذکور رہتا ہے
کہ نقشِ کوہکن بیٹھا ہے کیا خارا کی چھاتی پر
نہیں دیکھا نہ ہوگا اس روش کا چار چشم ایسا
نہیں ہے داغ اب یہ گلبدن لالا کی چھاتی پر
صنم کی وہ تجلی ہے مرے اے شیخ گر دیکھیے
لگا دے لات جا کر برہمن عزّا کی چھاتی پر

فقیروں کے نہیں دل میں ہوا تختِ سلیماں کی
چڑھی ہے حرص تو اب طالبِ دنیا کی چھاتی پر
نصیر اب تجھ کو کچھ نامحرموں کا ڈر نہیں شاید
لگا دیتا ہے ہاتھ اُس انجمن آرا کی چھاتی پر

۴۷

ہے خطِ چینِ جبیں سے ابروے دلبر کی قدر
مردماں ہوتی نہیں ہے تیغِ بے جوہر کی قدر
خالِ پیشانی سے تیرے ہمسری کیونکر کرے
چرخ پر چنداں نہیں ہے مہ جبیں اختر کی قدر
سینکڑوں مرمر گئے ہیں کوہکن سے عشق میں
جانِ شیریں جو کہ دے ، جانے وہی پتھر کی قدر
دور یہ تیرا رہے اس دور میں ساقی مدام
کیا کوئی کم ظرف سمجھے شیشہ و ساغر کی قدر
سر اُٹھاؤں کیونکہ میں جانے ہے اے کبکِ دری
یہ سرِ ژولیدہ میرا یار کی ٹھوکر کی قدر
اپنی آنکھوں میں جگہ نرگس نے دی ہے یک قلم
اے مھتوس اس قدر ہے دیکھ سیم و زر کی قدر
خاکساری کو سمجھتے خوب ہیں اہلِ صفا
دل سے آئنیے کے پوچھے کوئی خاکستر کی قدر
طائرِ بسمل تڑپھنا اس سے سیکھے ہے یہاں
برق کیا سمجھے ہے تو میرے دلِ مضطر کی قدر
مت سکندر اس سے ہو اے مائلِ غفلت یہاں
عاقبت معلوم ہوگی خاک کے بستر کی قدر

جب اسیرِ دام ہوگا طائرِ دل تو یہاں
تب تجھے معلوم ہوگی اپنے بال و پر کی قدر
گرچہ ہے تو لعل تو یہ بھی دُرِ شہوار ہے
تجھ کو اپنے لعل کی ہے ، مجھ کو اس گوہر کی قدر
داغ کھائے ہیں جو اس نے اپنی چھاتی پر نصیر
اس لیے ہے عاشقوں میں لالۂ احمر کی قدر

۴۸

اس قدر بوقلموں ہیں یہ ترے تیر کے پر
کیجیے قربان ہر اک مرغِ ہواگیر کے پر
دل سے وابستہ ہوئے جب نہ ترے تیر کے پر
پھر تو نکلے ہے سراسر دلِ دلگیر کے پر
دیدۂ حلقۂ فتراک میں اے صید افگن
جائے مژگاں نظر آتے ہیں یہ نخچیر کے پر
دل میں اس تودۂ طوفاں کے نہ کچھ کام کیا
ناوکِ آہ نہ تجھ میں لگے تاثیر کے پر
اڑتی ہے موجِ صبا موسمِ گل میں تا صبح
میں ہوں دیوانہ جو بولوں نہیں زنجیر کے پر
تیرِ بے پر یہ غلط ہے کہ نہیں جاتا دور
کب ہیں آہِ سحرِ نالۂ شب گیر کے پر
یوں ہے مژگاں میں ترے یہ دلِ صد چاک مرا
چنگلِ باز میں ہوں جیسے عصافیر کے پر
دل خبردار میں کہتا ہوں یہ اژ ناگن ہے
گو نہیں موجِ نگاہِ بتِ بے پیر کے پر

خاک سرسبز ہوں نقّاش ترے خط کے حضور
رشک سے جلتے ہیں یاں طوطیٔ تصویر کے پر
اس زمیں میں تو غزل اور بھی اک لکھ کہ نصیر
کس سے بندھتے ہیں یہاں مرغِ ہواگیر کے پر
عرش پرواز ہے اب یہ تری شاہینِ فکر
اس کی پرواز کو لکھتے ہیں عصافیر کے پر

۴۹

نکلے شانے سے تری زلفِ گرہ گیر کے پر
آج تک ہم نے نہیں دیکھے تھے زنجیر کے پر
اے کماندار نہ کیوں شہرۂ آفاق ہو تو
مرغِ دل سہم گیا دیکھ ترے تیر کے پر
شکلِ طاؤسِ چمن تو ہی بھلا کہہ صیّاد
رونقِ کنجِ قفس کب ہیں عصافیر کے پر
نہیں جوہر یہ مرے طائرِ جاں کے قاتل
ہیں پریشان پڑے کھیت میں شمشیر کے پر
فارغ البال نہ مر کر بھی ہوئے اے صیّاد
کہ قفس سے بھی مرے پھینک دیے چیر کے پر
آنکھ وابستۂ مژگاں نہیں مردم کہ بندھیں
تار بارش سے ہر اک مرغِ ہوا گیر کے پر
درپۓ طائرِ دل ہے تری شاہینِ چشم
لگے ایسے یہ نہیں مسرسے کی تحریر کے پر
سر کٹا شمع کا یوں سامنے اور تس پہ پتنگ
نہ ہوئے آہ گلوگیر بھی گل گیر کے پر

پنجۂ مہر نہیں بیضۂ گردون سحر
مرغِ زریں نے نکالے ہیں یہ تنویر کے پر
دونوں ابرو کا ترے رشکِ چمن کر کے خیال
کو نکالے ہیں یہ ہم نے دلِ دلگیر کے پر
پر کہاں دامِ تحیّر سے رہائی اس کو
بھرِ پرواز نہیں بلبلِ تصویر کے پر
کیا غزل اب کوئی یک دست لکھے ایسی نصیر
راستی یوں ہے کہ جلتے ہیں یہاں میر کے پر

۵۰

رنگ زرد اتنا رہا یوں دل تمہارا کھینچ کر
کہربا جوں خس کو رکھے آشکارا کھینچ کر
دوستی پر تیری اے دہقاں پسر پتھر پڑیں
کیوں فلاخن سے مجھے اک سنگ مارا کھینچ کر
سر بلندی پر ابھر مت ایک دم کی اے حباب
بیٹھ رہ بحرِ جہاں میں تو کنارہ کھینچ کر
پھر لچکتی ہے کمر کے آگے اس کی شاخِ گل
اس کا خمیازہ رہے گی تو دوبارہ کھینچ کر
خالِ رخ سے تیرے شب کو چرخ پر اے رشکِ ماہ
آ گیا دور آپ کو گردش میں تارا کھینچ کر
مانی و بہزاد تو کھینچے ہیں ہاتھ اپنے آنوا
بیٹھے تجھ سے انفعال اے محفل آرا کھینچ کر
خندہ زن کس منہ سے ہے میرے دلِ صد چاک پر
پوست اب تیرا ربوں گا اے ہزارا کھینچ کر

زال دنیا ہم سے جوں سیماب تو اُڑتی ہے کیا
مار رکھیں گے تجھے اے خام ہارا کھینچ کر
جائے حیرت ہے کہ آئینے نے صاف اب یک قلم
صفحۂ دل پر ترے نقشہ اُتارا کھینچ کر
غیرِ مقناطیس جنسِ دل کی ہے آہن بزور
سچ ہے کب لے جاتی ہے یہ سنگ خارا کھینچ کر
گرچہ تھا فولاد دل اُس کا ولیکن اے نصیر
جذبۂ اُلفت سے لایا دل ہمارا کھینچ کر

۵۱

چشم میں ہو کر گزر دل میں اب اے گمراہ کر
راہِ دریا صاف تر ہے قصدِ بیت اللہ کر
ذکرِ زلفِ یار بس اب مت دلِ آگاہ کر
رات آخر ہوگئی ، قصہ کہیں کوتاہ کر
تیری جانب سے صبا نے بھر دیے ہیں گل کے کان
بلبلِ شیدا بزار اب نالۂ جاں کاہ کر
جلوۂ قامت نہ دکھلا یار کا اے چشمِ تر
عالمِ بالا پہ دل کی دیکھ مت تنخواہ کر
یہ تری پہلو نشینی خوش نہیں آتی مجھے
ناوکِ مژگانِ قاتل پہلے دل میں راہ کر
محفل آرا گر نہ یاں ہووے تو پھر اندھیر ہے
خانۂ دل میں گزر یک چند رشکِ ماہ کر
سرزمینِ عشق میں گر چاہتا ہے کچھ نمود
آگے فوجِ اشک کے اے دل نشانِ راہ کر

ہم نہیں کہتے ہیں تجھ کو خوب تو مختار ہے
جو تری خاطر میں آوے سو دلِ آگاہ کر

محوِ چشمِ یار ہو یا مائلِ رخسار ہو
مے کدے سے جی لگا یا طوفِ بیت اللہ کر

اٹھ کہیں بیدار ہو ، کس نیند سوتا ہے نصیر
ہے سفر درپیش غافل ، فکرِ زادِ راہ کر

۵۲

اور صورت سے فدا ہیں تری ہم آنکھوں پر
سورۂ نور کو پڑھ ، کرتے ہیں دم آنکھوں پر

یک قلم یاں جو تری چشم کی کھینچے تصویر
پھیر دے نرگسِ شہلا کے قلم آنکھوں پر

تجھ کو پروا نہیں پروانے کے کچھ جلنے کی
چربی چھائی ہے تری شمعِ حرم آنکھوں پر

ابھی کونین پہ پڑ جائے گا پردہ ہیہات
دیکھ کر مجھ کو نہ رکھ ہات صنم آنکھوں پر

دست رس ہم کو وہاں تک نہیں حاصل ، ورنہ
آپ کے زور سے رکھ لیجے قدم آنکھوں پر

جھوٹ کہتے ہو کہ دل ان تری آنکھوں نے لیا
سچ ہے کیوں ہاتھ رکھوں کھا کے قسم آنکھوں پر

مار ڈالو گے تم ایسی کہیں باتوں سے نصیر
دل لیا زلف نے ، رکھتے ہو بھرم آنکھوں پر

۵۳

تیرِ مژگاں پیہم اس دل پر لگا دوچار پھر
اس قدر ابروکماں پر ہم سے مت یکبار پھر

جیب و داماں ہی نہیں دستِ جنوں سے تار تار
رہ گئے دستار میں ہیں ناصحا دس تار پھر

کل تو ہم چشمی کر اس سے کٹ گئی نرگس صبا
سامنے کرتی ہے آنکھیں آج یہ مردار پھر

کب کسی کا ساغرِ دل ٹوٹ کر تجھ سے بنا
چاک کی مانند مت اے چرخِ کج رفتار پھر

ہم نہ کہتے تھے نہ چھیڑ اس چشمِ دریا بار کو
رو دیا اے ابر تو نے آخر اپنی بار پھر

گر ہوائے ہرزہ گردی ہے تجھے اے گرد باد
تو مرے گرد آن کر صحرا میں جوں پرکار پھر

گوہرِ اشک اور لعلِ لختِ دل اے مردماں
اب لگی رکھنے نظر میں جو یہ چشمِ زار پھر

مجھ کو کیا سوجھے ہے شاہد عشق کی سرکار سے
ان دنوں اس کو ہوا ہے جوہری بازار پھر

شکوۂ دورِ فلک بے جا ہے گر کیجے نصیر
بختِ برگشتہ سے اپنے پھر گیا دلدار پھر

۵۴

مسی مالیدہ دنداں ہیں وہ رشکِ پاں سے سب اخگر
کہ اختر یاد میں اُن کی لگے ہیں وقتِ شب اخگر

یہ ہے اُس شعلہ رو کے حسن کی گرمی غضب اخگر
جو تو دیکھے تو جوگی مل کے خاکستر ہو اب اخگر
پہن یاقوت کے تکمے کی آئینے میں مت دیکھو
مبادا ایک دم میں پھونک دے شہرِ حلب اخگر
جھپک سے دامنِ مژگانِ بلبل کی گلستاں میں
صبا ہر غنچۂ گل کیا نظر آتا ہے اب اخگر
قبائے سرمئی سے گر بدن تیرا کبھو جمکے
نہ دیکھے جامۂ خاکستری میں اپنی چھب اخگر
ہنسی ہے اس لیے اس ہستیِ موہوم پر اپنی
کہ سیرِ عالمِ فانی کی رکھتا ہے طلب اخگر
شرارت ہوگئی معلوم اب اس پارۂ دل کی
الٰہی کاش سینے سے یہ ہوتے یک وجب اخگر
عجب ہے قطرۂ خونِ جگر مژگاں میں جو ٹھہرا
دلا ہوتی ہے ورنہ اس طرح خس پوش کب اخگر
نصیر اس بات میں باقی سخن ہے تو جو کہتا ہے
مسی مالیدہ لب کیونکر ہوں اس کے بے سبب اخگر
ذرا چشمِ حقیقت سے تو دیکھ اے نکتہ داں اب تو
بہم ہوں رنگِ پاں تب ہوں مسی مالیدہ لب اخگر

۵۵

کسی دیوانے کی ہے محوِ تماشا زنجیر
صورتِ چشم بنی ہے جو سراپا زنجیر
ہے الگ آپ مجھے کرتی ہے رسوا زنجیر
یا تو بابا ہی بس اب پوجیے تیرا زنجیر

۵۷

اپنے دیوانے سے کہہ دو قدم آہستہ رکھے
شورِ محشر نہ کرے تا کہیں برپا زنجیر

تیری آنکھوں کو ہے کیا سرمہ کی تحریر سے کام
پاؤں رکھتی نہیں آہوئے صحرا زنجیر (؟)

پاؤں کیونکر ترے کوچے سے اٹھاؤں اپنا
ہاتھ سے ضعف کے ہے ہر رنگ اعضا زنجیر

دشت میں آہ مکدّر یہ نہیں موجِ ہوا
خاک بر سر ، غمِ مجنوں میں ہے ، تنہا زنجیر

زلفِ دلدار کو ہے مشکِ ختن سے نسبت
بے خطا کہیے اگر اے دلِ شیدا زنجیر

میں تو دیوانہ نہیں پاؤں عبث پڑتی ہے
لے خبر اپنی ، ہوا ہے تجھے سودا زنجیر

کیونکہ دیکھوں میں تجھے ہائے نگہ میں میری
موج میں اشک کی ہر لحظہ ہے پیدا زنجیر

تجھ سے وابستگیِ دل جو نہ ہوتی تو کبھو
میں ترے حلقہ بگوشوں میں نہ ہوتا زنجیر

راہ تو کس کی درِ یار پہ دیکھے ہے **نصیر**
کس کا کھٹکا ہے تجھے ، شوق سے کھٹکا زنجیر

۵۶

اودی بسمے کی نہیں تیرے رضائی سر پر
مہ جبیں رات یہ تاروں بھری آئی سر پر

کج کلاہی کی تری تا بہ فلک دھوم ہے یہ
صبح خورشید کی دستار نہ پائی سر پر

کس گل اندام نے بیگار نکالی ہے صبا
گٹھری غنچے نے جو گلشن میں اٹھائی سر پر

آہ نے پھونک دیا ہے مری دامانِ شفق
دل ، خبردار گرے یہ نہ ہوائی سر پر

یاد اس زلفِ چلیپا کی کہوں کیا ہمدم
اک بلا یہ نئی سر سے مرے لائی سر پر

بے حجاب اس کو لبِ بام پہ گردوں نے دیکھ
رات کو چادرِ مہتاب اڑھائی سر پر

دم بھرے باغِ چمن کیوں نہ ہواخواہی کا
شاخِ گل جب کہ صبا تو نے جھکائی سر پر

ہمسری کس کے یہاں تو نے عبث شانے سے
مول لی اے دلِ صد چاک لڑائی سر پر

عاقبت لے نہ گیا یاں سے تہہ خاک نصیر
گنجِ قاروں کی طرح حاتمِ طائی سر پر

۵۷

کیا خوش ہو کوئی صحبتِ دلگیر سے دلگیر
ہنستی کبھو دیکھی نہیں تصویر سے تصویر

ناقص کو ہو کامل کا نہ کیونکر اثرِ فیض
تانبا بنی تو بن جائے ہے اکسیر سے اکسیر

آرام بجز کنجِ قناعت نہیں اے دل
اس پیرویِ منصب و جاگیر سے جاگیر

ہے تاجِ زر اندودہ وبالِ سرِ ہر شمع
سرگرمِ سخن ہے یہی گلگیر سے گلگیر

وحشت اسے کہتے ہیں کہ غل کرتی ہے برپا
دستِ دلِ وابستہ میں زنجیر سے زنجیر
کہتا ہے زسرّد رقم اُس کے خط و رخ دیکھ
کس منہ سے ملاؤں تری تحریر سے تحریر
گو تیغ بکف برق ہے پر اے نگہِ یار
کیا تاب لڑاوے تری شمشیر سے شمشیر
پھر بوسہ جو مانگوں تو زباں کاٹیو میری
اب تو ہوئی اس موردِ تقصیر سے تقصیر
جب تک نہ ہو تدبیر سے تقدیر موافق
بن آتی نہیں صاحبِ تدبیر سے تدبیر
مٹتی کسی عنوان نہیں لوحِ جبیں سے
لکھتی گئی جو کاتبِ تقدیر سے تقدیر
دیکھا ہے نصیر اُس کو اگر خواب میں تو پھر
پوچھو کسی گویندۂ تعبیر سے تعبیر

۵۸

رکھ گل کو نہ بلبل کے گل اندام قفس پر
بن جائے گا تارِ رگِ گل دام قفس پر
تاثیرِ سیہ بختیِ مرغانِ گرفتار
اے صبحِ چمن ہے صفتِ شام قفس پر
زندان اسیراں ہے یہ اے طائرِ آزاد
پنجرے کو نہ رکھنا تو سمجھ بام، قفس پر
چاہے ہے رہائی مری گر مرغِ گرفتار
شہپر سے لگا کھینچ کے صمصام قفس پر

دیکھا جو مرا سینۂ صد چاک تو بلبل
چن جن کے لگے رکھنے بہت نام قفس پر
بے تاب و تواں مجھ کو نہ صیّاد سمجھنا
گر سر پہ گرے چرخ تو لوں تھام قفس پر
صیّاد جسے طاقتِ پرواز رہی ہے
بٹھلا دے تو یہ طائرِ ناکام قفس پر
آغازِ اسیری میں ہم آزاد ہوئے ہیں
دیکھیں گے نظر بیر کے نہ انجام قفس پر
صیّاد کی شاید ہے ادھر چشمِ ترحّم
رکھ دی ہے جو شاخِ گلِ بادام قفس پر
ناخن سے کبھی عقدہ کشائی کا نصیر آہ
کانٹے نے بھی ہرگز نہ کیا کام قفس پر

۵۹

اُس نادہند سے نہ دلا کچھ سوال کر
پچھتائے د تو بات کو منہ سے نکال کر
اس گورے رخ پہ اپنے نہ کاجل کا تل بنا
زنگی کو مت فرنگ (میں) تو کوتوال کر
اے شوخ تیرے حسن کی دولت ہے عارضی
قابو میں مارِ زلف کے اب یہ نہ مال کر
اختر ہیں زخمِ دل پہ نمک پاش بن ترے
تو ایک شب گزر تو بتِ مہ جمال کر
سر پر ہمارے نوح کا طوفاں نہ کر بپا
کم بخت اپنے دل میں ذرا تو خیال کر

گہوارۂ مژہ میں تجھے دل نے طفلِ اشک
اتنا بڑا کیا تھا اسی دن کو پال کر
رنگت کو اس کے رخ کی ترا منہ جو کھینچے تو
اے گل طمانچے مار کے مت منہ کو لال کر
ابروے یار وہ ہے کہ دیکھ اس کو ماہِ نو
منہ رہ گیا ہے اپنا گریباں میں ڈال کر
مارا ہے جوش خونِ شہادت نے اپنے آج
قاتل نہ کر درنگ، شتابی حلال کر
لکھ اس زمیں میں اور غزل اب تو اے نصیر
مضمونِ نو کا فکر سے اپنے سوال کر

٦٠

ہم چشمی اس کی چشم سے مت اے غزال کر
دیکھ اس کو اور اپنی طرف ٹک خیال کر
بامِ فلک پہ مہر کہاں ہے، خیال کر
پھینکی زری کی گیند ہے تو نے اچھال کر
مہندی سے اپنے ہاتھ نہ یکدست لال کر
اے شوخ ہے یہ سبز قدم، پائمال کر
رکھنا تھا اس ذقن پہ قدم دل سنبھال کر
گرتا کنویں میں کوئی بھی ہے دیکھ بھال کر؟
اللہ اکبر! اتنا بھی آگاہ تو نہیں
تکبیر پڑھ کے طائرِ دل کو حلال کر
زلفیں الجھ رہی ہیں ہم روے یار پر
اے شانہ تو یہ قصہ کہیں انفصال کر

کس کام آئے گا تنِ کاہیدہ یہ مرا
دانتوں میں لے کے کوئی نہ تنکا خلال کر

صاحب دلو! ذرا تو حقیقت مری سنو
سینے سے لے گیا ہے کوئی دل نکال کر

سچ ہے کہ وہ عذاب سے دنیا کے چھٹ گیا
بستی سے جو عدم کو گیا انتقال کر

آئی ہے کیا خزاں کہیں اے شبنمِ چمن
تو گولیاں جو ڈالے ہے سانچے میں ڈھال کر؟

ظالم خرامِ ناز کا کشتہ ہے یہ نصیر
کاٹا ہے تن سے سر کو تو مت پائمال کر

لے جا گلی میں اپنی اسے یوں اچھالتا
چلتی ہیں ناریل شجا جوں اچھال کر (کذا)

٦١

دکھا دو گر مالک اپنی شب کو تو حشر برپا ہو کہکشاں پر
جنو جبیں پر کبھی جو افشاں تو نکلیں تارے نہ آسماں پر
نہیں ہیں شبنم کے صبح قطرے یہ برگِ گلہائے بوستاں پر
بیادِ آتش رخاں پھپھولے پڑے ہیں ہر پھول کی زباں پر
کہاں سرِ شمع پر ہے شعلہ، نگاہ ٹک کیجے شمع داں پر
کہ استخواں ہے غذا ہماری ہما یہ بیٹھا ہے استخواں پر
اسیرِ نو کی خبر لے آ کر ذرا تو صیادِ ظلم پیشہ
یہاں تلک ہوں قفس میں تڑپا کہ میرے سارے ہیں دھجیاں پر
ہمارے اس روے زرد پر جو سرشک افشاں ہے ابرِ مژگاں
نہ دیکھی لالی کبھی برستی کسی نے یوں کشتِ زعفراں پر

کوئی غریبوں کے مارنے سے ہوا بندھی ہے کسی کی ظالم
اگر سلیمانِ وقت ہے تو قدم نہ رکھ مورِ ناتواں پر
بنا کے آئینہ صاف اُس کو کیا ہے حسنِ ادا سے واقف
الٰہی آئینہ ساز کی اب شتاب پتّھر پڑے زباں پر
جہاں میں اُس کے شہید کا ہو نہ کیونکہ رتبہ بلند یارو
یہی ہے معراج عاشقوں کی جو سر ہو بعد از فنا سناں پر
کرے چمن میں نہ کیوں کہ برپا ترا یہ بوٹا سا قد قیامت
نثار آنکھوں پہ کیا ہے نرگس کہ غنچہ قربان ہے دہاں پر
رہی ہے بزمِ جہاں میں منعم سدا بلندی کے ساتھ پستی
بسانِ فوّارہ قصد مت کر زمیں سے جانے کا آسماں پر
سفر عدم کا کہاں کرے ہے یہ بحرِ ہستی سے ایک دم میں
حباب چشمک زنی کرے ہے خضر تری عمرِ جاوداں پر
اُمید کیا چرخِ سفلہ پرور سے جبں ہو اب تجھ سے ایک ناں کی
کہ تیرے ہاتھوں سے ماہِ نو نے یہاں قناعت کی نیم ناں پر
نصیر کہتے تو سب یہاں ہیں کہ اُس کے عاشق ہیں ہم، ولیکن
بڑا ستم ہو، بڑا غضب ہو، اگر وہ آ جائے امتحاں پر

۶۲

رقص میں طاؤس سے کھول ابر میں مل جل کے پر
اے بطِ مے تو بھی دکھلا موجہائے مُل کے پر
موسمِ گل میں بندھے ہیہات اُس بلبل کے پر
کھولتی میزان شاخِ گل میں تھی جو تُل کے پر
تُرک صید افگن نہ آیا ناوک اندازی سے باز
سہم کر قاقم نے ڈالے دشت میں کابل کے پر

مر گیا عاشق ترا اخلاص میں واحسرتا!
تو نے تربت میں نہ رکھے جا کے ڈھیلے قل کے پر
رخصت اے فصلِ خزاں گلشن میں رہ کر کیا کروں
برگِ گل اڑتے نہیں ہیں اور کہیں بلبل کے پر
شامت اے صیاد ہے اس مرغِ دست آموز کی
جس کے تو بیہات باندھے تار سے کاکل کے پر
یہ نہیں ہے خطِ سبز اے ہمدسو طاؤس کا
مصحفِ رخسار میں ہے میرے رشکِ گل کے پر
کیا ہواداروں میں گل کے ہیں یہ مرغانِ چمن
جنبلتے ہیں گرمی میں پنکھا کھول سر پر گل کے پر
ہم نوابانِ چمن ، رونے کی جا ہے کیا کہوں
مرغ جو نالہ کناں ہے سر پہ رکھ کر گل کے پر
تابِ پرواز آہ تا بامِ قفس ان کو نہیں
آج صیادِ جفا پیشہ نے کترے گل کے پر
اور پڑھتا ہوں غزل اس بحر میں گرم اے نصیر
جلتے ہیں یاں مرغِ طبعِ طالبِ آمل کے پر

٦۳

خوابِ راحت کے لیے تکیے سے پھینک اس گل کے پر
بھر دیے ہیں خادمانِ عشق نے بلبل کے پر
سر پہ اے صیاد پھیلاتی تھی جو ہر گل کے پر
نوچتا ہے تو ہزار افسوس اس بلبل کے پر
کھول کر بیٹھا جو بھونرا سر پہ رکھ اس گل کے پر
• گئے بلبل کے حق میں تیغ پھر بلبل کے پر

جانِ شیریں کیا بچے تیری طرح فرہاد آہ
کوہِ عشق آ کر گرے جب مجھ سے ہلکے پھل کے پر
یاں خمِ ابرو میں لختِ دل نہیں اشکوں کے ساتھ
بہتے ہیں مرغابیِ دریائے زیرِ پل کے پر
کیا کہوں اے طفلِ دہقانِ فلاخن زن تجھے
ایک طائر نے نہ کھولے تیرے مارے غل کے پر
ہنس کے دندانِ مسی زیب اپنے دکھلا دو جو تم
ابر میں بگلوں کی صف مارے نہ ہرگز تل کے پر
مے کدے میں گو ہے تو مینائے مے پنبہ دہن
آئے ہیں مسجد سے ہاں سننے کو ہم قلقل کے پر
دلگدازانِ محبت کی بھی سوزش قہر ہے
شمع پروانے کو دیتی ہے جلا گھل گھل کے پر
کیا اسیری میں مزا ہے جو ہٹے پرواز آہ
مرغِ دل تو نے نہ کھولے دام میں کاکل کے پر
صیدِ دامِ عشق ہوں، صیاد، کر دامن میں ذبح
تاکہ میرے بھر نہ جائیں خاک و خون میں رل کے پر
یہ وصیت ہے اسیرِ دامِ زلفِ یار کی
بعدِ مردن کاڑ دینا متصل سنبل کے پر
یہ بھی قسمت کا لکھا اپنی نہ اک مدت کے بعد
آہ مرغِ نامہ بر کے پھر بندھے واں کھل کے پر
اے اسیرانِ قفس ہمت نہیں، ورنہ قفس
صاف اڑ جائے، ہلاؤ تم اگر مل جل کے پر
کیا شہِ لولاک و شیرِ حق کا رتبہ ہے نصیر
واں نبی پہنچے، یہاں جلتے تھے عقلِ کل کے پر

اور ہلاتی ہیں مگس رانی کو پریاں آن کر
مورچھل کے بدلے سر پر صاحبِ دُلدل کے ہر

٦٤

کب ہے مہِ نو ابروے قاتل کے برابر
اختر بھی نہیں اُس کے تو اِک تل کے برابر
تا حشر رہے گی یہی اس دل میں تمنّا
بیٹھے نہ کبھو یار کے ہم مل کے برابر
وحشی کے ترے دشت میں کیا پاؤں بندھے ہیں[1]
ہے موجِ ہوا اُس کو سلاسل کے برابر
خورشید کی گو گرمیٔ بازار ہے لیکن
چنداں نہیں کچھ اُس مہِ کامل کے برابر
گردابِ حوادث سے نہ نکلا دلِ عاشق
کشتی نہ لگی نہ کبھی ساحل کے برابر
اے خارِ بیابانِ وفا ہم سے نہ اُلجھو
جا پہنچیں شتابی کہیں منزل کے برابر
اُڑ جائے نہ کیوں طائرِ سیماب اُسے دیکھ
پہلو میں یہ دل تڑپے ہے بسمل کے برابر
روشن ہے کہ فانوس میں چھپ جائے ہے کٹ کر
کب شمع ہے اُس شاہدِ محمل کے برابر

قطعہ

کہتے ہیں سب اُستادِ زماں آپ کو، یعنی
مجلس میں غزل پڑھتے ہیں بلبل کے برابر

---

۱ - ''پاؤں دشت میں کیا'' لکھا ہے اور نمبر ڈال کر اصلاح کی گئی ہے

تنہا نہ بڑے شعر ہی چھڑکیں ہیں نمک کو
چھوٹا بھی یہاں سب سے ہے فلفل کے برابر
صائب کو کوئی لائے ہے خاطر میں نہ اپنی
کہتا ہے کوئی آپ کو بیدل کے برابر
تولا جو نصیر آج تو میدانِ سخن میں
پایا نہ کوئی حضرتِ مایل کے برابر

٦٥

جز حق جو نہ بولا ، ہے وہ سردار ہی کچھ اور
منصور رکھے تھا سرِ پندار ہی کچھ اور
سر رشتۂ اُلفت کے تو کیا تار کو جانے
اس تار کا ہے شمع صفت تار ہی کچھ اور
برپا ہے ہر اک گام پہ جو شورِ قیامت
اُس فتنۂ دوراں کی ہے رفتار ہی کچھ اور
کیونکر نہ رکھے سر پہ وہ میرا دلِ صد چاک
صد برگ سے ہے یہ گلِ دستار ہی کچھ اور
یہ جنسِ گراں مایۂ دل پھینک دوں کیونکر
بڑھتا نہیں آگے تو خریدار ہی کچھ اور
دور اپنے تئیں کھینچے ہے برچند مہِ نو
لیکن ہے یہاں ابروے دل دار ہی کچھ اور
جب نے کی طرح ہم نے دمِ عشق جو مارا (کذا)
فرمانے لگا تب وہ دل آزار ہی کچھ اور
زردیِ رخ و چشمِ تر و خشکیِ لب کو
نیرنگیِ الفت کے ہیں آثار ہی کچھ اور

کیا کنہِ سخن پائے کوئی صاحبِ ادراک
ہے سب سے نصیرؔ اب تری گفتار ہی کچھ اور

٦٦

مہ رُو جو ترا وصلِ مدام آوے میسّر
یک چند ہمیں شربِ مدام آوے میسّر

بے بال و پری سر پہ وبال اپنے ہے صیّاد
کب ہم کو قفس کا لبِ بام آوے میسّر

نرگس کی طرح کیوں نہ وہ اس دور میں بہولے
ہاں جس کو ہر انگشت پہ جام آوے میسّر

خورشید کو پھر شہر بدر کیجیے سرِ شام
صحبت تری گر ماہِ تمام آوے میسّر

عینک کی بنا سرو کو پھر دیکھیے ہے قمری (کذا)
قسمت سے اگر حلقۂ دام آوے میسّر

کیا شکلِ ملاقات ہو اُس آئنہ رو سے
جن کا کبھو نامہ نہ پیام آوے میسّر

دُردانۂ اشک اپنے کو ضائع نہ کروں آہ
تسبیح بناؤں جو امام آوے میسّر

آنکھوں سے ترے نام کو بے دید جپوں میں
فرصت اگر اک دم کی مدام آوے میسّر

یاں اُس کی تجلّی نہیں ایسی کہ نصیرؔ اب
مانندِ کلیم اُس سے پیام آوے میسّر

٦٧

رکھ پاؤں سرِ گورِ غریباں سمجھ کر
چلتا ہے زمیں پر ہر اک انساں سمجھ کر

ہشیار دلا رہیو کہ دکھلا کے وہ زلفیں
لیتا ہے تجھے پھندے میں ناداں سمجھ کر

سرکا ہے ڈوپٹہ رخِ مہوش پہ سحر کو
گردوں پہ نکل مہرِ درخشاں سمجھ کر

لایا ہوں تری نذر کو لختِ جگر و اشک
رکھ دست مژہ پر دُرِ مرجاں سمجھ کر

ہے مارِ سیہ حسن کی دولت پہ تری زلف
کیا خوب یہ چڑھوائی نگہباں سمجھ کر

یہ طفلِ سرشک ایک ہی ابتر ہے بہر وجہ
آنکھوں میں رکھوں کیونکہ نہ طوفاں سمجھ کر

روکش دہنِ یار سے ، کس منہ سے ہو غنچہ
رہتا ہے سدا سر بہ گریباں سمجھ کر

افسوس کہ لگتا نہیں سینے سے وہ گل رو
اس دل کو مرے آتشِ سوزاں سمجھ کر

جز شانہ نہ الجھا یہ ہمارا دلِ صد چاک
اس زلف کو شیرازۂ قرآں سمجھ کر

اے خالِ رخِ یار تجھے ٹھیک بناتا
جا چھوڑ دیا حافظِ قرآں سمجھ کر

کیا لعل جڑے ہیں لبِ نوشیں میں تمھارے
قیمت کبھو بوسے کی مری جان سمجھ کر

ایسا یہ نہیں دل کہ جسے مفت تمھیں دوں
کہتا بھی ہے جو بات تو انسان سمجھ کر

اس بحر میں اک اور نصیر اب تو غزل پڑھ
کہتا ہوں یہ میں تجھکو سخن دان سمجھکر

٦٨

عاشق ہوئے جس بت کو تنہے نادان سمجھکر
بوسہ نہیں دیتا وہ مسلمان سمجھ کر

مجھ کو نہ دکھا دستِ حنائی تو مری جان
مر جاؤں گا میں پنجۂ مرجان سمجھ کر

اتنا بھی نہ ہو درپۓ جاں اے غمِ ہجراں
کہتے نہیں کچھ ہم تجھے مہمان سمجھ کر

لوں کیونکہ نہ بوسہ لبِ جاں بخش ترے کا
آیا ہوں اسے چشمۂ حیوان سمجھ کر

دل تو تجھے بھولے سے دیا کافرِ بدکیش
پر یاد رہے دوں گا میں ایمان سمجھ کر

میرے دلِ سیپارہ کی کیا قدر تو جانے
رکھتا ہوں بغل میں اسے قرآن سمجھ کر

جس جا پہ ترے کشتۂ قامت کا ہے مدفن
واں رکھیو قدم سروِ چراغان سمجھ کر

لے کون تمھارے لبِ پان خوردہ کا بوسہ
ڈرتا ہے ہر اک اخگرِ سوزان سمجھ کر

قطعہ

گل کھائے تھے ہم نے تری اُلفت میں سراپا
کچھ اور ہی اے شمعِ شبستان سمجھ کر

پر تو نے تماشا دلِ پُر داغ کا میرے
دیکھا نہ کبھو سروِ چراغان سمجھ کر

دیکھا جو نصیرؔ اُس کے خط و زلف کو ہم نے
آشفتہ ہوئے سنبل و ریحان سمجھ کر

٦٩

مجھے تو قیس سمجھ کر نہ پیچ کھا زنجیر
نکل ہی جائے گا اک دم میں بل ترا زنجیر

مریدِ زلفِ چلیپا ہے دل مرا زنجیر
پرے ہو، دور رکھ اپنا یہ سلسلہ زنجیر

یہ موجِ نکہتِ گل اے صبا نہیں کہ ہمیں
چمن میں لینے کو آئی ہے پیشوا زنجیر

قدم کو عشق میں رکھا ہے جس نے شمع صفت
بہائے اشک مسلسل یہاں سدا زنجیر

شتاب دامِ ریا سے کہیں نکل اے شیخ
کہ زیرِ پا ہے ترے نقشِ بوریا زنجیر

بجا ہے دیجیے مشکِ ختن سے گر نسبت
کہ زلفِ یار کو ہے باندھنا خطا زنجیر

نہ دے ہے الفتِ یارانِ رفتگاں رخصت
ہر ایک گام پہ ہے نقشِ بوریا زنجیر

نصیر وہ ہوں میں وحشت زدہ کہ جس کے لیے
ہوا ہے حلقۂ چشمِ غزال آ زنجیر

۷۰

من سے اترے ہے کوئی جب دیکھ لے کالے کی لہر
جی میں ہے افیون کے پیالے کی لہر

کٹ گئی موجِ ہوا پیچاں سے کھا کر پیچ و تاب
ہے ہوا پر تیرے کنکوے کے پنچھالے کی لہر

جس نے اس کی زلف کو دیکھا ہے وہ سودا زدہ
بیٹھ ساحل پر گنا کرتا ہے شب نالے کی لہر

دست و پا شعلہ نہیں مارے ہے بے تابی سے آہ
شمع سوزاں کی ہے روشن دیکھ تبخالے کی لہر

گھرنیاں کھاتا ہے ڈانواں ڈول ہو دل چاہ میں
ہے صدا میں کیا جرس کی کھینچنے والے کی لہر

دستۂ قصاب کے جوہر کا فیضِ عکس ہے
ہو چلی ہے جب گلے سے خونِ بزغالے کی لہر

موسمِ برسات ہے جھرنا جھرے ہے چشم سے
مردمِ خانہ نشیں دیکھے ہے پرنالے کی لہر

ساقیا دریا کے منہ میں کیا بھرے آتے ہیں کف
چڑھ گئی اس کیفیت سے تیرے متوالے کی لہر

لہریے کی سر پہ کیا پگڑی وہ سج نکلا نصیر
بھر گئی عاشق کے دل پر جس کے دنبالے کی لہر

۷۱

فتنے نہ کیجو برپا ٹھوکر لگا لگا کر
بے چین خفتگاں کو مت کر جگا جگا کر

یک لخت چشم نے بھی پٹکا زمیں پہ دیکھو
تھا طفلِ اشک ابتر سارا لٹالٹا کر

نسبت ہنڈولے سے ہے اس گردشِ فلک کو
عالم کے تئیں اُتارا پل میں چڑھا چڑھا کر

بادِ صبا ہے بادی اک چور گلستاں میں
لے جائے ہے زرِ گل کیسا اُڑا اُڑا کر

کم ظرف سے نہ کیجو اے اہلِ ظرف اُلفت
باسن کلال سے بھی لے ہیں بجا بجا کر

روشن ہے نام اُن کا مثلِ نگیں جہاں میں
بیٹھے جو نقشِ ہستی دل سے مٹا مٹا کر

درماندہ اور بھی اک اے ہمرہاں ہے پیچھے
اتنا بڑھے نہ جاؤ پاؤں اُٹھا اُٹھا کر

توام غم و طرب ہے بلبل اب اس چمن میں
روتی ہے صبح شبنم گل کو ہنسا ہنسا کر

مانندِ بدرِ کامل وہ ہی گھٹا پھر آخر
یک چند ماہِ نو کو گردن بڑھا بڑھا کر (کذا)

ہمسر ہے سرکشاں سے رکھ رکھ کے سر پہ افسر
یہ شمع از سرِ نو سر کو کٹا کٹا کر

زاہد صنم پرستی چھوڑے نصیر کیونکر
کہنے کی بات ہے یہ کوئی، خدا خدا کر

۷۲

نہ کوئی ہوجیو جوں مرغِ ہوا گیر اسیر
دامِ حیرت میں ہے جوں بلبلِ تصویر اسیر
کیا ہے پروا تجھے صیاد جو قمری کو بھلا
آج پھرا کے کیا طوقِ گلوگیر اسیر
(زندگانی) کی یہ دل قید سے آیا ہے بتنگ
کھول عقدہ کہ ہوں اے ناخنِ شمشیر اسیر
سرخ ڈوروں میں وہ مژگاں کے لگے ہے یوں چشم
آہنی پنجرے میں آہو بھی ہو اور شیر اسیر
کون سا ہے وہ بشر جس کے نہیں دل میں طمع
عشق کے دام میں ہیں سب یہ جواں پیر اسیر
دیکھتا رہیو تو صیاد نہ غافل رہنا
اڑ نہ جائیں کہیں پنجوں سے قفس چیر، اسیر
سحرِ حشر کا غوغا جو ہوا ہے برپا
آج کرتا ہے کوئی نالۂ شب گیر، اسیر
دیکھ ٹک آ کے سلیماں کہ ساقی نے کیا
کس پری کے تئیں شیشے میں بہ تسخیر اسیر
دل لٹکتے ہیں پڑے زلف کے حلقے میں نصیر
دام ہے ایک، ہزاروں ہیں عصافیر اسیر

۷۳

لگے گی دم میں سر چنگِ زمانہ سر اٹھانے پر
نہ اتنا منعمو فوارہ ساں اچھلو خزانے پر

کمر باندھی ہے مشّاطہ نے واں ابرو بنانے پر
چلے کی ہم سے تلوار ایک دن آنکھیں لڑانے پر
ہوا خواہوں میں کون ایسا ہے ماتمِ دار مجنوں کا
بگولہ اب تلک بھی مستعد ہے خاک اڑانے پر
الجھتا ہے تری کاکل سے دست الداز یہ ہو کر
دلِ صد چاک کا میرے نہ کیوں ہو دانت شانے پر
تبسّم سے ترے (؟) لب کو ضرر کیا ہو
کہ جز خرمن نہیں گرتی ہے بجلی ایک دانے پر
دل اس کا سنگِ مقناطیس ہے ، میں ناتواں سوزن
نہ ٹھیروں گر کہیں آ جائے وہ دل کے جتانے پر
جوابِ نامہ کو کیا روؤں قسمت کا لکھا دیکھو
کہ واں بندھوا (دیے) میرے کبوتر کے قضانے پر
ریاضِ دہر میں رہتا ہے چاک اہلِ تواضع کا
کہ شاخِ پر ثمر کھاتی ہے پتھر سر جھکانے پر
تجھے پانی سے پتلا گل کرے گا قطرۂ شبنم
نہ کر مرغِ چمن کے ژالہ باری آشیانے پر
نصیر اس کا بھروسہ جو کرے وہ شخص ناداں ہے
بنائے ہستیِ فانی ہے دم کے آنے جانے پر

۷۶

از بسکہ داغ سے ہے دلِ زار سر بسر
بیچوں جو لے یہ جنس خریدار سر بسر
کیا لگ رہی ہے مردمکِ چشمِ باغباں
گویا ہے لخت غنچہ خریدار سر بسر

تب آفتاب سے یہ خم چرخ ساقیا
مثل سبوے خانۂ خمار سر بمہر
بے جا نہیں صدف تہ گرداب دیکھنا
رکھتے ہیں دُرج گوہر شہوار سر بمہر
تیغ و سر کو ہاتھ میں باہم نہ رکھ کہ مرد
کب روز جنگ رکھتے ہیں تلوار سر بمہر
ہر ایک فلس سے نہیں وابستہ چشم دام
ماہی کھڑی ہے بحر میں دینار سر بمہر
بے وجہہ نب ہے حلقۂ کاکل کہ اے نصیر
فرمان حسن عارض دلدار سر بمہر

———:o:———

ردیف ڑ

۱

تازیانہ نہ بنا زلف کا ہر تار نہ چھیڑ
توسنِ ناز کو اتنا بتِ خونخوار نہ چھیڑ

تا کجا مائلِ نظّارہ رہوں جوں نرگس
آنکھ لگنے دے ٹک اے حسرتِ دیدار نہ چھیڑ

بال و پر کیجو نہ آغشتہ بخوں اے بلبل
کہ رگِ گل کو تہِ نشترِ منقار نہ چھیڑ

جل گیا کاغذِ آتش زدہ سا ہنس ہنس کر
ہردم اتنا مجھے بس آہِ شرربار نہ چھیڑ

پرورش یافتہ ہوں کنجِ قفس میں صیاد
تابِ پرواز نہیں تا سرِ دیوار نہ چھیڑ

محوِ دیدار ترے کیوں نہ ہوں حسرت زدگاں
شکلِ آئینہ سدا رہتے ہیں بیدار ، نہ چھیڑ

موتیا بند ہوا ہے تجھے روتے روتے
ساتھ اپنے نہ رلا ، ابرِ گہربار ، نہ چھیڑ

دل میں سررشتۂ الفت کو نہ رکھ ہاں اے شمع
بات اس تار کے بستار کی زنہار نہ چھیڑ

ساتھ ہے سر کے یہ سودائے سرِ زلف نصیر
اس سلاسل کو نہ کہہ تو کہ خبردار نہ چھیڑ

۲

میں کاکلِ مشکیں پہ ہوا غش تو وہ بولے
پانے کا خطا زلفِ معنبر سے بھی مت توڑ
اُس کے لب و دنداں میں محبت ہے بہم دل
گر لعل کا خواہاں ہے تو گوہر سے بھی مت توڑ
گو غیرتِ گلدستہ ہے گل خوردہ مرا ہاتھ
پر مرغِ چمن شاخِ گلِ تر سے بھی مت توڑ
گو عالمِ مستی میں ٹپکتا نہیں ساغر
تو شیشۂ مے بار تو پتھر سے بھی مت توڑ (کذا)
لب چشمۂ حیواں ہے وہ اے خضرِ تصوّر
ہے راہ تجھے اُس سے تو کوثر سے بھی مت توڑ
زیب ابروے قاتل کی ہے دل چین جبیں سے
بھرتا ہے دمِ تیغ تو جوہر سے بھی مت توڑ
جانا تجھے مشکل ہے جو خط لے کے وہاں تک
تو نامہ بر اشک کبوتر سے بھی مت توڑ
رو کش تو اسے ہونے دے آگے ہی سے ہے جنگ
اے خالِ رخِ یار ابھی اختر سے بھی مت توڑ (کذا)
شب کیا مجھے بات آئی ہے خوش پیرِ فلک کی
بن دیکھے رخ اُس کا مہِ انور سے بھی توڑ
گر تجھ کو خبر اپنی ہے کچھ شرکِ خفی کی
دو گیر پرستش کنِ اخگر سے بھی مت توڑ
زاہد تری تسبیح میں یہ رشتہ ہے پنہاں
زنّار کو ہاں گردنِ کافر سے بھی مت توڑ

جوڑے ہے اگر کان کے بالے سے محبّت
تو سوچ کے زلفِ بتِ کافر سے بھی مت توڑ
عقرب کی تو اے دل ہے خطر نیش زنی کا
یہ کاٹ نہ کھائے کہیں اژدر سے بھی مت تـوڑ
کہتا ہوں نصیر اُس کا قیامت ہے وہ قامت
آ مان کہا یار ، صنوبر سے بھی مت توڑ

———: o :———

ردیف ز

۱

کیا قفس میں ہو گرفتارِ قفس کی پرواز
جب رہائی ہو تو ہو مرغِ نفس کی پرواز

چھوڑ کر دیکھو نہ تو مرغِ نفس کی پرواز
مل کے صیّاد بھلی لگتی ہے دس کی پرواز

گرمئی عشق سے مانندِ دخانِ آتش
اے طبیبو ہے مرے ہاتھ کی نس کی پرواز

توسنِ ناز کو گیسو کا لگا مت کوڑا
شعلۂ برق ہے خود تیرے فرس کی پرواز

جلد تدبیر کرو ورنہ مجھے سوجھے ہے
سوے صحرائے عدم مرغِ نفس کی پرواز

خال اُس کے لبِ شیریں سے جدا ہو کیونکر
ہے محال انگبیں آلودہ مگس کی پرواز

پھیر ناقے کو نہ لیلیٰ، ابھی روحِ مجنوں
سن کے کر جائے گی آواز جرس کی، پرواز

تو نہ کرتا جو کبھو کار پروبال تو پھر
جذبۂ کاہ ربا ہوتی نہ خس کی پرواز

عرش تک فرش سے پہنچا ہے بہ گامِ اول
کیا کہوں ختمِ رسالت کے فرس کی پرواز

طائرِ رنگِ حنا کب ترے ہاتھوں میں رہا
طفلِ صیّاد اسے اپنے ہے بس کی پرواز

موت ہے چیونٹی کی (یہ) پر کا نکلنا یارو
گو یہاں اس نے ہوا پر بہوس کی پرواز

طفلِ دہقاں یہ تری سنگِ فلاخن کا ہے خوف
کسی طائر نے نہ تا شاخِ عدس کی پرواز

بیضۂ چشم سے مرغِ نظرِ مجنوں نے
دیکھ کر محملِ لیلٰی میں کلس ، کی پرواز

ہم صفیرانِ چمن موسمِ گل میں اب کے
بھول کر اس نے نہ تا بامِ قفس کی پرواز

مر گئی آہ درونِ قفس تابوتی
آئی بلبل کو جو یاد اگلے برس کی پرواز

زلف کیوں چھیڑے ہے کیا وہ نہیں دیکھی ہے نصیر
تو نے مارِ سیہِ شعلہ نفس کی پرواز

۲

قوسِ قزح سے یہ نہیں بادل ہے سرخ و سبز
ساقی کتابِ چرخ میں جدول ہے سرخ و سبز

پھولا کہیں ہے ڈھاک ، کہیں موجِ سبزہ ہے
چل قیس ، سیر دیکھ کہ جنگل ہے سرخ و سبز

قاتل نے جو بجھائی تھی تلوار زہر میں
سو اس کا رنگِ خوں سے مرے پھل ہے سرخ و سبز

دنیا وہ زال ہے کہ دو رنگیِ دہر سے
کیا کیا بدلتی رنگ یہ شفتل ہے سرخ و سبز

جنی بہم نہیں ترے سبزے سے کان کے
اے نخل باغِ حسن یہ کونپل ہے سرخ و سبز

اک دن وہ ہائے فرشِ زمیں پر گریں گے خواب
پابوس جن کی مسندِ مخمل ہے سرخ و سبز

نردیں کچیں ہیں اور وہ سینہ ہے تختہ نرد
دل مت سمجھ کہ محرمِ ململ ہے سرخ و سبز

اللہ رے نشہ دیکھ کے طوطی کو بام پر
بولا وہ بادہ نوش یہ بوتل ہے سرخ و سبز

دل کو مرے علاقۂ اُلفت ہے اُس کے ساتھ
ڈورا جو رکھتی یار کی ہیکل ہے سرخ و سبز

رخسارِ سرخ و سبزۂ خط پر نہ اپنے پھول
دو چار دن کو رنگ یہ فیصل ہے سرخ و سبز

دل کشتہ کیوں نہ ہو دو رخی اس کی شال کا
دکھلا دیا جو یار نے آنچل ہے سرخ و سبز

میں نے جو ایک طفلِ فرنگی سے کل کہا
کُرتی تری نبات کی کیا وَل ہے سرخ و سبز

بولا وہ رشکِ شمع کہ تیرے جلانے کو
یہ اے نصیر شعلۂ مشعل ہے سرخ و سبز

۳

کب ہے اس جعد سے زلفِ سیہ حور دراز
شبِ یلدا سے نہیں ہے شبِ دیجور دراز

کھینچے ہے سروِ چمن آپ کو گو دور دراز
راستی یوں کہ ترا قد ہے بدستور دراز

حرفِ حق روبرو ٹک اُس کے سمجھ کر کہنا
یعنی رکھتی ہے زباں دار بھی منصور دراز
یہی آتی ہے صدا کاسۂ چینی سے صدا
حیف ، کیا کہیے کہ ہے قصّۂ فغفور دراز
فرشِ مخمل پہ جنھیں خواب نہ آتا تھا سو اب
بسترِ خاک پہ ہیں ، ہو کے وہ مخمور ، دراز
خونِ پروانہ ہوا خاک وبالِ گردن
گردنِ شمع تو ایسی ہے بدستور دراز
سردمہری تری کیوں چرخ نہ روشن ہو کہ ہے
کہکشاں سے بہ گلو سبحۂ کافور دراز
کیا دلِ زار سے چھوٹے ہے خیالِ کاکل
روزِ محشر سے نہیں کم شبِ دیجور دراز
جب ہوا راہ نما دل ، یہ کہا طفلِ سرشک
راہ کچھ کوچۂ جاناں کی نہیں دور دراز
تب کہا اُس نے کہ سن اے مرے نورِ دیدہ
عمر اب تیری کرے خالقِ غیّور دراز
لکھ نصیر اور دھواں دھار نصیر اب کہ غزل
سن کے گھٹ جائے شبِ عاشقِ رنجور ، دراز

۴

مو بہ مو دیکھے جو زلفِ بتِ مغرور دراز
رشتۂ عمر ہو تیرا دلِ رنجور دراز
ناوکِ آہ دلِ گوشہ نشیناں سے بھی ڈر
کھینچ مانندِ کماں آپ کو مت دور دراز

چشمِ انصاف سے ٹک دیکھ ، صفائی وہ کہاں
گردنِ شیشہ ہے گو ، ساقی مخمور ، دراز
ہاتھ سے باغ میں گلچین کے جوں دستِ دعا
شاخِ گل ہے طرفِ خالقِ غیور دراز
شمع فانوس میں کیونکر نہ کٹے خجلت سے
آستیں میں ہے ترا شعلۂ پر نور دراز
تاک کیونکر نہ لگا رند کریں اے ساقی
ہاتھ کو سوے خمِ بادۂ انگور دراز
تجھ بن اے رشکِ قمر اپنی سیہ بختی کو
ذکر کیا چھیڑ رہی ہے شبِ دیجور دراز
کہکشاں اس کو سمجھ مت یہ الف کھینچا ہے
بے نوا بن کے فلک نے بہی بدستور دراز
فکر کر جلد نصیر اب نہ تو کوتاہی کر
کہ تجھے اور غزل لکھنی ہے منظور دراز

۵

واں تو دامن ہے ترا اے بتِ مغرور دراز
یاں ہے دستِ ہوسِ عاشقِ مہجور دراز
دل نہیں گوشۂ ابرو میں پڑا اینڈے ہے
تاک کی چھاؤں میں ہے یہ کوئی مخمور دراز
یہ غلط ہے کہ بڑے بول کا سر نیچا ہے
ہے سرِ دار پہ بھی گردنِ منصور دراز
ٹک مسیحاے زماں آ سرِ بالیں کہ ترا
پاؤں یہ رنجور کرے ہے طرفِ گور دراز

پنجۂ مہر بھی لے اُس کی بلائیں یک چند
ہاتھ پردے سے کرے گرچہ وہ مستور دراز

طرفۃ العین کھلا تجھ سے یہ عقدہ کہ حباب
راہِ ملکِ عدم اتنی نہیں کچھ دور دراز

ہم سری اس سے کرے کیا تری مژگاں کی لڑی
تیرِ آہِ دلِ عاشق بھی ہے مشہور دراز

دستِ کوتاہِ تمنّا بھی نہ پہنچا ہرگز
ورنہ دامن ہے کب اُس کا دلِ رنجور دراز

شبِ ہجراں میں تری اشکِ مسلسل اپنا
تا بہ دامن یہ نہیں اے بتِ مغرور دراز

چشمِ مشتاق ترے آنے کی دیکھے ہے راہ
دستِ مژگاں میں لیے سبحۂ کافور دراز

ہم نے جوں نقشِ قدم راہِ محبّت میں نصیر
بیٹھے بیٹھے ہی کیا طے سفرِ دور دراز

٦

کرتی ہے نخلِ سوختہ کو برشگال سبز
گرے سے پر یہ شمع کا ہے اک نہال سبز

چمکا نہ تیغِ برق کو اے ابرِ نوبہار
ساقی بھی جامِ بنگ سے رکھتا ہے ڈھال سبز

قوسِ قزح نہیں ہے یہ قدرت سے ساقیا
جدول کھنچی ہے صفحۂ گردوں پہ لال سبز

کیا جانے حسنِ سبز کی کیفیّت اپنے تو
مینائے مے نمط ترے دونوں ہیں گال سبز

ہے سبز عکسِ سرو سے کیا موجِ آبِ جو
قمری ترے لیے یہ بچھایا ہے جال سبز

طوطی نہ کھائے کیونکہ بھلا دیکھ تجھ کو زہر
جوڑا ترے گلے میں ہے دھانی کمال سبز

شاخِ خمیدہ کب ہے تہِ برگِ گل صبا
نکلا ہے عید کا یہ شفق میں ہلال سبز

پوچھو کچھ اُس کی وجہ نہ اے مردمانِ چشم
لگتا ہے خطِ سبز میں کیوں اُس کے خال سبز

بگڑا کہیں ہے نیل جو طوطی کی شکل اب
لایا ہے زاغ بال و پر اپنے نکال سبز

ابروے چشمِ یار پہ وسمہ نہیں لگا
عین بہار میں ہے یہ شاخِ غزال سبز

سرسبز یہ کلام ہے تیرا کہ ہو نصیر
آگے نہ جس کے طوطیِ شیریں مقال سبز

۷

عارض بہ بے سبب نہ ترے خط ہے بار سبز
رکھتے ہیں یعنی گردِ چمن لا کے خار سبز

آغازِ خط ہے یوں یہ تہِ زلفِ یار سبز
ابرِ سیہ میں جیسے لگے کشت زار سبز

نکلا نہیں ہے خط یہ تہِ زلفِ یار سبز
بے وجہہ زہر منہ سے اگلتا ہے مار، سبز

سرسبزیِ جنوں ہے جو یاں برگ کاہ سے
دامانِ دشت قیس کو ہے جامہ وار سبز

مژگاں نہ چشمِ تر سے ہمارے ہرے ہوئے
ہوتا ہے ورنہ سرو لبِ جوے بار سبز
ہو سبز عندلیب سے اس کا سخن نہ یاں
جامہ اگرچہ پہنے یہ طوطی ہزار سبز
چھاتی پہ مونگ ہاتھ سے دلتا ہوں عشق کی
کب زہرِ غم سے اشک نکلتے ہیں یار سبز
یا رب کھلے نہ غنچۂ دل پہ ہزار حیف
ہو موسمِ بہار میں ہر شاخسار سبز
رخ پر یہ زیرِ خط نہیں نکلا ہے اس کے خال
ہے باغِ حسنِ یار میں تخمِ شرار سبز
عاشق کے چشمِ نم سے ہے یہ فیض خاک میں
نکلے ہے جس سے برگِ گیاہِ مزار سبز
کہتا ہے خطِ سبز کو آئینے میں وہ دیکھ
کھیتی نظر پڑی ہے یہ دریا کی پار سبز
تنہا نہ کچھ فقیر جلالی بنا ہے مہر
تکمہ گلے میں دیکھ ترے اے نگار سبز
قوسِ قزح نہیں ہے کہ سیلی رکھے ہے چرخ
دو جس میں تار سرخ ہیں اور ایک تار سبز
ہوتا ہے کوئی مرہمِ زنگار سے نصیرؔ
جز آبِ تیغ زخمِ دلِ داغ دار سبز

۸

عشق میں ہے اشک اور لختِ جگر کا امتیاز
کب نظر میں اپنی ہے لعل و گہر کا امتیاز

صید گہِ عشق میں بالِ شکستہ بے ہنر
کس کو رہتا ہے قفس میں بال و پر کا امتیاز
طفلِ اشک اپنے نہایت یہ بھی خود رو آپ ہیں
کودکِ ابتر کو کب ہووے پدر کا امتیاز
کون پوچھے ہے جہاں میں بات مفلس کی نصیر
ہے جو کچھ دنیا میں سو اس سیم و زر کا امتیاز

۹

نے ملک نہ جاگیر نہ منصب ہے نہ زر روز
رزاق کے صدقے کہ پلا جائے ہے ہر روز
آتا ہے تو آ جلد کہ مانندِ قیامت
مدت سے ترے آنے کی سنتے ہیں خبر روز
ٹک چرخ سے بہبود کی امید عبث ہے
ہے قولِ بزرگاں کہ زمانہ ہے بتر روز
کھل جاتی ہیں گو موسمِ برسات کی جھڑیاں
بادل سے برستے ہیں مرے دیدۂ تر روز
جو دم ہے مسافر ہے نصیر عشق کی رہ میں
کر سیر بدن کی کہ ہے گھر ہی میں سفر روز

۱۰

ہم تجھ کو جو سمجھتے ہیں مستِ غرور چیز
ہے کیا بلا پری کوئی اور کیا ہے حور چیز
اے جان تو وہ ہے کہ ہے یوسف بھی دیکھ کر
جانِ عزیز کیا ہے یہ تیرے حضور چیز

ہم دیکھتے ہیں دل میں تجلّیِ حق کے تئیں
موسیٰ تری نظر میں یہ کچھ ہوگا طور چیز

پھیلا کے پاؤں گور میں آخر کو سو رہا
کیا لے گیا جہان سے بہرام گور چیز

محرم سے تیرے کیونکہ ہو نا محرم آشنا
کچھ اُس کو سمجھے گا کوئی اے با شعور چیز

دو قرصِ مہر و مہ کے سوا اس میں خاک ہے
کیا اپنی چشم میں ہو فلک کا تنور چیز

یارو نہ کیونکہ ہو رخِ جاناں کی خط سے زیب
ہے یہ بھی ایک ملکِ سلیماں میں مور چیز

گل ہے کہاں چمن میں یہ ساغر ہے لعل کا
ساقی کب اُس کے آگے ہے جامِ بلور چیز

دل دے کے میں نے اُن سے کہا جبکہ جانِ من
درکار ہے مجھے بھی وہ دیجے ضرور چیز

دکھلا کے دل کو ابروے پُر خم کے طاق میں
کہنے لگے دھری ہے نصیر اب تو دور چیز

۱۱

خط زیرِ لب نہیں ہے ترے رشکِ ماہ سبز
کیا ہے نگینِ سرخ تلے ڈانک واہ سبز

حاصل اب ایسی بارشِ گریہ سے چشمِ تر
کب سرزمینِ دل میں ہوا نخلِ آہ سبز

ساقی ہے مہ بہ شیشۂ مے کے نہ برگ تاک
بر میں شب ہے سرخ سر پر کلاہ سبز (؟)

اس عکسِ خط سے کیوں نہ ہو آئینے میں بہار
لگتا ہے یعنی آب دلا زیرِ کاہ سبز
شب شمعِ سبز فام کے ہیں گرد سب پتنگ
اے عشق ہے علم لیے تیری سپاہ سبز
گرگٹ کے رنگ بدلے ہے رنگِ خضاب سے
ہے ریشِ شیخ سرخ و سفید و سیاہ و سبز
سرسبز اس زمیں میں غزل کیا لکھی نصیر
ہوتی ہے جس کے دیکھے سے اپنی نگاہ سبز

۱۲

دولت گئی ، دماغ وہی ہے بجا ہنوز
خط آ گیا ، غرور نہ تم سے گیا ہنوز
کوچے میں تیرے خاک بسر ہو گئے ولے
جاتی نہیں ہے سر سے ہماری وفا ہنوز
نوسالہ پیر شد و نشد گاؤ شیخ جی (کذ)
بوڑھے ہوئے ، شعور نہ آیا ذرا ہنوز
تھوڑا نہیں ہے گل بدنوں کا یہ دل میں جان
خلخال کی ترے ہی بسی ہے صدا ہنوز

۱۳

اپنے گھر آئے جو وہ رشکِ قمر آخر روز
مہر کو ہم بھی کریں شہر بدر آخر روز
برگ جوڑتے نہیں پر ہاتھ سے اب آندھی کے
مارتے ہیں کفِ افسوس شجر آخر روز

دو پہر دن تری فرقت میں گزارا جوں توں
نظر آتا نہیں گھٹتا مجھے پر آخر روز

بزم میں یار سے پوچھا جو اشارات میں رات
صبح کو آؤں میں تجھ پاس مگر آخر روز

کر کے آئینہ سیہ اس نے ذرا . . . کی روش
مجھ کو دکھلایا کہ ہاں آئیو گھر آخر روز

جوں فروشندہ نہیں تیغ لیے شام ہلال
مہر بھی چوک میں تھا لے کے سپر آخر روز

اس لٹو کی طرح ہار نہ دل منزل میں
کھولتا جا کے مسافر ہے کمر آخر روز

کیا ہوا آج جو تشریف مرے گھر لائے
پھر بھی کل آئیے گا بار دگر آخر روز

اے صبا باغ میں اک تو ہے ہوا خواہوں میں
سیر گل گشت کریں ساتھ ہو گر آخر روز

چلی پیری بھی بجاتی ہوئی اب کوس رحیل
شب جوانی کی کٹی کیا ہے سفر آخر روز

صبح قاصد جو گیا تھا نہ پھرا اس کسو سے
کون لا دیوے نصیر اس کی خبر آخر روز

۱۴

مژگاں پہ مری اشک کبوتر ہے گرہ باز
نے تار پہ نٹ صاحب جوہر ہے گرہ باز

دریاے سخن سے دُر معنی کو جو لایا
غوّاص نمط دل بھی شناور ہے گرہ باز

منقار بھی بلبل کی ہے جوں ناخنِ تدبیر
تارِ رگِ ہر گل کی سراسر ہے گرہ باز

گرنا نہ کہیں سر کے بل اے غنچہ اٹھا سر
شبنم کی نہ کر ریس، یہ تیتر ہے گرہ باز

پھاندا دلِ وحشی کو مرے پھاند لے جس نے
کیا زلفِ گرہ گیر وہ رخ پر ہے گرہ باز

سرمہ ہے کہاں جس کو دکھادوں میں کہ جوں گو
اس عشق کی چوگاں میں مرا سر ہے گرہ باز

———:٥:———

ردیف س

۱

کیا ہاتھ لگے بچۂ یک سالۂ طاؤس
صیّاد پہ ہے تیر فگن نالۂ طاؤس

اے ابر، نہیں رعد سے کم نالۂ طاؤس
جو اشک ٹپکتا ہے سو ہے ژالۂ طاؤس

جب داغ میں اور گل میں نہ ہو فرق توکیونکر
داغِ پرِ طاؤس نہ ہو لالۂ طاؤس

رقص اُس کا دکھا مت تو مجھے باغ میں ساقی
میں غش ہوں بطِ مے پہ، نہیں والۂ طاؤس

دیکھے وہ خطِ رخ پہ ترے زلف کا حلقہ
جس نے کہ نہ دیکھا ہو میاں ہالۂ طاؤس

مرقد پہ شہیدوں کے ہے کیا مورچھل اُس کا
مصحف میں بھی دیکھا پرِ دنبالۂ طاؤس

بولا وہ کہ یہ .... چھٹا ساتھ
تھا رقص کناں شعلۂ جوّالۂ طاؤس

شب کس کی برات ایسی تھی اے غیرتِ مہتاب
تو دیکھ کے جو سیر ہوا والۂ طاؤس

(ناتمام)

۲

ہے بوقلموں جلوۂ داغِ پرِ طاؤس
روشن رہے یا رب یہ چراغِ پرِ طاؤس

صحرا میں جو ہے دام لیے سوجِ رگِ ابر
کیا آج ہوا پر ہے دماغِ پرِ طاؤس
میرے دلِ پُرداغ کے مانند نہ پھولا
یک دست گلوں سے یہ ایاغِ پرِ طاؤس
سبزی یہ نہیں داغ میں ساقی کہ ہے تجھ بن
ہے زہر سے لبریز ایاغِ پرِ طاؤس
خال اُس کے خطِ سبز میں نکلا یہ نہیں ہے
دیکھا نہ ہو تو دیکھ لو زاغِ پرِ طاؤس
جس داغ کو دیکھوں ہوں وہ صورت ہے درم کی
ہے عشق کی دولت سے فراغِ پرِ طاؤس
ڈھونڈھے ہے جو مرقد پہ شہیدوں کے لصبر اب
کیا اُڑ گیا گلشن سے سراغِ پرِ طاؤس

۳

ہو چکی باغ میں بہار افسوس
آہ اے بلبلو، ہزار افسوس
قافلہ عمر کا ہے پا بہ رکاب
زیست کا کیا ہے اعتبار افسوس
مری راتوں کو دیکھ سوختگی
نہ کیا ایک دن بھی یار افسوس
شب سے پروانے کی لگن میں شمع
صبح تک روئی زار زار افسوس
سخت بے تابی سے کٹی کل رات
آج بھی دل ہے بے قرار افسوس

خال و خط کو سمجھ کے دانہ و دام
مرغِ دل ہوگیا شکار افسوس
آہ دستِ جنوں سے اے ناصح
ہے گریباں تار تار افسوس
جان ہونٹوں پہ آ گئی ہمدم
لیکن اب تک پھرا نہ یار افسوس
عمر غفلت میں کٹ گئی ہے نصیرؔ
آہ افسوس! صد ہزار افسوس!

۴

ہوئی ہے محوِ تماشائے یار کیا نرگس؟
کہ ہر طرف نگراں ہے بہ چشمِ وا نرگس
ملا نہ آنکھ تو اس شوخ سے، سنا نرگس
اب ایسی تو نے نکالی ہے شاخ کیا نرگس
چمن میں کیوں نہ ہوا باندھے اے صبا نرگس
کہ طفلِ غنچۂ لالا کی ہے دوا نرگس
عجب ہے رنگِ بہاراں عجب ہے جشنِ بہار
کھڑی ہے پہنے قلم کار کی قبا نرگس
خیالِ گردشِ چشمِ بتاں ہے دامن گیر
لیے ہے جام ہر انگشت پر بجا نرگس
قسم ہے پاس مہ و مہر کے بھی ہے توڑا
تری طرح زرِ سرخ و سفید کا نرگس
لگے ہے بوقلموں کیا بہارِ گلشنِ حسن
دہن ہے غنچہ ترا، چشم فتنہ زا نرگس

یہ اے صبا نہیں ہے وجہہ منہ پہ زردی سی
گئی ہے رنگِ رخِ عاشقاں اُڑا نرگس
خیالِ چشمِ بتاں اب نہیں ہے دل میں نصیر
کہ اس زمین میں بوئی ہے ابتدا نرگس

۵

باغ میں اے سرو قد تجھ بِن نہیں قمری اُداس
ہے کلی غنچے کو لے کے گل ہے انگڑائی اُداس
چشمِ مستِ ناز کی گردش نے آوارہ کیا
مے کدے سے اُٹھ گیا آخر کو ہو ساقی اُداس
ماتمِ فغفور چیں میں مُو برابر فرق ہے
دل سے نکلے ہے صدائے کاسۂ چینی اُداس
تا سرِ زلفِ صنم عارض سے خط پہنچا نکل
دیر کو کعبے سے اب ہو کر گیا حاجی اُداس
مرغِ جاں چھٹ آشیانِ تن ہے یوں سونا پڑا
غیرِ صاحب خانہ جوں لگتا ہے گھر خالی اُداس
دل گھٹا طاؤس کا تجھ بِن گھٹا کالی کو دیکھ
فاختہ کُوکُو ، پپیہا بولے ہے پی پی اُداس
لختِ دل آنکھوں سے آوارہ ہو یوں پھرتے ہیں آہ
لشکرِ ابتر شدہ کی فوج جوں بھٹکی اُداس
یاد اُس کے زلف و رخ کی چھٹ گئی ہے جب سے آہ
روز و شب رہتا ہے اپنا کیا نہایت جی اُداس
ملکِ دل اپنا وہ جب سے کر گیا غارت نصیر
شب سے نظروں میں لگے ہے شہر اور بستی اُداس

۶

چاہیے قمری تجھے طوقِ گلوگیر و قفس
دامِ اُلفت کے اسیروں کو نہ زنجیر و قفس

ہم صفیرو! دام سے کیا اس دلِ حیراں کو کام
کب بہم رکھتے ہیں نسبت مرغِ تصویر و قفس

سب نے سل پرواز ہمت ہار دی ہے ہمدمو (کذا)
ورنہ لے جاؤ اُڑا کر اے عصافیرو! قفس

صحنِ گلشن ہے اسیروں کا وطن، ٹک تو ذرا
ہاتھ سے رکھنے دو صیّادان بے پیرو قفس

چاٹ پر طوطی نہ جا، صیّاد اب پھرتا ہے دیکھ
جائے آب و دانہ لے کر شکّر و شیر و قفس

مرغِ دل کیونکر بچے، ہے قول انشا کا نصیر
زلف و چشمِ یار ہیں دامِ گرہ گیر و قفس

۷

کیوں نہ دنداں ہوں ترے رشکِ نگینِ الماس
جن کے پرتو سے دمکتی ہے جبینِ الماس

توسنِ نقرہ ترا سیم بدن تب چمکے
جب کہ تو اس پہ چڑھے باندھ کے زینِ الماس

اتّفاقِ لب و دنداں بتاں وہ سمجھے
جس نے یاقوت کو دیکھا ہو قرینِ الماس

میں ہوں درویش مرے گھر میں تو کب آتا ہے
چاہیے تجھ کو کوئی شاہ نشینِ الماس

قصرِ فیروزہ تنِ چرخ کی رونق جب تھی
گر نصیر اُن کے تلے ہوتی زمینِ الماس

۸

یک چند ہم پھرے ہیں ترے گھر کے آس پاس
مہوش ٹک اب تو بیٹھنے دے در کے آس پاس

قطرے عرق کے ہی یہ نہیں گردِ رخ ترے
تارے چمکتے ہیں مہِ انور کے آس پاس

جوں شب کو بھٹکے طائرِ گم کردہ آشیاں
دل یوں پھرے ہے زلفِ معنبر کے آس پاس

افسوس ہے کہ شمع کٹے مفت سر ترا
اور یوں پھرے پتنگ ترے سر کے آس پاس

کس کا ہے منہ جو پہنچے لبِ یار تک دلا
بھٹکے ہے تو ہی چشمۂ کوثر کے آس پاس

غنچے نہیں ہیں متصلِ گل یہ ساقیا
مینائے مے چمن میں ہے ساغر کے آس پاس

ہر لختِ دل سے دیکھ مرے چشم کی نمود
کیا چینیاں جڑی ہیں یہ گوہر کے آس پاس

نکلا ہے گردِ رخ جو ترے خط ، عجب نہیں
ہوتے ہیں خار ہاں گلِ احمر کے آس پاس

واللہ کیا سمجھ کے دلوں کو اب عاشقو
دیتے ہو تم جگہ دلِ دلبر کے آس پاس

یعنی کہ واہ عقل تمھاری ، زہے شعور
شیشوں کو کوئی رکھتے ہے پتھر کے آس پاس ؟

لکھ اس زمیں میں ایک غزل اور بھی نصیر
بیٹھے ہیں آج آپ برابر کے آس پاس

۹

شیشے دھرے ہیں واں مرے دلبر کے آس پاس
یاں آبلے ہیں اس دلِ مضطر کے آس پاس

سرگشتہ بعدِ قیس میں وہ ہوں کہ دشت میں
پھرتا ہے گرد باد مرے سر کے آس پاس

کیا بیم دستِ موج سے ہووے کہ جب بھنور
کھینچے حصار آپ شناور کے آس پاس

کیفیت اس کی چشمۂ مژگاں سے کیوں نہ ہو
بیٹھے ہیں مست مل کے یہ ساغر کے آس پاس

تو بھی تو آ کے دیکھ کہ کیا ہے ہجومِ خلق
عاشق کے تیرے لاشۂ بے سر کے آس پاس

تارِ سرشکِ سرخ کی تحریر یک قلم
بے وجہہ یہ نہیں مژۂ تر کے آس پاس

مضمون گریہ کیوں نہ لکھیں مردمانِ چشم
جدول کھنچی ہے یہ خطِ مسطر کے آس پاس

چاہے ہے نام صفحۂ گیتی پہ گر نصیر
مثلِ نگیں نہ رکھ تو قدم گھر کے آس پاس

۱۰

خالِ رخ یوں جلوہ گر ہے کان کے بالے کے پاس
جس طرح چمکے ہے اختر ماہ کے ہالے کے پاس

میں ہوں وہ گر وادیٔ مجنوں میں رکھوں گا قدم
خار کو آنے نہ دوں گا پاؤں کے چھالے کے پاس

وہ تری آنکھوں کی کیفیت سے واقف ہے مدام
شیشہ و ساعت کو مت رکھ اپنے متوالے کے پاس

زلف سے باہم نہیں ٹیکا جبینِ شوخ پر
دل نہ دست انداز ہو بچھو ہے یہ کالے کے پاس

بام پر توڑا ہے کس نے سچ بتا پھولوں کا ہار
جو پڑے ہیں پھول یہ اے یار پرنالے کے پاس

ہے جو قصدِ وصل تجھ کو سیم تن سے اے نصیر
خوف کیا ہے نقدِ دل کو شوق سے جا لے کے پاس

۱۱

کٹ گئی وصل کی شب باتیں ہی کر کے افسوس
کچھ نہ باقی رہا ہونے میں سحر کے افسوس

ہو نہ زانو تو یہ تکیہ تلے سر کے افسوس
اور مرے پاس سے تو رات کو سر کے افسوس

سخت اپنا ستم ایجاد ہے یا رب صیاد
چھوڑ دیتا ہے پر و بال کتر کے افسوس

ہے یہ گرمی تپِ فرقت کی کہ عیسیٰ نے آہ
نبض پر میری کہا ہاتھ کو دھر کے افسوس

کیا کریں اے بتِ بے دید شکایت تجھ سے
یاں سے بھی لے چلے اک داغ یہ مر کے افسوس

دیکھنے کو بھی نہ تو بام پہ آیا اے وائے
کہ جنازہ بھی گیا پاس سے گھر کے افسوس

اپنے دلدار کے تو میں نہ ہوں گرد آہ نصیر
اور چکوریں یہ پھریں گرد قمر کے افسوس

———:o:———

ردیف ش

۱

رخ دیکھ ترا ، دل کی بجھی سیم بر آتش
قرآن دکھاتے ہیں لگی ہو جدھر آتش

اس چشم میں رہ آن کے مردم کی نظر سے
یاں جائے سپند اشک ہیں لختِ جگر آتش

پابندگیِ برق سے گریاں یہ نہیں ابر
ہے مرقدِ عشاق پہ با چشمِ تر آتش

لاتی ہے دلا شمع بھی شب سانگ بھگت کا
منہ سے جو نکالے ہے کھڑی تا سحر آتش

پانی کے سوا چین نہیں اس کو جو دایم
سوزاں دلِ ماہی میں ہے یا رب مگر آتش

چھوٹی یہ ہوائی نہیں اس آہ کے ڈر سے
گردوں پہ لگا اُڑ گئی ہے بال و پر آتش

دل خوشۂ انگور بھبھولوں سے بنا ہے
یہ دے گئی ہے عشق کی ہم کو ثمر آتش

پا عشق میں رکھنا نہیں آسان ہے اے دل
ہے شمعِ شبستاں کے سدا تاجِ سر آتش

ہر سنگ میں ہے دیکھ نصیر اس کی تجلّی
کچھ طور ہی پہ تھی نہ فقط جلوہ گر آتش

۲

طوفان ہے اس دیدۂ پر آب کی گردش
پانی بھرے ہے دیکھ کے گرداب کی گردش

یوں چرخ سے ہے مہر جہاں تاب کی گردش
جوں رہٹ کے بھرنے سے ہے دولاب کی گردش

مدت میں ترا دور پھر آیا ہے یہ ساقی
جم جم رہے اس جام مئے ناب کی گردش

ٹک دیکھ تماشا کہ ہے فانوس خیالی
پتلی سے مرے دیدۂ بے خواب کی گردش

جنس خرد و صبر بن اس دل کو کہاں چین
مفلس کو بری ہوتی ہے اسباب کی گردش

صدقے ترے دندان مسی زیب کے ہو کر
دو چند بڑھی اختر شب تاب گردش

اس دیدۂ پر آب کی دولت سے نصیر اب کی
گرداب نمط ہے مرے گرد آب کی گردش

۳

نہ دل زار کو دے عشق کے آزار آتش
یعنی ہوتی ہے سمندر کی نگہدار آتش

رنگ پاں سے ہو کر اس لب پہ نمودار آتش
لگ اٹھی چشمۂ حیواں سے اک بار آتش

گرمیٔ حسن کو دیکھ اس کی نہ کیوں شمع جلے
زلف کی شب ہے دھواں اور گل رخسار آتش

گریے سے آتشِ دل اور بھی بھڑکی ورنہ
لگتی پانی سے نہیں چشمِ گہربار آتش

شعلہ رو سے مرے کیجو نہ شرارت واقف
لکڑیاں خوب سی کھاوے گی خبردار آتش

نہ لبِ بام سے تو پائے حنائی دکھلا
مشتعل دل سے نہ ہو تا سرِ دیوار آتش

خوف دل کو مرے داغوں کی نہیں سوزش کا
جوں خلیل اسپہ بھی دیکھوں ہوں میں گلزار آتش

حالِ دل سوختگاں کلکِ جلی سے مت لکھ
کہ جلا دے کہیں کاغذ کو نہ دلدار آتش

مصحفِ رخ کو دکھا اپنے کہ بے وجہ کچھ اب
خانۂ دل میں لگے ہے مرے اے یار آتش

ایک تو صبح چراوے دُرِ اختر اور تو
دلِ عالم میں لگاتا ہے یہ الکار آتش

اے فلک ہاتھ پہ خورشید کا گولا نہ اٹھا
کہ جلا دے گی ابھی دزدِ سیہ کار آتش

اے نصیر اس کے تماشے کو ہوائی بن کر
شب کو جھاڑے ہے مری آہِ شرربار آتش

۴

نالے سے ہے یوں اس دلِ دلگیر کو جنبش
بھونچال سے جوں ہوتی ہے تعمیر کو جنبش

ممکن نہیں جو لوحِ جبیں پر یدِ قدرت
دے از سرِ نو خامۂ تقدیر کو جنبش

اے تیرِ ہوائی تجھے دکھلاؤں تماشا
سینے سے جو دوں نالۂ شب گیر کو جنبش
روکش ہو خطِ سبز سے تیرے تو وہیں ہو
ہر بال و پرِ طوطیٔ تصویر کو جنبش
دل صید ہو کیا تیری پریشاں نظری سے
کرتا ہے خطا، ہووے اگر تیر کو جنبش
مضطر ہو نہ کیوں موجِ ہوا نجد کی، یارو
مجنوں کے تجسّس میں ہے زنجیر کو جنبش
آرام نہیں تو بھی نصیر آہ ہمیں ٹک
دن رات رہے ہے فلکِ پیر کو جنبش

۵

رکھوں نہ سر کو کیونکہ میں زیرِ قدم تراش
ظالم نے رفتہ رفتہ نکالی ستم تراش
کیا نکلے آہ اس ترے ابرو کو دیکھ کر
ہے اصفہانی زور یہ تیغِ علم تراش
چرخِ بخیل دے ہے کسے قاشِ ماہِ نو
پھرتا ہے کہکشاں کی دکھاتا قلم تراش
کیا وجہہ ہے جو آنے سے اب رہ گئے ہیں اشک
ہیرے کے دانے ویسے ہی پھر چشمِ نم تراش
کہتی ہے خلق دیکھ، جواہر رقم تجھے
خط پشتِ لعلِ لب سے نہ تو یک قلم تراش
عارض پہ کیوں نہیں ہے تری زلف حلقہ زن
عینک تو چشمِ مہر کی خاطر صنم تراش

ہر دم ہمیں لبِ لئے قلیاں سے کام ہے
آگ بجرِ یار میں بھی عدم ہےیہ غم تراش (کذا)

برپا خراشِ سینہ ہو دریا ہے سوج سے (کذا)
ناخن کی تیرے گر اُسے دکھلاویں ہم تراش

دل میں خیالِ ابروے دل دار رکھ نصیر
تیشے سے کوہ کَن کے نہیں اس کی کم تراش

تعمیرِ غم کے ڈھانے کی تدبیر خوب ہے
یہ درمیاں سے آہ کا پہلے تو تھم تراش

۶

کیا خرابی کے کوئی ہو دیکھ کر آثار خوش
خندۂ دنداں نما سے کب لگے دیوار خوش

گل پریشاں ہے چمن میں برگ مانگے ہے صبا
گانٹھ کا پورا ہے غنچہ کیوں نہ ہو دلدار خوش

کج کلہ شام اُس کو دیکھا تھا ہلال آسا سحر
مہر کے سر پر نہ اک ذرہ لگی دستار خوش

سرو ہے یا رخ ہے جوگی کا کہ قمری مَل بھبھوت
بن گئی جوگن گلے میں پہن کر زنّار خوش

آب و دانہ چشم میں رکھتا ہے طفلِ اشک ساتھ
جب شکم میں ہے صدف کے یہ دُرِ شہوار خوش

پاؤں میں خلخال ہے اس گلبدن کے جوں رکاب
دل کو لگتی ہے سمندِ ناز کی رفتار خوش

شہپرِ پرواز ہے اره نہالِ شمع کو
سچ ہے نخلِ سوختہ لگتا نہیں زنہار خوش

زخمِ تن اپنا لبِ خنداں ادھر اور وہ ادھر
ایک دم میں ہوگیا کیا مار کر تلوار خوش

مبتدی کی کیا ہے صورت جو انھیں سمجھے نصیر
منتہی کو آتے ہیں معنی کے یہ اشعار خوش

فرد

آج ساقی کے ہوا پیالہ کہ مے خانے میں
سنگ پر شیشے نے سر پٹکا ذرا کھا کر غش

۷

مشعلِ عشق کی ہے یوں مرے تن میں آتش
جوں لگا دے ہے مسافر کوئی بن میں آتش

بعدِ مردن بھی رہی ہجر کی تن میں آتش
شمعِ فانوس نمط ہے جو کفن میں آتش

دوں اگر آہِ شرر بار کو رخصت تو ابھی
لگ اٹھے خیمۂ گردونِ کہن میں آتش

دل کی سوزش کو لگے آگ کہ رہتی ہے سدا
شعلہ زن مثلِ تنور اپنے دہن میں آتش

سرخ جوڑے کو نہ جا پہن کے کہتا ہے نصیر
شعلہ رو لگ نہ اٹھے دیکھ چمن میں آتش

——:o:——

ردیف ص

۱

حباب کا دمِ ہستی سے ہووے کیا اخلاص
فنا سے رکھتے ہیں کب مائلِ بقا اخلاص

بہار چہرۂ گل کیا ہے صبح شبنم سے
کہ عارضی ہے یہ آتش کا آب کا اخلاص

ہزار سورۂ اخلاص ہم پڑھیں لیکن
یہ چند روز کا ہے مہ جبیں ترا اخلاص

خیالِ زلف میں لیلیٰ وشوں کے جوں مجنوں
مجھے ہے خانۂ زنجیر سے سدا اخلاص

روش چمن میں جو چلنے کی تو نے ڈالی ہے
گلوں سے تجھ کو بھی ہے صرصری صبا اخلاص

جھلک رہا ہے ہر اک ذرے میں وہ جوں خورشید
زمیں سے کیوں نہ رکھے چشمِ نقشِ پا اخلاص

بلائے دل ہے تری کج ادائی کاکل کی
یہی ادا ہے تو بس ہو چکا ادا اخلاص

مثالِ آئنہ جوہر دلا تُو پیدا کر
کہ سب سے رکھتے ہیں دنیا میں باصفا اخلاص

جلا کے آتشِ الفت سے شمع کو وہ نصیرؔ
کہے ہے کیا کہ یہ پاتا ہے اب جلا اخلاص

۲

کیا منہ ہے ، اپنے سامنے جو سر اٹھائے حرص
دستِ طلب کو کھینچ کے توڑا ہے پائے حرص
دریا دلوں کو ہم نے نہ دیکھا کہ جوں گُہر
ہوں بہرِ آب و دانہ کبھو آشنائے حرص
رکھتے نہیں ہیں کاسۂ چشمِ طمع کو ہم
دل سے حباب وار ہوا ہے ہوائے حرص
ناداں تلاشِ دانہ نہ کر مثلِ آسیا
ایسا نہ ہو کہ تجھ کو جہاں میں پھرائے حرص
خورشید قرصِ ناں پہ نہیں اکتفا تجھے
تا شام صبح سے نہ پھر اتنا برائے حرص
کافی یہاں گدا کو لباسِ برہنگی
بر میں لباسیوں کے سجی ہے قبائے حرص
جوں غنچہ باغِ دہر میں لب بہرِ زر نہ کھول
اے دل نہیں سوائے قناعت دوائے حرص
لاتی ہے آشیاں سے نصیر اس کو کھینچ کر
طائر کو چشمِ دام سے کیونکر بچائے حرص

۳

زلف کے حلقے میں کیا ہے دل کو بے تابانہ رقص
خانۂ زنجیر میں کرتا ہے کیا دیوانہ رقص
لے ہے کیا چک پھیریاں دامن اٹھا کر گردباد
خاکِ مجنوں پر سدا ہے جانبِ ویرانہ رقص

دستِ صیّادِ ازل سے طائرِ قبلہ نما
آشیانے میں کرے ہے بہرِ آب و دانہ رقص
زور کیفیّت رکھے ہے سیرِ گرداب و حباب
چاک پر کرتا ہے ساقی دیکھ لے پیمانہ رقص
گور پر تیرے شہیدِ ناز کی لیل و نہار
چرخِ مینا فام بھی کرتا ہے طاؤسانہ رقص
جنبشِ گردن قیامت ، پاؤں کی ٹھوکر غضب
یہ ترے بسمل نے سیکھا کس سے استادانہ رقص
برہمن نے کیا بجایا دیر میں ناقوس آہ
دستِ زاہد میں کرے ہے سبحۂ صد دانہ رقص
چشم میں تیری ہیں اپنے کیا بتاں کی صورتیں
دیکھتے ہیں پتلیوں کا مردمانِ خانہ رقص
شام سے تا صبح پیشِ شمعِ محفل اے نصیر
خیمۂ فانوس میں کرتا ہے کیا پروانہ رقص

۴

یوں تن سے ہوئی جاں دمِ شمشیر مرخّص
جوں شمعِ سحر ہو تہِ گُلگیر مرخّص
صیّاد سے کہتے ہیں اسیرانِ قفس آہ
کر موسمِ گل میں کہیں بے پیر مرخّص
آنکھوں میں ہے دم اب ترے بیمار کا چل دیکھ
اب دم کو ہے بھر عاملِ تغییر مرخّص
محفل سے جب اُٹھ سامنے اُس آئنہ رو کے
ہونے کو گیا عاشقِ دلگیر مرخّص

حیران رہا دست بسر ہوتے ہی وہ چپ
تصویر سے جوں ہووے ہے تصویر مرخص
کاکل دلِ دیوانہ کو چھوڑے ہے کب اس کی
ہرگز نہیں کرتی ہے یہ زنجیر مرخص
شاید یہ کسی شخص کے آنے کا ہے اب وقت
کرتے ہو جو تم ہم کو بہ تزویر مرخص
ہے دل میں نصیر اپنے کہ لکھ کر یہ غزل اب
قاصد کوئی کیجے طرفِ میر مرخص

——: o :——

ردیف ض

۱

بوسۂ لب ٹک ترا اے یار ہے سب کی غرض
بات کہتے ہیں یہ گویا اپنے مطلب کی غرض

چال نے تیری کیا کیا رفتہ رفتہ پائمال
کبک نے دل سے اٹھا دی کوہ سے کب کی غرض

ایک بوسے پر لگا کہنے وہ اپنا منہ پھرا
ہم سے پھر بارِ دگر رکھنا نہ اس ڈھب کی غرض

روزہ داروں کے ہوئی گھر عید جب اس شوخ نے
کھول کر چہرے پہ کاکل دن دیے شب کی غرض

شیخ محفل میں نہیں کچھ اشترِ صالح سے کم
ہے دو زانو بیٹھنے سے اس مؤدب کی غرض

داغِ چیچک دیکھ کر رخ پر ترے اے رشکِ ماہ
شب بر آئی چرخ پر وہ چند کوکب کی غرض

چشم میں اشکوں کو رکھ مردم کہ ان لڑکوں سے ہے
آبرو استاد کی بھی اور مکتب کی غرض

جو ہو بے بہرہ وہ رکھے ہاتھ میں کشتیٔ دل
جوں حباب اپنی نہیں دریا سے یک حب کی غرض

بندہ پرور جلوہ گر ہو حضرتِ انسان میں
خود نمائی خود نما خود بیں نے کیا اب کی غرض

دید تھی منظور اپنی ، اور کچھ مطلب نہ تھا
مدّعا اپنا یہی تھا ، ہے یہی سب کی غرض
جو مقرّر روز تھا اپنا سو پاتے ہیں ضرور
دل سے ہم نے دور کی جاگیر و منصب کی غرض

۲

نہ دکیا رشک قمر تو عرق افشاں عارض
چشمۂ مہر پہ لاوے گا یہ طوفان عارض
نہ تو مہتاب ہے ، نے مہرِ درخشاں عارض
رحل یہ خط ہے ترا جس پہ ہے قرآں عارض
دلِ عاشق کہیں ڈوبا ہے جو چاہت سے تری
جھانکتے ہیں یہ لبِ چاہِ زنخداں عارض
شیشہ باز ایک تماشے کو رکھے ہے شیشہ
شیشۂ چند ترے رکھتے ہیں تاباں عارض
حلقۂ زلف سے اس رشکِ قمر کے دیکھو
گلِ خورشید سے ہیں دست و گریباں عارض
شیشۂ بادۂ گل رنگ نمط جھلکے تھا
اس بتِ مست کا اے بادہ پرستاں عارض
جیسے قرآں پہ ہو سبز غلافِ مخمل
یوں خطِ سبز میں تیرے ہیں یہ پنہاں عارض
جوہرِ آئنہ ابر شفق آلود ہوا
سرخ تو اپنے دکھاتا ہے یہ جاناں عارض
جائے رشک اب گلِ مہتاب یہاں جھڑتے ہیں
ایسے رکھے ہے وہ رشکِ مہِ تاباں عارض

پشتِ لب ہے عرق آلود کہاں یہ تیرے
دیکھتے ہیں لبِ کوثر پہ چراغاں عارض

کوچۂ زلف سے دل کیوں نہ تماشا دیکھے
جس کے قطروں سے عرق کے ہو نمایاں عارض

پونچھ کر چہرہ آئینہ دکھاتے ہیں نصیر
وہ چھپاتا نہیں تجھ سے تہِ داماں عارض

———: o :———

ردیف ط

۱

چشم میں رکھنا تجھے ہے اے دلِ دلگیر شرط
پشتِ آئینہ پہ اب ہے کھینچنی تصویر شرط

داغِ دل سے کب جدا ہے تیرے ابرو کا خیال
جانِ من رکھنی سپر کے پاس ہے شمشیر شرط

دیکھیں اپنی آہ یا تیرِ نگہ کرتا ہے کام
آسماں پر چھوڑتے ہیں تجھ سے بد کر تیر شرط

چھوڑ کر جاتا کہاں ہے دشمنِ ہوش و خرد
دوستی کی یہ نہیں ہے اے بتِ بے پیر شرط

اس دلِ دیوانہ کی ہے آبرو آنکھوں کے ہاتھ
موجِ آبِ گریہ سے کرتا ہے اب زنجیر شرط

ہے غلامِ شاہِ مرداں تو سنا اب اے نصیر
صفحۂ دل پر ہے لکھنی آیۂ تطہیر شرط

۲

نکلا ہے میرے یار کے روئے حسیں پہ خط
اے آہ کھینچ دے مہِ ہالہ نشیں پہ خط

آزاد کس طرح سے ہو تو سروِ بوستاں
کھینچے ہے بے نوا تو سراسر جبیں پہ خط

مارِ سیہ سمجھ کے وہ بدمست ڈر گیا
شب نقشِ بوریا کا جو دیکھا جبیں پہ خط

ہو جدولِ کبود کی مصحف پہ جوں نمود
عکسِ مژہ کا یوں ہے رخِ مہ جبیں پہ خط

بل ہے نزاکت اس کی کہ پھولوں کے ہار کا
زنّار ہے گلوے بتِ نازنیں پہ خط

ابرِ سیاہ و برق کی دکھلائے ہے بہار
رنگِ مسی کا اُس کے لبِ آتشیں پہ خط

اُس سیم تن کو پیکِ صبا تیرے ہاتھ سے
بھیجیں گے لکھ کے برگِ گلِ یاسمیں پہ خط

ناداں نہیں ہوں میں جو کہوں کہکشاں کا ہے
یکسر یہ سینۂ شبِ ظلمت گزیں پہ خط

اس مرغِ دل کے واسطے حلقہ ہے دام کا
اے شوخ ہر شکن کا تری آستیں پہ خط

گھوڑے کا تیرے شاہ سوارِ سمندِ ناز
ظاہر ہے پشتِ توسنِ چرخ بریں پہ خط

رنگِ حنا کی رشکِ رگِ برگِ گل نصیر
ہر اک لکیر کا ہے کفِ نازنیں پہ خط

۳

کیوں نہ دھو ڈالے ہلالی لکھ کے دیواں بے نقط
ایک ہے یہ مطلعِ ابروے جاناں بے نقط

تیرے خط کے عکس نے اس صفحۂ آئینہ پر
شرحِ بیضاوی لکھی ہے ماہِ تاباں بے نقط

پیش مصرع اپنی آہِ سینہ نے موزوں کیا
دیکھ کر یہ مصرعِ سروِ گلستاں بے نقط

زلف کے حلقے میں اُس کے خال عارض ہے کہاں
ہے خطِ پرکار مصحف پر نمایاں بے نقط

قد مجھے اُس کا الف ہے صاد چشم و لام زلف
قاعدہ پڑھتا ہوں میں مانندِ طفلاں بے نقط

دستِ برگِ گل کے کیا دیکھے ہے تُو نقش و نگار
ہے خطِ تقدیر اے مرغِ خوش الحاں بے نقط

ہر زبانِ شانہ پر ہے قصۂ شب ہائے تار
بیت اک جس میں کہ ہے وہ زلفِ پیچاں بے نقط

جلوہ گر جوہر نہیں ، عاشق کو اُس قاتل نے آہ
نامہ لکھا ہے بروئے تیغِ برّاں بے نقط

پیشِ پا اُفتادہ ہیں اپنے یہ مضموں اے نصیر
کچھ غزل مشکل نہ تھی اے یار چنداں بے نقط

۴

عاشق کا دیکھ دل کہ نہ کی جاں کی احتیاط
ظالم کرے ہے کیوں پر و پیکاں کی احتیاط

بیٹھے ہیں اپنے قتل پر ہم باندھ کر کمر
کرتا ہے نکتہ چین وہ داماں کی احتیاط

کھو دی بہار حسن کی خط نے ہزار حیف
کیا ہو سکے خزاں سے گلستاں کی احتیاط

ناصح رفوگری ہے عبث اب کہ ہو چکی
دستِ جنوں سے آہ گریباں کی احتیاط

کب ہو سکے ہے اے مری ہستی کسی سے یاں
تجھ بن ہمارے اس دلِ ویراں کی احتیاط
جاتی رہے نہ آبرو ہم چشموں میں کبھی
کر اے نصیر دیدۂ گریاں کی احتیاط

۵

استخواں عشق میں کیا پھک گئے بس شمع نمط
بلکہ ہاتھوں کی جلیں انگلیاں دس شمع نمط
چور پر کچھ نہیں چلتا ہے جو بس شمع نمط
تا سحر شام سے روتا ہے عسس شمع نمط
یادِ قامت میں تری رات کٹی سولی پر
نہ لگی آنکھ مری ایک نفس شمع نمط
نالۂ گرم سے منقار تری موسیقار
کیوں نہ سوزاں ہو یہ فانوسِ قفس شمع نمط
محفلِ شعلہ رخاں میں نہ گزر شب کو ہوا
آہ نکلی نہ مرے دل کی ہوس شمع نمط
جب سے ہے دل میں مرے الفتِ زنّارِ بتاں
ہے گلوگیر مرا تارِ نفس شمع نمط
جانِ شیریں دوں نہ کیونکر صفتِ پروانہ
تیری ہے چرب زبانی میں بھی رس شمع نمط
آہ اے ہم نفساں ! تاجِ زرِ آلودہ کی
دل میں کیا خاک رکھے کوئی ہوس شمع نمط
شام سے تا سحر اس دور میں یہ ہے اندھیر
چور کے ہاتھ سے روتا ہے عسس شمع نمط

جوں پتنگ اڑ کے نہ کیوں ہو دلِ مجنوں قرباں
چمکے ہے محملِ لیلیٰ کا کلس شمع نمط

گر یہی تیری شرارت ہے تو اے آتشِ عشق
تا قدم سر سے میں جاؤں گا بھلس شمع نمط

تفتہ جانوں کی نہ تقلید کر اے نخلِ چنار
تو جلے گا نہ کبھو لاکھ برس شمع نمط

عشق میں رکھ کے قدم سر سے گزر جا اے دل
کمر اس راہ میں تو باندھ کے کس شمع نمط

قطع کرتا ہے رہِ ملکِ عدم کو، چیتو
غافلو عمر کا ہر آن فرس شمع نمط

حاجتِ روشنی کچھ صاحبِ محمل کو نہیں
شب کو ہے شعلۂ آوازِ جرس شمع نمط

سب پہ روشن ہے کہ اب سر سے اٹھا ہاتھ نصیر
عشق بازی میں کیا ہم نے بھی جس شمع نمط

———: ٥ :———

ردیف ظ

۱

لگا پنجوں کے بل چلنے وہ غارت گر ، خدا حافظ
ہوا برپا پھر ایک ہنگامۂ محشر ، خدا حافظ

قیامت ہے یہ اب ہالہ نشیں خورشید کا ہونا
نہیں بے وجہہ نکلا خط ترے رخ پر خدا حافظ

جگہ دے کر میں اپنے دل میں اس کو آہ ڈرتا ہوں
رہے ہے متصل شیشے کے اک پتھر خدا حافظ

دلا چینِ جبیں کیا اس کے ابرو پر نمایاں ہے
نکالے از سرِ نو تیغ نے جوہر خدا حافظ

ترے خالِ ذقن سے مہ جبیں ہے مجھ کو اندیشہ
کہ ڈوبا ہے کنویں میں ٹوٹ کر اختر خدا حافظ

نظر آتا نہیں اس زلف کے حلقے کا تھل بیڑا
بھنور میں کشتیٔ دل کھائے ہے چکتر خدا حافظ

حباب آسا یہ کاخِ آسماں اک دن میں بیٹھے گا
یہی رونے کی صورت ہے تو چشمِ تر خدا حافظ

کہی جاتی نہیں کچھ بات فوجِ غم کی اے ہمدم
پڑا ہے ملکِ دل میں آن کر لشکر خدا حافظ

قفس میں آڑ نہ اے بلبل ہوائے سیر گلشن میں
وبالِ جاں نظر آتے ہیں بال و پر خدا حافظ

خیال اُس کی مژہ کا کیا نصیر اس دل کو رہتا ہے
رگِ جاں میں لگا ہے بے طرح نشتر خدا حافظ

———: o :———

ردیف ع

۱

آہ کے ساتھ ہوئے اشک کے قطرات شروع
عین گرمی میں ہوا موسمِ برسات شروع

منہ سے گل کے لگے تب پھول نمط جھڑنے پھول
ترے ہونٹوں کی جو کی غنچہ دہن بات شروع

صبحِ پیری ہے نمودار ترے رخ پر شیخ
کر اب اے غافلِ فرصت تو مناجات شروع

گردشِ چشم جو دکھلائے تو اے خانہ خراب
ذکرِ ساغر نہ کریں اہلِ خرابات شروع

جی میں ہے کیجیے پانی سے حنا کو پتلا
ہاتھ سے کی جو لگاوٹ ترے ہیہات شروع

کیوں نہ غل ہو کہ تمھارے رخِ روشن کے گرد
دودِ خط سے یہ نہیں آمدِ ظلمات شروع

آج ہے چاند گہن آئنہ لے کر دیکھو
لبِ دریا پہ صنم کیجیے خیرات شروع

صفِ عشاق کو اک دم میں الٹ دے گی مژہ
گوشۂ چشم سے کیجے نہ اشارات شروع

سایۂ زلفِ بلا خیز سے کس وجہہ نصیر
سربسر دل پہ ہے ہنگامۂ آفات شروع

۲

اس قدر مت کھینچ اپنا تو سرِ پندار شمع
ہے وبالِ سر یہ تیرا طرۂ زرتار شمع

خاک اب پروانۂ جاں سوز رکھے تجھ سے چشم
تیری آنکھوں پر تو چربی چھا گئی اک بار شمع

خانۂ دل میں ہمارے جلوہ فرما ہو کبھو
آبلہ فانوس ہے اور آہِ آتش بار شمع

آبدار ایسی ہے کیا اشکِ مسلسل کی چمک
رات کو پہنے ہے دیکھو موتیوں کا ہار شمع

موجِ دودِ شعلہ ہے یا کاکلِ پیچاں کی لٹ
مو بہ مو رکھتی ہے جس سے گرمیٔ بازار شمع

درپۓ آزارِ عاشق ہے کہاں اے شمع دیکھ
ہے عصاے پیریِ پروانہ ، اے دلدار ، شمع

ہے چراغِ گور اس کا داغِ دل ہی اے نصیر
تربتِ عاشق پہ یعنی کچھ نہیں درکار شمع

۳

روشن دلاں نہ کیوں کریں توقیرِ پاے شمع
جب سرزمینِ عشق ہو جاگیرِ پاے شمع

پروانہ دستِ عشق سے خود پائمال ہے
ثابت ہو کس دلیل سے تقریرِ پاے شمع

رکھتا ہے بزم میں تری پروانگی سے پاؤں
واجب کب اس گنہ پہ ہے تعزیرِ پاے شمع

پروانہ جل کے کیونکہ نہ دے جاں کہ کم نہیں
کافور کے خواص سے تاثیرِ پاے شمع
کیا کیجے پاے بوسیِ دشمن کا اعتبار
دامن لگن کا صاف ہے زنجیرِ پاے شمع
جب تک کبھو قلم نہ ہو مژگاں پتنگ کے
کیا منہ ہے کھینچے گر کوئی تصویرِ پاے شمع
روشن ہے استقامتِ مردانِ راہِ عشق
استادگی ہے موجبِ تشہیرِ پاے شمع
گل گیر کا بُرا ہو کہ کترے ہے گُل نیا
سر کاٹ کر ہے درپۓ تدبیرِ پاے شمع
یکسر جلے ہے پردۂ فانوس میں کھڑی
اندھیر ہے جو کیجیے تحقیرِ پاے شمع
کاٹیں ہیں سر سے راہِ عدم مائلِ فنا
منزل دکھائی دے ہے ہمیں زیرِ پاے شمع
شعلہ زباں دراز ہے گو، لیکن اے نصیر
جو سر سے گزرے وہ کرے تقریرِ پاے شمع

۴

فانوس میں کہاں ہے دلا اشک بار شمع
پردے میں موتیوں کا پروتی ہے ہار شمع
عاشق کو داغِ دل ہی چراغِ مزار ہے
کیا چاہیے آسے سرِ لوحِ مزار شمع
تکتی ہے کیوں تو پردۂ فانوس سے کھڑی
کس رشکِ ماہ کا ہے تجھے انتظار شمع

لالے کی طرح سے مرے سینے میں داغ ہیں
اپنا دکھا نہ مجھ کو دلِ داغ دار شمع
دن رات کیوں نہ اس کی مجھے لو لگی رہے
میرا یہ دل پتنگ ہے اور روے یار شمع
زنّار کی اسے نہیں حاجت کچھ اے صنم
پنہاں رکھے ہے دل میں محبّت کا تار شمع
اڑنے لگیں گی منہ پہ ترے شب ہوائیاں
اس رشکِ ماہتاب سے مت ہو دوچار شمع
شب اپنی اضطرابیٔ شعلہ کو بھول جائے
دیکھے اگر نصیر دلِ بےقرار شمع

۵

قشقۂ شعلہ ہے کیا رونقِ پیشانیِ شمع
جس سے انگشت‌نما ہے رخِ نورانیِ شمع
ہوگئی گرمیِ بازارِ سخن‌سنجاں سرد
چرب ہے بزم میں کیا طرزِ زباں دانیِ شمع
رات پروانۂ جاں سوز کا قُل تھا شاید
نقلِ مجلس تھے جو اشکِ دُرِ غلطانیِ شمع
داغِ دل عشق نے بخشا مجھے جوں سوختہ نان
شب سرِ خوانِ لگن خوب کی مہمانیِ شمع
پردہ پوشی ہے یہاں موجبِ عصمت ورنہ
کچھ یہاں سے بھی (سوا ہے) تنِ عریانیِ شمع
سر و ساماں نہیں یہ بےسر و پا رکھتے ہیں
سب پہ روشن ہے یہاں بےسروسامانیِ شمع

گہ فنا ہوتی ہے یہ گاہ بقا ہوتی ہے
بن سکے شاہِ بتاں ! کون بھلا ثانیِ شمع

چور کا خیمۂ فانوس میں ہر شب ہے خوف
کیوں نہ پروانہ کرے آپ نگہبانیِ شمع

اے دلِ سوختہ اس جاں کی حقیقت مت پوچھ
ہے . . گر تپ ہر دم غمِ پنہانیِ شمع

قامت اک اس کا الف ، صورتِ لا ہے گل گیر
خوب اثبات نفی میں ہے سخن دانیِ شمع

گرم کیا پنجرے میں فانوس کے ہردم ہے نصیر
رات منقار سے شعلے کی غزل خوانیِ شمع

۶

کیوں بے نمک ہے گرمیِ محفل سے نورِ شمع
ہے دودمانِ عشق میں برپا تنورِ شمع

دل سوز اس کو کہتے ہیں پروانگی کہ رات
جلتے مں صبح تک بھی نہ دیکھا قصورِ شمع

گردن . . . تو معجزہ سے سر بریدہ ہو
سرمد سے عشق میں بھی نہیں کم غرورِ شمع

کیا احتیاج پور میں چھلنے کی اس کو ہے
شعلہ بنے ہے فندقِ انگشت پورِ شمع

جز مشتِ خاک دیکھی ہے کس نے کسی کی قبر
فانوس کی مژہ میں بتاؤ تو نورِ شمع

مسطر کشیدہ رشتۂ دل سے ہے جزوِ تن
مضمونِ شعلہ جمع ہے بین السطورِ شمع

سچ کہتے ہیں کہ آگ سے اس کا خمیر ہے
ہے داغ نانِ سوختہ ، ہے تن تنورِ شمع

پروا نہیں چراغ کی اے گلبدن ذرا
عاشق کے ہے مزار پہ ہر شب ظہورِ شمع

پکڑے ہے چور رات کو محفل میں ہے کھڑی
گل گیر پر بھی خوب ہے روشن شعورِ شمع

گو سر سفید رکھتی ہے پر گرم ہے نصیر
پروانہ جب تو خاک ہے جل کر حضورِ شمع

——:o:——

ردیف غ

۱

آہ و نالہ داغِ سینا ہیں دو شمع و یک چراغ
زور یہ رکھتے دفینا ہیں دو شمع و یک چراغ

شعلۂ حسن و نگاہِ مردمک رکھتا ہے یہ
رکھ کے چڑھ کوٹھے پہ زینا ہیں دو شمع و یک چراغ

چرخ پر تیرِ شہاب و کہکشان و مہ جبیں
شب بفرقِ طورِ سینا ہیں دو شمع و یک چراغ

قشقہ و بینی و روے یار سے کس وجہ ہو
دل کے پروانے کا جینا ہیں دو شمع و یک چراغ

سرو و شمشاد و گلِ تر کی عجائب سیر ہے
ساقیا لا جام و مینا ہیں دو شمع و یک چراغ

گوری ساقیں پاؤں کی دیکھ اور نافِ شعلہ خو
آ گیا مجھ کو پسینا ، ہیں دو شمع و یک چراغ

تیری سیمیں ساعدوں کے ساتھ شب چمکے نہ کیوں
تکمۂ زر کا نگینا ، ہیں دو شمع و یک چراغ

احتیاجِ روشنی ہم کو نہیں ہے بہرِ سیر
دیکھ ٹک با چشمِ بینا ، ہیں دو شمع یک چراغ

جام و مینا و صراحی ان کو کشتی باں نہ جان
چھوڑ دریا میں سفینا ، ہیں دو شمع و یک چراغ

اکبر و اصغر ، امامِ قاسمِ ابنِ حسن
دیں کے یہ اہلِ مدینا ہیں دو شمع و یک چراغ

روشنی فردوس میں ان عاشقوں کے دم سے ہے
خالقِ دانا و بینا ہیں دو شمع و یک چراغ

منہ ہے کیا ، تیری طرح سے گر کوئی باندھے نصیر
نکتہ چینِ شہرِ کینا ہیں دو شمع و یک چراغ

۲

ہے قمر گردوں پہ نیا شب آس کی قدرت کا چراغ
اے کلال ایسا کہاں ہے تیری صنعت کا چراغ

ہم فقیروں کا ہے دل تن میں ریاضت کا چراغ
خانۂ سلطاں نہیں ، ہو جس میں دولت کا چراغ

نورِ حق اپنا دکھائے جب کہ کثرت میں ظہور
پھر بھنور میں کیوں نہ ہو دریائے وحدت کا چراغ

کشتۂ برقِ تجلیِ نگاہِ یار ہوں
اشک شمعِ طور ہے یہ میری تربت کا چراغ

آفتابِ روزِ محشر سے کرے گا رو کشی
داغِ پیشانی ہے ہر اہلِ عبادت کا چراغ

شمع کی آنکھوں پہ چربی چھا گئی ہے اے پتنگ
ہو گیا ہے جب سے گُل شمعِ مروت کا چراغ

شب چراغ و شمع کی حاجت نہیں ساقی ہمیں
شمع یہ شیشہ ہے ، ساغر بزمِ عشرت کا چراغ

تابِ روئے آتشینِ یار ہے یوں زلف میں
جیسے شعلہ برق کا ہے ابرِ رحمت کا چراغ

چشمِ اربابِ نظر سے دیکھ تو اے رشکِ شمع
عکسِ رخ سے تیرے ہے آئینہ حیرت کا چراغ

کچھ چراغِ کعبہ سے مطلب نہیں ہے زاہدا
دل میں روشن ہے مرے داغِ محبّت کا چراغ

بحرِ ہستی میں نہ ابھرو جوں حباب اے غافلو
دم کا مہماں ہے حبابِ تنگ فرصت کا چراغ

یاد کر روتا ہوں تجھ کو جبکہ اے صبحِ وطن
دیکھ کر ہنستا ہے مجھ کو شامِ غربت کا چراغ

شب چراغِ مہ جبیں میں چمکے جگنو جائے شمع
تھا یہی یا رب رہا کیا میری قسمت کا چراغ

مہر و مہ سے ہے منوّر گرچہ یہ ارض و سما
پر نہیں دنیا میں کوئی اس شباہت کا چراغ

حشر تک روشن رہے گا دینِ ختم المرسلیں
حق نے تھا ایسا دیا مہرِ نبوّت کا چراغ

جو گلِ مضموں گلستانِ سخن میں ہیں ترے
حضرتِ مائل کی ہے وہ فیضِ صحبت کا چراغ

اور جو ہیں منحرف استاد سے اپنے نصیر
جوں چراغِ مردہ ہے ان کی حماقت کا چراغ

۳

ابرو ہے وہ اور حلقۂ کاکل سپر و تیغ
بخشی ہے اسے کیا بہ تجمّل سپر و تیغ

اے چرخ نہ پھر مثلِ فروشندہ کہ اس کو
بھائی نہ مہ و مہر کی بالکل سپر و تیغ

داغِ جگر لالہ ہے نے شاخِ خمیدہ
گل چیں کے لیے رکھے ہے یہ گل سپر و تیغ
کیونکر نہ سیاہی کا ہو دل ایک سے دو چند
نقطہ و الف شکل میں ہیں گل سپر و تیغ
رکھ گردۂ ناں دستِ سخاوت میں کہ دینا
کام آئے گا یہ اہلِ تناول ، سپر و تیغ
گرداب نہیں موج نہیں آبِ رواں میں
ڈوبا ہے کوئی چھوڑ تہِ ہل سپر و تیغ
کر یاد یہ تیری نگہ اور حلقۂ دام اب
ہے یاں بحقِ قمری و بلبل سپر و تیغ
رستم ہے نصیر آج تُو میدانِ سخن میں
پاس اُس کے ہے اے طالبِ آمل سپر و تیغ
لکھ صفحۂ کاغذ پہ وہ مصرع جو کرے طرح
جانے اُسے ہر جزو سے تا کل سپر و تیغ

۴

خاک سے آساں ہے کھونا جان آئینے کا داغ
دل سے جاتا ہے بڑی مشکل سے اس کینے کا داغ
فلسِ ماہی کب جدا ہوتا ہے بعدِ مرگ بھی
ساتھ ہے منعم کے زیرِ خاک گنجینے کا داغ
گر سرِ بالیں نہ آیا شمع رو ، پروا نہیں
ہے چراغِ گور اپنا آہ یہ سینے کا داغ
ساقیا ابر و ہوا کی مفت جاتی ہے بہار
دل میں رہ جائے گا اپنے بادہ کے پینے کا داغ

ننگ آتا ہے اُسے لینے سے یاں ہستی کا نام
جیتے جی اہلِ فنا کے جی میں ہے جینے کا داغ
دل کے جانے سے **نصیر** اب اور گل دیگر شگفت
اک تو تازہ جانِ من تھا یار دیرینے کا داغ

۵

رخ سے یوں روشن ہے اب حلقے میں بالے کے چراغ
ماہ کا جوں درمیاں روشن ہو ہالے کے چراغ
قبر پر عاشق کی اپنے تو نہ جا لے کے چراغ
داغِ دل ہی بس ہیں اب اُس مرنے والے کے چراغ
ساغرِ مے ہے کہاں ، کیا تاکتا ہے محتسب
میں چھپا لایا ہوں گھونگھٹ میں دوشالے کے چراغ
مٹ گیا تھا میرے دل سے داغِ عشق اے شمع رو
پھر جلا کر رکھ دیا شعلے نے نالے کے چراغ
کر دیا روشن مرے فیضِ برہنہ پائی نے
قطرۂ خوں سے ہر اک دیدہ میں چھالے کے چراغ
شانۂ رنگیں نہیں ریشِ سفیدِ شیخ میں
ہے کرامت بیچ میں جلتا ہے کالے کے چراغ
معنی و مضموں یہ کس کو سوجھتے ہیں اے **نصیر**
ہاتھ میں اپنے پھرے کوئی سدا لے کے چراغ

٦

آبلہ اور داغ ہیں سینے میں فانوس و چراغ
جلوہ گر ہیں دل کے آئینے میں فانوس و چراغ

صورتِ صہبا و ساغر مے کدے میں ساقیا
رات کو ہے تیرے مے پینے میں فانوس و چراغ
کاسۂ سر ہو نمازِ مکر کے کشتے سے شیخ
کس طرح سے مرنے اور جینے میں فانوس و چراغ
بحر میں دیکھو حباب و نقشہ و گرداب کو
خضر بھی رکھتا ہے گنجینے میں فانوس و چراغ
زیرِ ابرو ہے نصیر اُس کے یہ چشم و مردمک
بابِ مسجد کے ہیں یا زینے میں فانوس و چراغ

۷

گر شمع تجھ سے کرتی ہے ہنس ہنس سخن چراغ
بالا ہے تو ابھی، نہ لگانا لگن چراغ
آگے تمھاری زلف کے کیا دل کا بس چلے
کالے کے روبرو ہے جلانا کٹھن چراغ
فانوسِ تن میں اپنے نہیں ہے یہ داغِ دل
پہنے ہوئے ہے شمع صفت پیرہن چراغ
وہ کام کر کہ نام ہو روشن جہاں میں شیخ
تربت پہ تا چڑھائیں ترے مرد و زن چراغ
حاصل نمازِ مکر کے داغِ جبیں سے کیا
ہوگا نہ بعد مرگ یہ زیرِ کفن چراغ
بادل اگرچہ مر گیا، اندھیر کیا ہوا
روشن رکھے ہے اُس کے عوض انجمن چراغ
آئے گا تو جو اس کے دہن سے جھڑے ہیں پھول
دیتا ہے مجھ کو خوش خبر، اے گلبدن، چراغ

لو لگ رہی ہے شیریں سے اُس کی تو اب تلک
گل کیوں ترے مزار کا ہو کوہ کن چراغ
مہتاب کے جو منہ پہ اڑیں ہیں ہوائیاں
دل کا ترے نصیر ہے کیا شعلہ زن چراغ

۸

بلبل سے کیوں نہ ہو گل و گلزار کا دماغ
مفلس کے ساتھ ہووے ہے زردار کا دماغ
کیونکر ملے نہ روغنِ بادام روز و شب
ہے خشک تیری چشم کے بیمار کا دماغ
دمساز نالہ ہم کو نہ تو چھیڑ ہو کے نے
کس کو رہا ہے گریۂ بسیار کا دماغ
تیری شمیمِ کاکلِ عنبر فشاں ہے یہ
برہم ہے بوئے مشک سے عطّار کا دماغ
فانوسِ تن میں داغِ محبّت سے شعلہ رو
جلتا ہے مثلِ شمع دلِ زار کا دماغ
ریزش کا یہ خلل ہے کہ دیکھا کبھی نہ بند
جاری رہے ہے ابرِ گہر بار کا دماغ
کھینچے ہے درد آپ کو کیا سرکشی سے یہ
پاتا نہیں ہے چرخِ ستم گار کا دماغ
مغزِ فلوس کھائیے ہو سیر شیخ جی
خالی رہے ہے ان دنوں سرکار کا دماغ
سنتا ہے دل لگا کے وہ کب میری سرگزشت
اتنا ہے اے نصیر کہاں یار کا دماغ

۹

کیا شبِ مہتاب ہے پی چند اے مہوش ایاغ
ہے گریباں گیر شیشہ اور دامن کش ایاغ
صبح نکلا چرخ پر چھوڑے کرن کیا آفتاب
کہتے ہیں مخمور ہے باندھے ہوئے ترکش ایاغ
رات ساقی کا ہوا پیالہ جو مے خانے میں آج
سنگ پر شیشے نے سر پٹکا، گرا کھا غش ایاغ
لے گیا حسرت جہاں سے جام کی جمشید بھی
سو رہا تنہا نہ پی کر عمر کا مے کش ایاغ
شیخ تو رندِ خراباتی ہے، مت کر تین پانچ
خوب سا کچلے گا، بیٹھا ہے چڑھا نر شش ایاغ
پیتے ہی اک جرعۂ مے ہو گیا سینہ کباب
ساقیا دیتی ہے یہ بادہ پُر از آتش ایاغ
کیفیت کیا خاک ہووے دور میں اپنے نصیر
اُڑ گئے اس مے کدے سے لے کے ساغرکش ایاغ

۱۰

یک دست ہے گلہائے جراحت سے یہ تنِ باغ
لے کر تری دولت چلے ہم زیرِ کفن باغ
نرگس نہیں یہ دیدۂ حیرت سے سراپا
اے فتنۂ دوراں تری دیکھے ہے پھبن باغ
صیّاد سے بلبل چمنستاں میں یہ بولا
ٹک رکھ دے قفس کو کہ ہمارا ہے وطن باغ

شب عقدِ ثریّا نہیں، ہے خوشۂ انگور
مستوں کی نظر میں ہے یہ گردونِ کہن باغ
اے پستہ دہن پوچھ نہ کچھ وجہہ تو اس کی
چہرہ ہے یہ تیرا سببِ سیبِ ذقن باغ
پھولا گلِ آتش سے رہے ہے شجرِ شمع
پروانۂ جاں سوز کو ہے چشمِ لگن باغ
میرے دلِ پُر داغ سے حیراں ہے تری چشم
دم پھول گیا دیکھ کے آہوے ختن باغ
کیا رخ کی ترے ہووے خط و خال سے رونق
ویران رہے ہے سببِ زاغ و زغن باغ
دنداں ہیں گلِ نیلوفر اب کیا یہ مسی زیب
کچھ وقتِ تبسّم ہی نہ تیرا ہے دہن باغ
آنکھیں بھی تو نرگس ہیں تری زلف ہے سنبل
بوٹا سا ہے اس قد پہ تو اے رشکِ چمن باغ
کیا دل میں **نصیر** اب ہوسِ سیرِ چمن ہو
ہے معنیٔ رنگین سے اپنا یہ سخن باغ

۱۱

کیوں بے صدا پڑے ہیں ترے کشتگانِ تیغ
کیا سنگ سرمہ تھا کہیں سنگِ فسانِ تیغ
دم توڑتے ہیں وہ جو ترے کشتگانِ تیغ
شربت کی جا ٹک اور دے آبِ زبانِ تیغ
قاتل نہ پوچھ ہم سے تو کچھ اب بیانِ تیغ
لب پر ہر ایک زخم کے ہے داستانِ تیغ

ٹک استخوانِ تن سے بچا کر لگائیو
تا کام ہو مرا، نہ ہو تیرا زیانِ تیغ
مجھ کو تو بیمِ قتل نہیں، آہ پر ترا
نازک ہے ہاتھ اور یہ بارِ گرانِ تیغ
گر مجھ پہ تو نے اب نہ لگائی تو کیا ہوا
سو بار کر چکا ہے میاں امتحانِ تیغ
خونِ شفق میں غرق ہو خجلت سے ماہِ نو
دیکھے اگر ترا یہ لبِ خوں چکانِ تیغ
اندھیر ہے جو ہم کہیں شب کو ہے یہ ہلال
گردوں کے بھی ہے سر پہ یہ تیرا نشانِ تیغ
دیکھا ہے تیرے ابروئے خم کو جو یہ سدا
ہر موج سے نکالے ہے دریا زبانِ تیغ
دے میرے ہاتھ میں سپرِ جام ساقیا
ہر شاخِ گل لگے ہے چمن میں بسانِ تیغ

۱۲

جو داغِ دل کا ہے یا رب ہمارے تن میں چراغ
یہ بعدِ مرگ بھی جلتا رہے کفن میں چراغ
تو شب کو کر کے ذرا مے کشی تماشا دیکھ
جلے ہیں بوقلموں تیرے نو رتن میں چراغ
بتا تو وجہہ ذرا اپنے خالِ عارض کی
یہ من ہے سانپ کی یا زلفِ پُر شکن میں چراغ
کبھی ہے ناف کے حلقے کو شمع رو کیا دیکھ
یہ تابِ رخ سے ہمارے ہے پیرہن میں چراغ

کہاں ہیں پھول دلا دن کو دیکھ ٹیسو کے
کہ روشن اپنی نظر میں لگے ہیں بن میں چراغ
خدا کے واسطے اٹھ کر نہ کر تو یہ اندھیر
کہ تیرے اٹھتے ہی کل ہوگا انجمن میں چراغ
خدا ہمیشہ سلامت رکھے نصیر تجھے
جلے ہے دم سے ترے کشورِ سخن میں چراغ

——— :o: ———

ردیف ف

۱

کس لیے ابرو کی ہردم کرتے ہو تلوار صاف
تیرِ مژگاں ہوگیا دل کے ہمارے پار صاف

لائیں گے اک دن خرابی ہم نشیں آثارِ عشق
ہم سے کب ہیں چشم ہائے رخنۂ دیوار صاف

گو بڑا نالے میں تیرے ہے اثر اے عندلیب
پر رگِ گل میں نہ ڈوبا نشترِ منقار صاف

عکسِ رو سے بھی ترے بھرتا نہیں ہے اُس کا پیٹ
آئنے کو اس قدر ہے اشتہا اے یار صاف

اس روش سے چل نہ تو صحنِ چمن میں گلبدن
کبک کو کردے گی دم میں یہ تری رفتار صاف

اک سرِ مو بات جس کے پیچ کی کھلتی نہیں
کیا قیامت ہے یہ تیری بندشِ دستار صاف

موج سے رہتا ہے دریا دمبدم چیں بر جبیں
آسنائی میں نہ دیکھا اُس کو بھی اک بار صاف

تارِ بارش ہے کہاں سر پر مرے ساقی بغیر
تیر برساتا ہے تو اے ابرِ دریا بار صاف

ایک عالم ہاتھ سے اس کے ہے گردش میں نصیر
سرکشی کرتا ہے سب سے چرخِ کج رفتار صاف

۲

کیا خوب آپ ہم سے ہوئے ہو دوچار صاف
تیرِ مژہ بھی ہوگیا اس دل کے پار صاف

تم کرتے کس لیے نہیں دل کا غبار صاف
اپنا تو دل یہ تم سے ہے آئینہ وار صاف

لالے کی طرح داغ نہ کیوں تن پہ کھاؤں میں
دیں گالیاں جو غیروں میں تم نے ہزار صاف

کیا شمع کو ہے رشتۂ الفت پتنگ سے
پنہاں رکھے ہے دل میں محبّت کا خار صاف

یہ آرزو ہے مجھ کو کہ شمشیر کے کبھو
دو تین ہاتھ تو بھی تو کر آ کے یار صاف

یاد آیا وہ جو قامتِ موزوں تو سینے سے
اک آہ سی نکل گئی سینے کے پار صاف

جاروب کش ہے کون کہ مجنوں کا دشت میں
رکھے نہ رکھے ایک بگولا مزار صاف

پڑھ کر نصیر سورۂ جن اس پری کو آج
رکھ بس میں اپنے شیشۂ دل میں اتار صاف

۳

دل قصد کر نہ کاکلِ دلدار کی طرف
جا سبزوار خط سے نہ تاتار کی طرف

ٹھہرے نہ کیوں تہِ مژہ اشکوں کا قافلہ
آسودگی ہے سایۂ اشجار کی طرف

باغِ جہاں میں اہلِ ہنر ہیں ستم کش آہ
چلتے ہیں سنگ نخلِ ثمردار کی طرف

بے نور آئنے کو کرے ہے ضیائے مہر
کیا تاب دل جو دیکھے رخِ یار کی طرف

دل ہے مریضِ عشق لبِ یار کر علاج
لطفِ مسیح چاہیے بیمار کی طرف

وہ ابروے خمیدہ ہے اے دل مہِ صیام
لازم ہے دیکھنا تجھے تلوار کی طرف

اے قطرہ ہائے خون سرِ کوہکن کو رنگ
لالہ کھلا ہے دامنِ کہسار کی طرف

بہتر ہے سالک کی شبِ تاریکِ زلف سے
اے دل اُدھر سے آ رہِ ہموار کی طرف

دشنامِ سخت داد و ستد میں نہ چاہیے
گھورے ہے کیوں اِس اپنے گرفتار کی طرف

باور نہیں تو دیکھ سیاہہ میں زلف کے
فاضل ہیں بوسہ لعلِ شکر بار کی طرف

کیوں منع مے کے پینے سے کرتا ہے واعظا
چیں بر جبیں ہے کس لیے مےخوار کی طرف

تعمیرِ مے کدے تہِ دیوارِ کعبہ ہے
ٹک دیکھ چشم و ابروے دلدار کی طرف

اسلام و کفر میں ہے محبّت ازل سے شیخ
تسبیح کے خیال تو کر تار کی طرف

رکھتی خبر ضرر ہے شرکِ خفی کی بھی
کیجو نگاہ .... کی طرف

ناتمام

۴

کیا ہو بلبل سے تری موے میاں کی تعریف
رگِ گل سے ہے زیادہ رگِ جاں کی تعریف

دل نہ چھوڑ ابرو و مژگانِ بتاں کی تعریف
مرد ہی کرتے ہیں شمشیر و سناں کی تعریف

جانِ من میں نے ابھی اس کی کہاں کی تعریف
تو مکیں ہو تو کروں دل کے مکاں کی تعریف

سینہ داغوں سے مرا تختۂ لالہ ہے دیکھ
گل فروشوں کی نہ کر یار دکاں کی تعریف

قابلِ دید ہے آج اس کی سواری لیلی
کیا کروں لشکرِ طفلان و نشاں کی تعریف

قطعہ

زاہدا میری تو اس طرح کٹے ہے دن رات
کسے فرصت جو کرے باغِ جناں کی تعریف

صفتِ عید شبِ وصل کو کرتا ہوں بیاں
روزِ ہجراں ہے زباں پر رمضاں کی تعریف

بیعتِ دستِ سبو سے نہیں کچھ کام مجھے
جو ہو مے کش وہ کرے پیرِ مغاں کی تعریف

رشکِ صد لعلِ یمن لب کو بنایا اس کے
مجھ سے پوچھے کوئی اب سرخیٔ پاں کی تعریف

ابروئے یار کے آگے ہے فلک کیا یہ ہلال
تیغ کے ہوتے کروں گا نہ کماں کی تعریف

نقطۂ لایتجزّی ہے وہ اے مردمِ چشم
ہو سکے تجھ سے کب اُس خالِ دہاں کی تعریف

نو گرفتار ہوں، پوچھو نہ اسیرانِ کہن
حلقۂ دام کی، چشمِ نگراں کی تعریف

تیغ آغشتہ بہ خوں بن گئی رنگِ پاں سے
برگِ گل کیوں نہ کرے تیری زباں کی تعریف

ہے کسے ہم نفساں یاد جوانی کی بہار
اب تو پیری ہے، کروں گا میں خزاں کی تعریف

موجِ دریا کی زباں لاؤں کہاں سے جو کروں
میں ترے پیرہنِ آبِ رواں کی تعریف

جامِ جمشید مرا دل ہے، کروں کیا ساقی
تری مینائے مئے پنبہ دہاں کی تعریف

چینِ پیشانیٔ دلدار کا لکھ وصف دلا
قلم انداز کر اب کاہکشاں کی تعریف

خطِ گلزار سے دن رات چمن میں نرگس
لکھتی ہے لے کے قلم چشمِ بتاں کی تعریف

نالہ ہائے جرسِ ناقہ سنے کیا لیلیٰ
اپنے مجنوں کی وہ کرتی ہے فغاں کی تعریف

میری قاصر ہے زباں مجھ سے نہیں ہو سکتی
قیس کے نالہ و بر اشکِ رواں کی تعریف

سالک ِ راہ ِ شریعت ہوں ، کروں گا میں نصیر
دل سے نقش ِ قدم ِ میر ِ جہاں کی تعریف

۵

اس قدر مائل ہے دل چشم ِ پری رو کی طرف
دیکھ کر جوں طفل رم جاتا ہے آہو کی طرف

زاہدا محراب ِ مسجد میں تو جا کر پڑھ نماز
سجدہ ہم کرتے ہیں اس کے طاق ِ ابرو کی طرف

اے صبا برباد مت کر میری مشت ِ خاک کو
چشم ِ بد میں ڈال دے یا لے کے اس کو کی طرف

گھر سے کب اٹھتے ہیں اپنے وہ کبھی مثل ِ نگیں
پشت دے بیٹھے ہیں جو اس خلق کے رو کی طرف

بولتا کوئی نہیں جانب سے اپنے یا نصیب
نیک و بد جتنے ہیں سب ہوتے ہیں بدخو کی طرف

بیٹھتا ہے جب بغل میں جا وہ غیروں کے نصیر
درد اٹھتا ہے نہایت اپنے پہلو کی طرف

٦

واں کمر باندھے ہیں مژگاں قتل پر دونوں طرف
یاں صف ِ عشاق ہیں زیر و زبر دونوں طرف

زلف کا سر بستہ کوچہ ، مانگ کا رستہ ہے تنگ
دل تری شامت ہے مت جا بے خطر دونوں طرف

دیر و کعبہ میں تفاوت خلق کے نزدیک ہے
شاہد ِ معنی کا ہر صورت ہے گھر دونوں طرف

ہے وہ دریا میں نہاتا ، میں ہوں غرقِ آبِ شرم
کچھ عجب اک ماجرا ہے طرفہ تر دونوں طرف

عشق وہ ہے جس کے ہاتھوں قمری و بلبل کے آہ
زیرِ سرو و گل پڑے ہیں بال و پر دونوں طرف

چشم میں کیا نور ہے دل میں بھی اُس کا ہے ظہور
ظاہر و باطن وہی ہے جلوہ گر دونوں طرف

آمد و شد میں ہے دیکھی سیرِ ہستی و عدم
ہم تو اس مہماں سرا میں ہے سفر دونوں طرف

شمع کچھ جلتی نہیں ، پروانہ بھی دیتا ہے جی
سوزشِ اُلفت سے ہے جی کا ضرر دونوں طرف

پنجۂ مژگاں پہ رکھوں کیوں نہ میں دل اور جگر
نذر کو لایا ہوں تیری کر نظر دونوں طرف

دل میں کر آتا ہے تو آ جانِ من آنکھوں کی راہ
اس مکانِ دلکشا کے ہیں یہ در دونوں طرف

کچھ حباب و بحر میں مت فرق سمجھو اے نصیر
دیکھو ٹک چشمِ حقیقت کھول کر دونوں طرف

ے

جو عینِ وصل میں آرام سے نہیں واقف
وہ مطلبِ دلِ خود کام سے نہیں واقف

ہنسا چمن میں جو دل دیکھ صورتِ صیّاد
یہ مرغ دانے سے اور دام سے نہیں واقف

تمام شہر میں جس کے لیے ہوئے بدنام
وہ اب تلک بھی مرے نام سے نہیں واقف

ہر ایک عشق کے کسب قاعدے سے محرم ہے
ہنوز شیخ الف لام سے نہیں واقف
ہزار حیف یہاں چھت سے لگ گئیں آنکھیں
وہاں وہ شوخ لب بام سے نہیں واقف
دلا عبث طلب بوسہ ہے تجھے اُس سے
وہ لعل لب کہ لب جام سے نہیں واقف
سجی ہے لیک آسے زر کلاہ گزری کی
فقیر اطلس و پیلام سے نہیں واقف
تپش سے دل کی خبر ہووے ہے یہاں معلوم
میں طرز نامہ و پیغام سے نہیں واقف
نہ خوش وصال میں ہو، رکھ تو یاد ہجر نصیر
مگر تو گردش ایّام سے نہیں واقف

۸

نہیں بے وجہہ اُس عارض پہ سحر حلقۂ زلف
عینک دیدۂ خورشید ہے ہر حلقۂ زلف
مرغ دل آنکھ بچا کس طرح پرواز کرے
دیدۂ دام ہے اب پیش نظر حلقۂ زلف
سرو شرمندہ ہے آگے قد موزوں کے ترے
طوق قمری ہے بآئین دگر حلقۂ زلف
شانہ ساں اے دل صد چاک نہ جانا زنہار
دیکھنا جانے خطر ہے، نہیں گھر حلقۂ زلف
کوچۂ حسن میں زنگی بچہ ہے خال سیاہ
تیغ ابرو کی ہے پہلو میں سپر حلقۂ زلف

مصحفِ رو کی تری گرد ہے خط کی تحریر
خطِ پرکار کی مانند ہے پر حلقۂ زلف

دل کے یوسف نمط اُس چاہِ زنخداں میں غرق
نکلے کیونکر ، نہ ہو دولاب اگر حلقۂ زلف

سیرِ گرداب وہ کرتا ہے جو آئینے میں
عکس انداز ہوا ہے یہ مگر حلقۂ زلف

چشم جوں نرگسِ شہلا ہے جو حیران نصیر
گلِ خورشید ہے یا رشکِ قمر حلقۂ زلف

۹

جہاں سے گو بتِ مغرور اُٹھ گیا انصاف
خدا کے روبرو ہوگا مرا ترا انصاف

مری طرف سے کدورت نہ دل میں رکھ اے شیخ
مثالِ آئینہ ہوں صاف ، دیکھ نا انصاف

پیا ہے خونِ دلِ عاشقاں بہت تو نے
جو ہاتھ چڑھ گئی ، دیکھے گی اے حنا انصاف

فلک پہ کیونکہ نہ خورشید سر برہنہ ہو
کہ ہوگا حشر کو اس دادخواہ کا انصاف

لہو میں دامنِ گل تر ہے کیوں ، ہزار افسوس
کسی نے آ کے نہ پوچھا ، یہ اڑ گیا انصاف

کٹے ہے تاجِ زر آلودہ کے لیے سرِ شمع
کہا پتنگ نے جل کر کہ اڑ گیا انصاف

گرہ میں باندھ لیا دل کو زلفِ سرکش نے
کہ ملکِ حسن میں اندھیر ہو گیا انصاف

چمن میں کون ہواخواہ عندلیب ہے آہ
جو اُس کے خون کا تجھ بن کرے صبا انصاف

نصیر نے کشش دل سے کیا اُسے کھینچا
خدا کے واسطے ٹک کیجو کہربا انصاف

——: o :——

ردیف ق

۱

ہے تجھے یاقوتِ لب کو اپنے دکھلانے کا شوق
رشک سے مرجاں رکھے ہے دل میں مر جانے کا شوق

آتشِ اُلفت میں ہے جلنے کا پروانے کو شوق
سر کو پائے شمع پر رکھ کے ہے مر جانے کا شوق

درپۓ دیوانگی ہے ناصحا فصلِ بہار
شوخ رنگِ گل سے ہے زنجیر بنوانے کا شوق

گل، بدن پر کیوں نہ کھائیں گلبدن کے عشق میں
شکلِ طاؤسِ چمن ہے ہم کو گل کھانے کا شوق

آب و دانہ کا ہر اک پابند ہے یاں جوں گہر
دل سے جاتا ہے کوئی یہ آب اور دانے کا شوق

کیوں نہ رکھے دانۂ انگور کی تسبیح شیخ
لے گیا دامن کشاں مسجد سے میخانے کا شوق

زلف کے حلقے سے نکلے کیونکہ دل چاہے ہے کب
خانۂ زنجیر چھٹ رہنے کو دیوانے کا شوق

خاک ہے اس دور میں کیفیّتِ ساغر کشی
تجھ بن اے پیماں شکن ہے کس کو پیمانے کا شوق

اس زمیں میں لکھ غزل اک اور اب تو اے نصیر
گر تجھے ہے اپنا زورِ طبع دکھلانے کا شوق

۲

باغ میں تجھ بن کسے ہے آب اور دانے کا شوق
گل کو ہیرے کی کنی شبنم سے ہے کھانے کا شوق

چاک پر گرداب کے پھرتا نہیں ہے یہ جناب
ساقیا دریا کو بھی ہے جام بنوانے کا شوق

حلقۂ چشمِ غزالاں خانۂ زنجیر ہے
کھینچ کر لے جائے صحرا کو نہ دیوانے کا شوق

درپۓ تکلیف کیوں ہے خواہشِ دل آ کہیں
کھینچ کر دستِ طمع ہے پاؤں پھیلانے کا شوق

عکسِ مژگاں میں نہیں پنہاں تنِ لاغر مرا
سردمہری سے ترے ہے مجھ کو خس جانے کا شوق

سنگِ مرمر سے بنے گا اس کا تعویذِ مزار
سنگدل کے عشق میں جس کو ہے مر جانے کا شوق

پھینک دے گی زلف واں چاہِ ذقن پر مار کر
حسن کے کوچے میں دل رکھتا تو ہے جانے کا شوق

ہے ہوا دل سے ہوائے باغِ فردوس اے نصیر
کوچۂ دلدار میں رکھتے ہیں ہم جانے کا شوق

۳

ناتواں مجنوں ہے، لیلیٰ پہنے کیا آہن کے طوق
حلقۂ رگ ہائے گردن اس کے ہیں گردن کے طوق

غیر جب پہنائے ہنسلی تجھ کو اے طفلِ حسیں
کیوں نہ پھر گھونٹے گلا میرا گریباں بن کے طوق

منہ کے حلقے کو دکھا دے مجھ سے گر ہے دوستی
ڈھونڈتا ہوں واسطے اپنے دلِ دشمن کے طوق

مت پہن منّت کا طوقِ نقرئی اے رشکِ ماہ
ہالۂ خورشید ہے لائق تری گردن کے طوق

خاک سر اپنا اُٹھائے عاشقِ لاغر ترا
پیچ پگڑی کے گلے میں اُس کے ہیں سوہن کے طوق

سرو موجِ آب جُو سے پائے در زنجیر ہے
کس روش پہنے نہ قمری درمیاں گلشن کے طوق

اُس کے پاؤں کے کڑے یا رب کہیں لگ جائیں ہاتھ
ہوں گلے کے تا دہ اس شیدائے عریاں تن کے طوق

گردنوں میں خار ہائے دشتِ وحشت خیز کے
تار سارے پڑ گئے بن کر مرے دامن کے طوق

کان کے بالے میں اُس کے ہے سرِ زلف آج دیکھ
کیا تماشا ہے دلا، گردن میں ہے ناگن کے طوق

تو نے باندھا ذبح کر جو صید، وہ اے شہسوار
حلقۂ فتراک کو سمجھا لہو میں سن کے طوق

زور یہ طوقِ مضامیں تو نے باندھے ہیں نصیر
فہم میں آتے کہاں ہیں یہ کسی کودن کے طوق

۴

دیکھا جو سیم تن تری تصویر کا ورق
سمجھا دل اُس کو نسخۂ اکسیر کا ورق

مضمونِ سرد مہریِ جاناں رقم کروں
گر ہاتھ آئے کاغذِ کشمیر کا ورق

کیوں سطرِ کہکشاں سے مزیّن نہ ہو فلک
ہے یہ کتابِ کاتبِ تقدیر کا ورق

دیکھے وہ لب کو جس نے نہ دیکھا ہو اے صبا
برگِ گلِ رخِ بتِ بے پیر کا ورق

تعریف تیرے روئے مخطّط کی کس سے ہو
ہے مصحفِ مجید کی تفسیر کا ورق

لیلیٰ نے خط کو کھول کے قاصد سے جب کہا
ہے یہ کسی کے عاشقِ دلگیر کا ورق

تب اُس نے عرض کی کہ اسے دیکھیے، یہ ہے
احوالِ قیسِ پائے بہ زنجیر کا ورق

تو وہ ہے آج دیکھے جو مانی یہ رخ ترا
دھو لائے آبِ شرم سے تصویر کا ورق

خط پر نظر پڑے تو زستّرد رقم کرے
سو ٹکڑے اپنے ہاتھ کی تحریر کا ورق

بازی قمارِ عشق میں سر تک لڑاؤں گا
آنے دو میرے ہاتھ ذرا میر کا ورق

تم گنجفہ کے کھیل میں خنجر بکف نہ ہو
رکھتا ہے یہ غلام بھی شمشیر کا ورق

لیلیٰ نے جب مرقّعِ عالم کی سیر کی
دیکھا ہے ایک عاشقِ دلگیر کا ورق

پہچان کر لگا لیا چھاتی سے آہ پھر
مجنونِ پائے بستۂ زنجیر کا ورق

سودا نے دیکھ کر ترے دیوان کو نصیر
پھاڑا بیاضِ منتخبِ میر کا ورق

۵

زلف و رخِ دلدار میں دن رات کا ہے فرق
اس بات کے اظہار میں دن رات کا ہے فرق

پہنچے بتِ کشمیر کو معشوقِ حبش کیا
ان دونوں طرح داروں میں دن رات کا ہے فرق

وہ بادلہ پوش اور مرے دوش پہ کمبل
ہاں مفلس و زردار میں دن رات کا ہے فرق

میں کیا کہوں، ظاہر ہے زمانے کی دورنگی
اس ابلقِ رہوار میں دن رات کا ہے فرق

کو جلوۂ اسلام ، دجا تیرگیِ نفس
چشمِ اولی الابصار میں دن رات کا ہے فرق

تسبیحِ سلیمانیِ زاہد بھی ہے کیا چیز
اس دانہ و زنّار میں دن رات کا ہے فرق

دنداں کو نہ آلودہ کرو رنگِ مسی سے
نیلم دُرِ شہوار میں دن رات کا ہے فرق

نرگس تری کیا چشم کے بیمار کو پہنچے
اُس میں ، ترے بیمار میں دن رات کا ہے فرق

ناصح کی بھی کیا گر بڑی ڈاڑھی ہے تماشا
ہر موئے نمودار میں دن رات کا ہے فرق

کوئل کی میں کُو کُو کہوں کیونکہ نہ پھبتی
جس کے کہ ہر اک تار میں دن رات کا ہے فرق

دیکھے ہے نصیر اُس کی عبث راہ شب و روز
قولِ بتِ عیّار میں دن رات کا ہے فرق

۶

ہے تیری تابِ رخ کی وہ زلفِ دوتا میں برق
خجلت سے جس کے آگے نہ چمکی گھٹا میں برق
جھمکا ترا وہ رشکِ ثریّا ہے ، جس کی تاب
دیکھی تو کھا کے غش گری تحت الثریٰ میں برق
جشمِ پُر آبِ جام پہ ہنستی ہے دم بدم
کچھ آ گئی ہے ان دنوں ساقی ہوا میں برق
دیکھے دمِ تبسم اگر اُس کے لب کو خضر
تو یہ کہے ، ہے چشمۂ آبِ بقا میں برق
آتے ہی خط کے اور دھواں دھار بن گیا
تھا حسنِ عارضی جو ترا ابتدا میں برق
مُوباف تاش کا تری چوٹی میں یہ نہیں
حیراں ہوں چمکے ہے دہنِ اژدہا میں برق
دھڑکے کڑک سے اُس کی نہ کیونکر دل اے نصیر
چمکے ہے جس کے عشوہ و ناز و ادا میں برق

۷

کہوں گر اُس کو میں یوسف تو ہے نگاہ میں فرق
کہ رات دن کا عزیزو ہے مہر و ماہ میں فرق
نہ کیوں ہو خط سے رخِ یارِ کج کلاہ میں فرق
گہن لگے ہے تو ہوتا ہے نورِ ماہ میں فرق

جدا نہیں حرم و دیر ، ہے نگاہ میں فرق
نصیرؔ ایک ہے منزل ، ولے ہے راہ میں فرق

ذقن کو لب سے نہ نسبت دے اے مسیح نفس
بڑا ہے چشمۂ آبِ حیات و چاہ میں فرق

خیالِ زلف تصوّر میں مانگ کے مت کر
دلا ہے کوچۂ ظلمات و شاہراہ میں فرق

یہ لشکرِ شہِ دل ہے فلک ، نہ دے نسبت
غنیم اشک و کواکب کی ہے سپاہ میں فرق

یہ تابِ رخ نہیں رہنے کی عہدِ پیری میں
عبث ہے ہم سے ملاقاتِ گاہ گاہ میں فرق

غرورِ حسن نہ کر ، چاندنی ہے دو دن کی
کہ چند روز کو ہوتا ہے نورِ ماہ میں فرق

عصائے حضرتِ موسیٰؑ نہوں کہ سانپ اس کو
نہیں کچھ ایسا ترے کاکلِ سیاہ میں فرق

فلک سے کیوں نہ کرے ہمسری وہ طلعتِ ماہ
نہیں ہلال سے کچھ گوشۂ کلاہ میں فرق

موافقت کا سبب پوچھتے ہو کیا یارو
مری وفا میں نہ شک ہے ، نہ اس کی چاہ میں فرق

گدا و شاہ اگرچہ بنام ایک ہیں ، پر
یہاں ازل سے ہے دونوں کی عزّ و جاہ میں فرق

کہ یہ ہے طالبِ مولیٰ ، وہ طالبِ دنیا
نصیرؔ کیوں نہ ہو درویش و بادشاہ میں فرق

۸

جلوۂ شمشیر بردم ہم کو دکھلاتی ہے برق
بن ترے آنکھوں میں ساقی یوں چمک جاتی ہے برق

پردۂ ابرِ سیہ میں یوں چمک جاتی ہے برق
شعلہ رو تیرا تبسّم یاد دلواتی ہے برق

کیا کہیں یارو فراقِ یارِ آتش خو میں آہ
آپ بھی تڑپے ہے اور ہم کو بھی تڑپاتی ہے برق

اُس کی چوٹی میں کناری کا نہیں موباف ہے
مے کشو کالی گھٹا میں یہ نظر آتی ہے برق

دیکھ لے ہے مست ہاتھی ساقیا ابرِ سیاہ
پا میں زنجیرِ طلائی ڈال کر لاتی ہے برق

خندۂ دنداں نما سے تیرے کیا جھڑتے ہیں گل
آگ کی چنگاریاں اے شوخ برساتی ہے برق

دیکھ، مت اودے دوپٹے کو لگا گوٹے کی گوٹ
چرخ سو سو بار ہاں سر پر ترے کھاتی ہے برق

موجِ دریا کالہے ہے دیکھ اُس کے محرم کی بنت
روکشی کرتی ہے تو اب یہ تری چھاتی ہے برق

چرخ کے ہاتھوں سے اُٹھ سکتے نہیں اہلِ غرور
عاقبت گر کر زمیں میں آہ گڑ جاتی ہے برق

ہے مرا خورشید رو آتش کا پرکالا نصیر
گرمیٔ بازار جس کی دیکھ شرماتی ہے برق

۹

دید کر اے قیس تو از دیدۂ بینائے عشق
خیمۂ لیلیٰ ہے چشمِ آہوئے صحرائے عشق

گردشِ چشمِ پری رو ساقیا جس کا ہے نام
بادۂ الفت سے کیا معمور ہے صہبائے عشق

سنگ میں آتش ہے اور گل میں ہے بو ، ذرے میں مہر
کون سا ہے وہ مکاں جس میں نہیں ہے جائے عشق

قدر گل کی بلبلِ نغمہ سرا سے ہے دوچند
حسن کا رتبہ ہے جب تک درمیاں ہے پائے عشق

آن پہ روشن ہے کتابِ ہفت بابِ آسماں
روز و شب پیشِ نظر ہے جن کے اب انشائے عشق

آشنائی مردِ عارف کو ہے اس قلزم سے شیخ
ہاتھ میں غوّاص کے ہے گوہرِ دریائے عشق

از سرِ نو اس کو اک سودائے تازہ سے ہے کام
کب سرِ شمعِ شبستاں سے گیا سودائے عشق

مستِ مدہوشِ ازل کو کام ہشیاری سے کیا
ہوش میں آتے نہیں ہیں والہ و شیدائے عشق

عشق ہے سرمایہ دارِ گنجِ مخفی اے نصیر
احتیاجِ عاشقاں ہے پیشِ استغنائے عشق

١٠

لگی وہ چینِ جبیں دیدۂ پُر آب میں برق
یہ ماجرا ہے عجب ، بند ہے حباب میں برق

یہ تابِ رخ ہے ترا ساغرِ شراب میں برق
شگرف سیر ہے ، چمکے ہے آفتاب میں برق
وہ ہنس کے آئینے میں دیکھ کر لگے کہنے
کہ جس نے دیکھی نہ ہو دیکھ لے وہ آب میں برق
کہاں ہے کان میں سونے کا بار کے بالا
چمک رہی ہے دلا زلفِ مشک ناب میں برق
پتا ہلاتے جو دیکھا تجھے کبھو دن کو
تو شب کو سوتے میں دیکھا کیے ہیں خواب میں برق
وہ سرخ پوش شرارت کرے تو آ جاوے
برنگِ شعلۂ جوّالہ پیچ و تاب میں برق
ترا ہے پائے حنا بستہ شعلۂ آتش
بجا ہے گر رہے حاضر تری جناب میں برق
چمن میں دیکھ ترے جلوۂ تبسّم کو
خجل ہو کیوں نہ چھپے پردۂ سحاب میں برق
یہ شیفتہ ہے کسی شعلہ رو پہ دل سے نصیر
ہمیشہ اس لیے رہتی ہے اضطراب میں برق

۱۱

یہ داغِ سینہ کا گل کھلا ہے جہاں میں ہے افتخارِ عاشق
جھلے ہے طاؤس کے پروں کا جو مورچھل بر مزارِ عاشق
یہ سر سمجھتا ہے کون کیا ہے وبالِ گردن تھا شمع آسا
نہ سر کو سرمد کے کاٹ ڈالا آتار گردن سے بارِ عاشق
ہمیشہ یاد اس کی زلف و رخ کی ہمارے کب دل سے بھولتی ہے
یہی ہے اسلام و کفرِ عاشق ، یہی ہے لیل و نہارِ عاشق

کبھی کو ہم نے سوائے پروانہ جلتے یاں آگ میں نہ دیکھا
نہیں ہے یہ کام بوالہوس کا، ہے جلنا آتش میں کارِ عاشق

. . . .

کہ راہ تکتا تھا جس کی عاشق، کرے تھا وہ انتظارِ عاشق

——: o :——

ردیف ک

۱

دل سنبھالے کیا ترے سرمے کے دنبالے کی جھوک
اپنے ترکِ چشم ہی سے پوچھ اس بھالے کی جھوک
مت چڑھا پھولوں کا پنکھا قبر پر عاشق کی تُو
ٹک پرو کر پھول دکھلا کان کے بالے کی جھوک
زلفِ پیچاں کو تو اس کی دل رسن مت سمجھیو
ہے سرِ چاہِ ذقن بے وجہہ یہ کالے کی جھوک
مت دکھا اب اور گردش نرگسِ مخمور سے
بے طرح ہے آج ساقی تیرے متوالے کی جھوک
منہ پہ چادر کھینچ لے خجلت سے جس کی آبشار
یاں وہ شور انگیز ہے مژگاں کے پرنالے کی جھوک
عالمِ مستی میں وہ آنکھیں جھکی رہتی نہیں
ہے ترازو میں ادا کی بیچنے والے کی جھوک
محملِ لیلیٰ کا دل سے چھوڑ دے مجنوں خیال
دیکھے اے پردہ نشیں گر تیرے چوپالے کی جھوک
اوجِ گردوں سے معاذاللہ گر چاہے پرے
یہ سنبھل سکتی ہے کس سے آہ اور نالے کی جھوک
سر نہیں دیتی اٹھانے شیخ کو ریشِ دراز
ہے وبال اس گلسرے کو اپنے پنجھالے کی جھوک

۲

کیا کرے دل میں اثر اس بت کے آہ
ہمدمو ! لگتی نہیں پتھر کو جونک

ہے مسی کی تیرے لب پر کب دھڑی
آگ چاٹے ہے لب کوثر کو جونک
(ناتمام)

۳

سوزش ہے داغ دل کی مرے استخواں تلک
پہنچا ہے اب چراغ حرم شمع داں تلک

کیونکر کرے نہ تیز پری مرغ نامہ بر
جبریل کا گزر نہیں اس کے مکاں تلک

اس صفحے پر بسان نگیں نام کے لیے
ہم اپنا رو سیاہ کریں اب کہاں تلک

آدھی کو چھوڑ ساری کو دوڑے ہے ماہ نو
اس گرسنہ کو صبر نہیں نیم ناں تلک

نسبت دوں گلبدن کے میں کیونکر دہن کے ساتھ
آتی ہے منہ سے غنچے کے بو اب یہاں تلک

اہل سخا ہمہ دامن ہمت کشادہ ہیں
ہو چاک مفلسی کا اگر جیب جاں تلک

وہ صید ناتواں ہوں کہ جز نردباں نصیر
پہنچا نہ اڑ کے آہ کبھو آشیاں تلک

۴

زلفِ سرکش کی رہے گی کج ادائی کب تلک
آئنے سے دیکھیے ہوگی صفائی کب تلک
گلشنِ حسرت میں شکلِ غنچۂ تصویر ہوں
یا خدا ہوگی مری عقدہ کشائی کب تلک
رنگِ زردِ عاشقاں کو دیکھ کر نرگس نہ پھول
تو نے گو سرسوں ہتھیلی پر جمائی، کب تلک
آبرو تو خاک میں اے گردشِ گردوں ملی
رکھیے جوں گرداب یہ جامِ گدائی کب تلک
پھینک دے اب توڑ کر اس رشتۂ تسبیح کو
شیخ سیوے گا لباسِ پارسائی کب تلک
چہرۂ روشن پہ اپنے چھوڑ دے تو ٹک نقاب
منہ پہ ٹک مہتاب کے چھوٹے ہوائی کب تلک
اس کا کیا منہ ہے جو ہو تیرے دہن کے روبرو
بات غنچے نے گلستاں میں بتائی کب تلک
صبح دم ہر روز یارب در پہ اس بے مہر کے
کیجیے خورشید آسا جبہہ سائی کب تلک
زلف کے حلقے سے دل کس وجہہ نکلے اے نصیر
خانۂ زنجیر سے ہوگی رہائی کب تلک

۵

کشتی شکستگاں کا نہیں ناخدا شریک
کون اب بجز خدا ہو برے وقت کا شریک

جب دل جلے تو کیوں نہ جگر ہو بھلا شریک
ہمسائے کو سنا ہے دھوئیں کا سدا شریک

غافل ٹک اپنے آئنہ دل میں شکل دیکھ
تو ہی تو ہے، کہاں ہے کوئی دوسرا شریک

یا بوتراب بحرِ الم سے مجھے نکال
میں ڈوبتا ہوں، کوئی نہیں آشنا شریک

صورت میں تاجِ شاہی و کچکول ایک ہیں
کیونکر نہ ہوویں نام میں شاہ و گدا شریک

کیا دسترس ہو پاؤں تلک اُس نگار کے
جب تک نہ تو کسی کی نہ ہو اے حنا شریک

نسبت اگرچہ ممکن و واجب میں ہے ولے
اُس کا شریک کوئی نہیں، ہے وہ لا شریک

یوسف سے تم نے کیا کی عزیزاں یہ دغا
کوئی بھی اپنا دے ہے کنویں میں گرا شریک ؟

کرتا ہے دم میں طے رہِ ملکِ عدم حباب
کس کو کرے ہے رہروِ راہِ فنا شریک

مجنوں ترا نہ مر کے بھی زنجیر سے چھٹا
رکھے ہے اُس کی خاک کو موجِ ہوا شریک

دل میں رکھوں نہ کیوں ترے ابرو کا میں خیال
آتا ہے کام وقت پہ اے دلربا ! شریک

یہ بات سچ ہے آپ سے کھلتی نہیں گرہ
ہو جب تلک نہ ناخنِ عقدہ کشا شریک

کہتا تھا کل جگر سے یہ دل متفق ہو بات
بھائی کا چاہیے کہ ہو بھائی سدا شریک
دو دل نہ جب تک ایک ہوں کیا ٹوٹے کوہ عشق
یا تُو مرے شریک ہو ، کر مجھ کو یا شریک
کرتا وہ کیوں نہ عقدۂ دنیا و دیں کو حل
سر کافروں کا جس نے نہ تن کے کیا شریک
گمراہیاں یہاں نہ چلیں اہلِ شرک کی
شیرِ خدا نبی کا ہمیشہ رہا شریک
یہ کھینچتا ہے کوہ کو ، وہ کاہ کو نصیر
دل کی کشش کا ہو مرے کیا کہربا شریک

۶

سیے گا ناصحا تو جیب کو کیا خاک دامن تک
کیا ہے دستِ وحشت نے گریباں چاک دامن تک
چمن میں کس روش پہنچے صبا اس پاک دامن تک
گریباں گل نے حسرت سے کیا ہے چاک دامن تک
بنِ مژگاں میں فیضِ اشک سے ہیں لختِ دل ورنہ
پہنچ جاتا ہے کب ساحل کے ہر پیراک دامن تک
نہ تنہا اشک کے قطروں سے کچھ زیبِ گریباں ہے
یہ موتی ٹانکتا ہے دیدۂ نمناک دامن تک
وہ ہے شمشاد سے وابستہ بیل اس عشق پیچے کی
لٹکتی ہیں کہاں اس زلف کی پیچاک دامن تک
خطر کیا شورشِ روزِ قیامت سے اسے ، جس کو
رسائی ہوگی تیرے اے شہِ لولاک دامن تک

نظر آتی ہے برپا اک قیامت دور دامن سے
کوئی پہنچے ہے اُس کے گردشِ افلاک دامن تک

قبا پر یہ اتو ہے تیری ، جس کو دیکھ دریا نے
کیا ہے پیرہن کو موج سے صد چاک دامن تک

مکدّر ہو کے وہ آئینہ رو جھٹکے ہے دامن کو
ہماری خاک پہنچے اُڑ کے بھی کیا خاک دامن تک

تجھے کیا کام رقصِ صیدِ بسمل کے تماشے سے
تو اُس کے زیں کا چشمِ حلقۂ فتراک دامن تک (کذا)

مہ نو ہے کہاں اے شہسوار اک نقشِ سُم ہے یہ
اُڑا گردوں کے ، تیرا توسنِ چالاک ، دامن تک

نصیر اُس کے گریباں گیر روزِ حشر کو ہوں گے
نہیں دیتا لگانے ہاتھ وہ بےباک دامن تک

۷

ہے مجھ کو زلف و رخ سے ترے کام اب تلک
میرا یہی ہے کفر اور اسلام اب تلک

یہ میں ہی تھا جو دل تو رکھا تھام اب تلک
غم کر چکا تھا ورنہ مرا کام اب تلک

ہم چشمی اُس کی چشم سے کی تیّی سو اس لیے
ہم پھوڑتے ہیں دیدۂ بادام اب تلک

کس وجہ سے ہو یہ دلِ ناکام کامیاب
وہ کھولتا نہیں لبِ دشنام اب تلک

کیا جانے اُس کی زلفِ دوتا کے خیال میں
میں کھینچتا ہوں دائرۂ لام اب تلک

ہیں زیرِ زلف کیا گلِ ورد اُس کے کان میں
دیکھی نہیں ہے پھولتی یوں شام اب تلک

ہے اُس کی یاد دل میں ہمارے کہ جس نے آہ
بھولے سے بھی لیا نہ کبھو نام اب تلک

یاں چھت سے آلگیں لگ گئیں اور واں وہ ماہرو
آیا نہ حیف تا بہ لبِ بام اب تلک

مر کر بھی ہم نے اُس دلِ مضطر کے ہاتھ سے
پایا نہ زیرِ خاک کچھ آرام اب تلک

ساقی شتاب آ کہ ترے انتظار میں
پڑھتا ہے یاں دعا قدحِ جام اب تلک

سرگشتہ گو ہوں ، صورتِ پرکار پر کبھی
باہر رکھا نہ گھر سے کوئی گام اب تلک

صیاد میں وہ صید ہوں ، ہے جس کی جان پر
صد چشمِ مہر سے نگراں دام اب تلک

جوں گردباد خاک ہمیں یاں قرار ہو
دامن کشاں ہے گردشِ ایّام اب تلک

کیا کیا کے داغ سروِ چراغاں میں بن گیا
ہرگز ملا نہ پر وہ گل اندام اب تلک

ظاہر میں گو ہے اُس سے رکاوٹ پر اے نصیر
جاری ہے رسمِ نامہ و پیغام اب تلک

۸

زلف جوں مارِ سیہ کھائے ہے بل دوش تلک
ہاتھ کیا پہنچے مرا تیرے بنا گوش تلک

خاک وہ قصد کرے تیری ہم آغوشی کا
کہ تری پیٹھ بھی سکتا نہ ہو پاپوش تلک
کس کو بوسے کی توقع ہو بغیر از لبِ جام
جب کہ پہنچے نہ سخن اس لبِ خاموش تلک
کیوں نہ وہ سر بہ گریباں رہے مانندِ ہلال
ہو رسائی نہ جسے یار کی آغوش تلک
کوئی اپنا نہیں بِن تیرے ہوا خواہ یہاں
پہنچ اے پیکِ صبا یارِ فراموش تلک
ساغرِ چشمِ مفتّن کا ہوں مشتاق مدام
کوئی پہنچائے مجھے اس لبِ مے نوش تلک
کوئی اس شوخِ جفا کوش سے جا کر کے نصیر
یہ کہے، آ تو سہی اپنے وفا کوش تلک

٩

لے جائیو دل داغ نہ انجام تہِ خاک
جمشید نہیں لے کے گیا جام تہِ خاک
دامن سے کبھی گرد نہ لگتی تھی جنھوں کے
سوتے ہیں وہی ہائے گل اندام تہِ خاک
وہ روسیہی مثلِ لگیں خاک مٹائے
قاروں کو کیا گنج نے بدنام تہِ خاک
غفلت میں نہ کھو عمر کو اے آدمِ خاکی
بد ہے برے آغاز کا انجام تہِ خاک
مانندِ سلیماں نہ ہوا بالدہ نہ ہوگا
تو طعمۂ مورانِ سیہ فام تہِ خاک

ہو کیوں نہ ترے چشم کے کشتے کو تسلّی
ساتھ اپنے گیا لے کے جو بادام تہِ خاک

ہاتھوں سے ہمیں اس دلِ مضطر کے الٰہی
مر کر بھی ملا آہ نہ آرام تہِ خاک

اُس زلف کے مارے کی وصیّت بھی یہی تھی
یارو مجھے تم رکھیو سرِ شام تہِ خاک

مر کر بھی یہ آشفتہ قد و زلفِ بتاں کا
رکھتے گا خیالِ الف و لام تہِ خاک

عاشق کو ترے بعدِ فنا بھی گلِ خنداں
رونے کے سوا اور نہیں کام تہِ خاک

دانے پہ گرے گا نہ کوئی طائرِ دانا
صیّاد بچھا کر نہ چھپا دام تہِ خاک

اے غافلو کس بات پہ پھولے ہو کہ اک دن
کھینچے گا قضا کا تمھیں پیغام تہِ خاک

آرام کی صورت نظر آتی نہیں کوئی
کیونکر دلِ مضطر کو رکھوں تھام تہِ خاک

اب کنجِ عدم میں تو مجھے اُس سے ملا دے
اے آرزوے وصلِ دل آرام ، تہِ خاک

اک بوسۂ لب بھی نہ دیا اُس نے نصیر آہ
دنیا سے گئے مر کے بھی ناکام تہِ خاک

۱۰

ہے مطلبِ دل ابروے دلدار سے اب تک
عقدہ نہ کھلا ناخنِ تلوار سے اب تک

تارِ ورقِ گل پہ تجھے عشق لکھے ہے
اے بلبلِ نالاں خطِ گلزار سے اب تک
کیا تاب پر و بال ہلانے کی ، کہ صیاد
غافل ہی نہیں مرغِ گرفتار سے اب تک
سر رشتۂ الفت ہے ولے عشقِ بتاں میں
جو شمع مجھے رشتۂ زنار سے اب تک
لکھتا ہوں نصیر اور غزل میں کہ جہاں میں
فیضانِ سخن ہے مرے اشعار سے اب تک

١١

سر کبکِ دری ہٹکے ہے کہسار سے اب تک
برپا ہے قیامت تری رفتار سے اب تک
مقتول کے تیرے لبِ ہر زخم کو قاتل
بوسے کی طلب ہے لبِ تروار سے اب تک
وہ جنس ہوں بازارِ محبت میں میں ارزاں
قیمت نہ ہوئی جس کی خریدار سے اب تک
ہے جزو کشی صفحۂ بال و پرِ بلبل
چادر رگِ گل کے ہے ہر اک تار سے اب تک
مرغانِ چمن چاکِ گریبان کو گل کے
کرتے ہیں رفو سوزنِ منقار سے اب تک
گم کردۂ وادی ہوں میں اے آبلۂ پا
تو آنکھ چراتا ہے بہت خار سے اب تک
کہنے لگا وہ دیکھ کے داغِ دلِ عاشق
الفت مجھے افسوس ہے دینار سے اب تک

منقار کو کب کھول سکے بلبلِ تصویر
ہے مہرِ خموشی مری گفتار سے اب تک
ہے دل میں نصیر اپنے کدورت نہ کسی وجہ
واقف نہیں یہ آئینہ زنگار سے اب تک

۱۲

رکھتی ہیں انکھڑیاں تری کیا رنگ اور نمک
نرگس بھی جن کو دیکھ کے ہے دنگ اور نمک
عالم میں تیرے حسن کا کیونکر نہ ہووے شور
ناز و ادا و غمزہ بھی ہے رنگ اور نمک
شبنم نہیں چمن میں یہ بلبل، ہزار حیف
دیکھوں ہوں زخمِ غنچۂ دل تنگ اور نمک
اک ابرو میں ہے چین ترے، دوسرے میں خال
میزانِ حسن میں ہے یہ پاسنگ اور نمک
نے اشک چشم میں، نہ جگر میں ہے خوں کہ ہے
جام و کباب میں مئے گلرنگ اور نمک
بنوا حرم بھی شیخ کا سردابہ جیتے جی
جوں قبر میں رکھے ہے تہِ سنگ اور نمک
کہتا ہے سچ نصیر، نہیں اس میں کچھ خلاف
رکھتے ہے تیرا شانہ کوئی رنگ اور نمک

۱۳

چشمِ عاشق پر خرابی لائے ہے ہر گاہ اشک
طفلِ درانی کہوں میں، یا کہ نادر شاہ اشک

کس تجمل سے دلِ عاشق لیے ہمراہ اشک
آبلہ خیمہ ، علم ہے آہ اور بنگاہ اشک
غیر سے کھیلے وہ ہولی اور یہاں مژگاں کی بات
قمقمہ ہو رنگ کا خوں ناب دل ہو آہ اشک
صورتِ چوگاں ہے حلقہ چشمِ عاشق کا بتاں
روز و شب غلطاں ہے جس میں مثلِ گو واللہ اشک
مت ڈبا ہم کو ، مبادا اس تنورِ چشم سے
موجِ طوفاں زا ہو پھر ماہی سے لے تا ماہ اشک
تار پر جوں طفلِ بازی گر دکھاتا ہے ہنر
یوں سرِ مژگاں پہ رکھتا ہے ہمیشہ راہ اشک
آبرو تیری آسے یاں تک ہوئی مدِّ نظر
لے گیا عاشق بھی تیرا خاک میں ہمراہ اشک
قطرۂ دریا سے توأم دیکھنا چشمِ حباب
چشم کے چشموں سے اب کیونکر نہ روکے راہ اشک
اپنی آنکھوں میں آسے کیونکر نہ رکھوں اے نصیر
نورِ دیدہ ہے مرا اور مونسِ دل خواہ اشک

۱۴

قامتِ یار کا مضموں نہ چراوے جب تک
مصرعِ سرو ہو قمری سے نہ موزوں تب تک
پرِ طاؤس پہ ہر داغ ہے مُہرِ صیّاد
حکمِ پرواز نہیں بامِ قفس کے لب تک
ہے ترے سلسلۂ زلف میں بیعت اس کو
ذکرِ ارہ نہ کرے شانہ صفت دل کب تک

تجھ کو کیا کام ہے حیرانیِ دل سے میرے
ہاتھ میں لے گا تو آئینے کو اپنے جب تک

کیا بندھے اُس کے قد و زلف کا مضمون نیا
الف و لام سے واقف ہی نہیں تُو اب تک

مہِ خورشید نمط آنکھ لڑاوے اُس سے
شب سے تاصبح یہاں صبح سے بھی اب شب تک

دمبدم تیغِ جفا سے ہوئے مجروح نصیر
ہاتھ پر آہ کبھی اُس کے نہ پہنچا ڈب تک

۱۵

نباہ کس سے کرے مت نہیں ہے یار کی ایک
دلِ شفیق تو کہہ دے یہ بس ہزار کی ایک

صدائے غنچہ کو کیا پہنچے نغمۂ بلبل
کسی کا منہ ہے جو لے جائے بین کار کی ایک

چمن میں کرتی رہی گل ہزار گوش گزار
نہ مانی گل نے پر اس عندلیبِ زار کی ایک

یقیں نہ کیوں مجھے امواجِ بحر دیکھ کے ہو
صفات سینکڑوں ہیں ذاتِ کردگار کی ایک

وہ دانت پیس کے میرے گلے کا ہار ہوا
لڑی جو ٹوٹ گئی موتیوں کے ہار کی ایک

یہ اپنی خوبیٔ قسمت کہ گالیوں کے سوا
نہ نکلی منہ سے ترے بات ہاں پیار کی ایک

ہمیں یہ داغِ جگر وقتِ مرگ کافی ہے
نشانی لے چلے ہیں اپنے دوست دار کی ایک

وصالِ لیلیٰ محمل نشیں کہاں مجنوں ؟
نگاہ بس ہے تجھے اس شترسوار کی ایک

لگی ہے اس رخِ گلگوں پہ مجھ کو اب رنگت
عرق کے قطرے کی اور دانۂ انار کی ایک

دل و جگر ترے کیا ابرو و مژہ سے بچے
کہ ذوالفقار کی انیاں ہیں دو ، کٹار کی ایک .

کہا جو میں نے نہ کر میرے دل کے دو ٹکڑے
لگا کے ضرب میانِ تیغِ آب دار کی ایک

تو کیا جواب وہ دیتے ، نہیں سنی یہ مثل
کہ سو سنار کی ہوتی ہیں اور لہار کی ایک

سوائے صانعِ قدرت ، نصیر اب صنعت
نہ دیکھے ایسے کلالانِ دستکار کی ایک

بنا ہے دیکھ تو کیا قالبِ عناصر کا
اگرچہ طبعِ مخالف نہیں ہے چار کی ایک

———: o :———

ردیف گ

۱

زرد اس قدر ہے یار ترے مبتلا کا رنگ
تنکا لے منہ میں خوف سے ہاں کہربا کا رنگ

غصے سے سرخ کیوں نہ ہو اُس فتنہ زا کا رنگ
آتش میں دیکھتے ہیں محک پر طلا کا رنگ

اعجاز ہے کہ برق نے تارے دکھا دیے
مت پوچھ اُس کے خندۂ دنداں نما کا رنگ

کیا منہ ہے جو کرے ترے دانتوں سے رو کشی
دہشت سے ہے سفید سدا سوتیا کا رنگ

خونِ شفق میں پنجۂ خورشید ڈوب جائے
ہے پانچوں انگلیوں پہ تری وہ حنا کا رنگ

گویا کھلا ہے تختۂ لالہ میں نیلوفر
پان و مسی سے ہے یہ لبِ دلربا کا رنگ

دعوائے ہمسری گلِ اورنگ کو نہ ہو
دیکھے تری جو فندقِ انگشتِ پا کا رنگ

کچھ میں نے ہمدمو نہیں باندھا ہے توتیا
کیا اُڑ گیا ہے نرگسِ حیرت‌فزا کا رنگ

چیں دیکھتے ہی مانگتے ہیں سب غزالِ چیں
گرمی سے ہے وہ چشمِ بتِ فتنہ زا کا رنگ

آج اس نے تارِ زلف میں موتی پروئے ہیں
چمکے نہ کیونکہ یار کی زلفِ دوتا کا رنگ

ساقی شراب جامِ بلوریں میں بھر کے دے
بگلوں کی ہے قطار سے دونا گھٹا کا رنگ

آلِ نبیؐ کے غم میں مکدّر ہے رات دن
تبدیل کیوں نہ ہو دلِ اہلِ صفا کا رنگ

جو اشک چشمِ تر سے نکلتا ہے اب سو وہ
پیدا کرے ہے دانۂ خاکِ شفا کا رنگ

یارانِ دہر مہرۂ شطرنج ہیں نصیرؔ
دل میں بھرا ہے ان کے نفاق و دغا کا رنگ

تھوڑی سی ہے بساط ، یہ آپس میں لڑتے ہیں
بگڑا عجب زمانے کی ہے کچھ ہوا کا رنگ

۲

جو موج زن ہو مری چشمِ خونفشاں کا رنگ
برنگِ کاغذِ ابری ہو آسماں کا رنگ

بھرا بہار سے بازیِ گلستاں کا رنگ
کہ نردِ غنچہ سے جھٹ کٹ گیا خزاں کا رنگ

لباس عشق کی دولت سے زعفرانی ہے
نہیں یہ زرد مرے جسمِ ناتواں کا رنگ

نہ بھولے چشمۂ حیواں پہ پھر شفق اور شام
تمھارے لب پہ جو دیکھے مسی و پاں کا رنگ

ملوں نہ کیوں کفِ افسوس میں کہ پیشِ نظر
پھرے ہے محفلِ یارانِ رفتگاں کا رنگ

خوشی تو دل سے تعلّق رکھے ہے اے ہمدم
کدھر کا راگ تو ڈھونڈے ہے اور کہاں کا رنگ

بیاضِ چشم سیں جدول ہے سرخ ڈوروں سے
بہارِ آئینہ ہے حسنِ گل رخاں کا رنگ

شعاعِ مہر نے شاید ملا ہے غازۂ صبح
چمک رہا ہے جو گل ہائے بوستاں کا رنگ

پروں سے کی ہے یہ طاؤس نے بھی گلکاری
کہ ہوش اڑتے ہیں دیکھے سے آسماں کا رنگ

ہوا خجل گہرِ شب چراغِ دنداں دیکھ
بہار پر ہے یہ تیرے مسی و پاں کا رنگ

شہید کر کے ہمیں رنگ یہ نکالا ہے
نشے سے سرخ نہیں چہرۂ بتاں کا رنگ

نصیر یادِ جوانی عبث ہے پیری میں
کہ ایک رنگ پہ رہتا نہیں جہاں کا رنگ

۳

گلشنِ دنیا میں ہو کیا خاک مے خانے کا رنگ
جبکہ ہو جوں چشمِ پُر خوں گل کے پیمانے کا رنگ

تختۂ گل سینہ زخمِ سنگِ طفلاں سے بنا
دیکھ اے لیلی منش ٹک اپنے دیوانے کا رنگ

پنجۂ مرجاں بنا مہندی سے اپنے ہاتھ کو
کیا نکالا آپ نے عاشق کے مر جانے کا رنگ

اشک ریزاں ہائے کوباں خاک برسر چاک جیب
آج ہے بازار میں یہ تیرے مستانے کا رنگ

زردیِ رخ سے مرے ہر اشک نے پیدا کیا
تیری سمرن کے لیے کافور کے دانے کا رنگ
یوں ترے بیرونِ در اے شمع رو مضطر ہوں میں
جس طرح فانوس کے باہر ہو پروانے کا رنگ
طرفۃ العین اور بھی جانے سے تیرے ہو گیا
سیلِ اشکِ سرخ سے مژگاں کے خس خانے کا رنگ
ہر طرف ہر خشتِ افتادہ کفِ افسوس ہے
بعدِ مجنوں خاک ہے اے خار ویرانے کا رنگ
بیٹھتے ہی تجھ کو لڑنا اور اٹھنا قتل کو
ڈھنگ آنے کا عجب، طرفہ ہے یہ جانے کا رنگ
دیکھ مت شانے سے نسبت دے دلِ صدچاک کو
اس کی رنگت اور ہے اس کا نہیں لانے کا رنگ
یہ گلِ باغِ محبّت ہے وہ ہے یک دست خشک
کیا دلِ صد چاک سے ہم رنگ ہو شانے کا رنگ
ہاتھ لگتا ہے بڑی مشکل سے، سچ ہے اے نصیر
باغِ معنی میں گلِ مضموں کے دکھلانے کا رنگ

۴

کرے ہے کشورِ دیوانگی کو سر رگِ سنگ
طنابِ خیمۂ مجنوں ہے تارِ ہر رگِ سنگ
محیطِ دامِ حوادث ہے یاں تلک صیّاد
رکھے ہے مرغِ جنوں رشتۂ کمر رگِ سنگ
کتاب آئینہ مسطر کشیدہ ہووے اگر
بجائے رشتہ میسّر ہو شیشہ گر رگِ سنگ

نہ پوچھو ہم سے بتکرار اب یہ کونی کہ ہے
کوئی شریکِ تجلّی و جلوہ گر رگِ سنگ
رسائی طور پہ موسیٰ کی کس طرح ہوتی
جب اُس کے حق میں نہ ہوتے کمند گر رگِ سنگ
خروش و جوش سے جاری ہے آبِ چشمۂ کوہ
رکھے ہے رشتہ رگِ ابر سے مگر رگِ سنگ
جگر میں اُس کے ہے پنہاں شرارِ آتشِ عشق
طبیب زیرِ ہر انگشت اپنی دھر رگِ سنگ
یہ کوہکن کے یہاں خوں سے سنگ سرخ نہیں
زبانِ تیشہ سے رکھے ہے نیشتر رگِ سنگ
گریز ہے نہیں طفلانِ سنگ زن سے قیس
کہ ہے سلاسل دیوانہ پیشتر رگِ سنگ
نصیر کی یہ غزل سن کہے ہے افلاطون
چھٹی نہ نبض شناسِ سخن سے ہر رگِ سنگ

۵

عاشق سوا ہے کس کو ہوائے شکستِ رنگ
دل کی شکستگی ہے بنائے شکستِ رنگ
آلودگی ہے خون سے مژگاں کے مُو قلم
نقّاشِ مردمک نے برائے شکستِ رنگ
بیمار نے ترے یہ کہا وقتِ الوداع
اے وائے دردِ پہلو و ہائے شکستِ رنگ
معلوم ہے یہ ہم کو دلا روزِ بازپرس
ہوگا نہ کوئی ساتھ سوائے شکستِ رنگ

اب آہِ سینہ نکلے ہے لے فوجِ اشکِ چشم
ساتھ اس شکوہ کے ہے لوائے شکستِ رنگ

پرواز کر گیا چمنستاں سے رنگِ گل
پہنچے جو اس کے کان صدائے شکستِ رنگ

کہنے لگا طبیب کہ رنجورِ عشق کی
جز وصل کب ہو آہ دوائے شکستِ رنگ

چہرے کا رنگ کس طرح بدلے کہ موجِ اشک
زنجیر ہو رہی ہے بپائے شکستِ رنگ

رنگِ پریدہ عشق کی دولت سے ہے **نصیر**
کس منہ سے میں کہوں کہ یہ جائے شکستِ رنگ

۶

گلشن میں سحر دیکھ بہارِ گلِ صد برگ
خورشید ہوا آ کے نثارِ گلِ صد برگ

اب کے یہ چمن میں ہے بہارِ گلِ صد برگ
ہے بلبلِ تصویر شکارِ گلِ صد برگ

لختِ جگرِ زرد نہیں دیدۂ تر میں
دریا میں رواں ہے یہ قطارِ گلِ صد برگ

داغِ آبلہ نہ ہو کے ہے پاس نہ دل میں (کذا)
بھونرا ہے مری جان دو چارِ گلِ صد برگ

عالم میں اب اے رشکِ چمن سر پہ چڑھا کر
تو نے ہی بڑھایا ہے وقارِ گلِ صد برگ

رکھ مرہمِ کافور سحر شبنمِ گریاں
چھڑکے ہے نمک کیا یہ فگارِ گلِ صد برگ

میرے دل صد چاک کے یہ گرد نہیں داغ
لالہ ہے آگا قرب و جوارِ گلِ صد برگ

دیکھا ہے ترے مصحفِ رخ کو جو چمن میں
سیپارۂ دل ہے بہ کنارِ گلِ صد برگ

برقع سے نکلتی ہے ضیا صبح کہ خورشید
یک دست ہوا آئنہ دارِ گلِ صد برگ

ہر سیم تن اس پر نہ ہو کس رشک سے مائل
کندن سا چمکتا ہے عذارِ گلِ صد برگ

توڑے ہے نصیر اس کو عبث آن کے گل چیں
کب شاخ کی گردن پہ ہے بارِ گلِ صد برگ

۷

یہ چمکا شب کو رخِ یارِ سیم تن کا رنگ
کہ ہو گیا وہیں فق شمعِ انجمن کا رنگ

شفق سے سرخ نہیں مہرِ شعلہ زن کا رنگ
خُمِ فلک میں ہے یہ بادۂ کہن کا رنگ

دکھائی باغ میں دنداں کی تم نے ہنس کے جو تاب
سفید ہو گیا گل ہائے یاسمن کا رنگ

نہ کیونکہ مارِ سیہ شب کو خواب میں دیکھوں
نظر میں یار کی ہے زلفِ پُر شکن کا رنگ

وفورِ رشک سے کھایا جگر پہ سیب نے داغ
نمودِ خط پہ جو دیکھا تری ذقن کا رنگ

چمن میں غنچۂ سوسن ہو تنگ ہستی سے
دکھاؤ گرمیِ خون و لب و دہن کا رنگ

قطعہ

ہوائے سیرِ چمن گرچہ دل میں تھی ساقی
کہ جا کے دیکھیے ہر گل کے پیرہن کا رنگ
قبائے اطلسِ آبی کی ہر اتو نے تری (کذا)
دکھا دیا ہمیں دریائے موج زن کا رنگ

قطعہ

بیاں کروں میں زمانے کی کیا دو رنگی کا
کہ ایک ڈھنگ پہ دیکھا نہ انجمن کا رنگ
برنگِ مہرۂ شطرنج کتنے مرتے ہیں
عجب ہے صحبتِ یارانِ ہم وطن کا رنگ
جھکائے سر کو پرستش میں کیوں نہ ہندوے زلف
کہ آتشی ہے رخِ طفلِ برہمن کا رنگ
کیا ہے کشتہ مجھے یارِ سرو قامت نے
عزیزو فاختئی چاہیے کفن کا رنگ
عوض حنا کے کیے دست و پا لہو سے سرخ
نکالا کیا مرے قاتل نے بانکپن کا رنگ
نہ آبنوس کا دستہ لگاؤ خنجر میں
میاں برا بھی نہیں شاخ کرگدن کا رنگ
بہار تختۂ لالہ نہیں بہ دامنِ کوہ
کھلا رہا ہے یہ گل خونِ کوہ کن کا رنگ
بہارِ گلشنِ معنی ہے اپنے دم سے **نصیر**
جدا ہے سب سے ہمارے گلِ سخن کا رنگ

ردیف ل

۱

تجھ بن چمن میں کس کو خوش آویں نسیم و گل
یکساں ہے مجھ کو شعلۂ نار و جحیم و گل

کیفیتِ حیات ہے تب جب کہ ہوں یہاں
صہبا و جام و شاہد و کنجِ حریم و گل

اے سروِ ناز چشم میں ہے لختِ دل کہاں
اس گھر میں ہے ترے لیے فرشِ گلیم و گل

گلچیں کو دیکھ باغ میں کہتی ہے عندلیب
یا رب ہزار حیف کہ دستِ غنیم و گل

یوں میرے دل میں تیری محبت کو ہے جگہ
رہتا ہے جوں ازل سے وصالِ شمیم و گل

ڈرتا ہے وہ دو رنگیِ باغِ زمانہ سے
رنگت میں ایک چاہیے تجھ کو ندیم و گل

شبنم نہیں چمن میں نمودار اے صبا
حیراں ہوں دیکھ صحبتِ دُرِ یتیم و گل

تیری ہمیں یہ قامت و زلف و دہان و رخ
لگتی ہیں صورتِ الف و لام و میم و گل

آتا ہے خواب بسترِ مخمل پہ کب نصیر
جب تک کہ ہو بغل میں نہ یارِ قدیم و گل

۲

تو جا کے دیکھ سوے گلستاں نسیم و گل
یاں آہِ سرد و داغ ہیں جاناں نسیم و گل
شبنم کہے ہے دونوں یہ پا در رکاب ہیں
میں اس لیے ہوں دیکھ کے گریاں نسیم و گل
ڈرتا نہیں ہے کوئی ہوا خواد و ہم نفس
آتے ہیں مجھ کو یاد یہ زنداں نسیم و گل
توام ہیں آہ گلشنِ دنیا میں رنج و عیش
رہتے ہیں خاک بر سر و خنداں نسیم و گل
دیکھا ہے اس کا گوشۂ داماں جو ہر سحر
رہتے بہم ہیں دست و گریباں نسیم و گل
یوں چاہتا ہوں تجھ سے ہم آغوش ہو رہوں
جوں ہم کنار رہتے ہیں جاناں نسیم و گل
آوارہ یہ اگر ہے تو وہ بھی ہے ہفتہ دوست
ہیں طرزِ بے وفائی میں یکساں نسیم و گل
تو ان سے دل لگائے ہے اتنا ہزار حیف
نا آشنا ہیں بلبلِ نالاں نسیم و گل
سیرِ چمن نصیر بقولِ قتیل کر
"ہیں باعثِ نشاطِ دل و جاں نسیم و گل"

۳

بلبل نہ بھول دیکھ کے اتنا تو باغ و گل
ایک ہفتے میں چمن ہے نہ تیرا سراغ و گل

کھٹکے ہے اس فلک کی وہ آنکھوں میں خار سا
ہے جس کو یاں زمیں پہ میسّر فراغ و گل

لالہ کے دل میں داغ نہیں ہے جو کہتے ہیں
وہ دور ہے کہ ہیں یہ ہم آغوش زاغ و گل

طاؤس کے پروں کی طرف ٹک خیال کر
حق نے دیے ہیں دیکھ تو کیا اس کو داغ و گل

فصلِ بہار ہے پے جامہ دری ، کریں
دامان و جیب چاک نہ کیونکر بہ باغ و گل

جورو نے شیخ کی لبِ دریا پہ یہ کہا
اس سے کہیں چھڑاؤ مجھے دو فراغ و گل

نوچندی ایتوار کو دلیا پکا کے میں
خواجہ خضر چھڑاؤں گی گھی کے چراغ و گل

گلشن میں آج تیرے شہیدوں کے پھول ہیں
دیکھوں ہوں شکلِ لالہ و گل جوں ایاغ و گل

سرسبز اس زمیں میں غزل اور لکھ نصیر
لگتا ہے عندلیب کو خوش ذکرِ باغ و گل

۴

وہ رم گیا غزال کہیں دیکھ باغ و گل
کھائے ہیں جس کے عشق میں چیتوں نے داغ و گل

موجِ نسیمِ صبح ہے زنجیر یاں سدا
دیوانگی میں کرتے ہیں ہم سیرِ باغ و گل

نام و نشاں رہا نہ چمن میں ہزار حیف
بلبل کے آشیاں کا نہ پایا سراغ و گل

عارض پہ اس کے خال نہیں ہے کہ ایک جا
دیکھا نہیں کسی نے تو دیکھے یہ زاغ و گل
ابر و ہوا ہے ، دل نہ گھٹا ساقیا مرا
احسان ہو جو دیوے فلک یاں فراغ و گل
تیرا ہی انتظار ہے اک بزم میں کہ ہیں
معشوق و مطرب و مے و مینا ایاغ و گل
روشن ہے داغِ دل سے اب عاشق کی ، گور میں
کو شمع رو نے آ کے نہ رکھیے چراغ و گل
ہا گل رخاں کی خاک پہ بلبل سمجھ کے رکھ
اک دن وہ تھا کہ کرتے تھے یہ سیرِ باغ و گل
دیوانگی کو ربط سدا ہے بہار سے
پیوند اے نصیر رکھے ہے دماغ و گل

۵

کس نے کہا دے مجھے رشکِ قمر پان پھول
تیری تو وہ ہے مثل دائی کے سر ہان پھول
بزم میں منہ کر کے لال اس کے گلے کا ہوں ہار
غیر مرے سامنے دے تجھے گر پان پھول
زر تو نہیں رکھتے ہیں مہر جبینو سنا
آؤ تو ہو سکتے ہیں وقتِ سحر پان پھول
کہتے ہیں کھلوائی ہے اس نے دلا آج فصد
کیونکہ نہ بھجوائیے یار کے گھر پان پھول
تیری ملاقات کا ہے یہی اک رنگ ڈھنگ
کیونکہ نہ پہنچیں میاں باندھ کمر پان پھول

خوف سے جادو کے جو کھا کے نہ سونگھے کبھی
خاک آسے دیجیے بارِ دگر پان پھول

اُن کی رسائی نہیں کیوں لب و بینی تلک
کیا ترے دل سے گئے آج آتر پان پھول

فتنہ کیا واں بپا عطر نے تو پھر نصیر
دیکھوں دکھاتے ہیں کیا اپنا اثر پان پھول

٦

عندلیبوں نہ کرو صبح کو غل بر سرِ گل
دیدۂ خفتہ نمط غنچہ ہیں گل برسرِ گل

گل کی اک ہفتہ کی نوبت ہے یہ مرغانِ چمن
سازِ عشرت کے بجاؤ نہ ڈہل بر سرِ گل

کیا جبیں پر تری قطراتِ عرق کی ہے بہار
شبنم اس طور سے کب آئی ہے ڈھل بر سرِ گل

کون سا بادہ پرست آج یہاں آتا ہے
غنچے کی طرح جو ٹپکا خم مُل بر سرِ گل

زرِ گل بادِ صبا دان کرے ہے شاید
عندلیب آج کوئی بیٹھا ہے تل بر سرِ گل

پاؤں گستاخی سے رکھ سر پہ نہ گل کے بلبل
کیا بنایا ہے کہیں تو نے یہ پُل برسرِ گل

پھولتا اور بھی دونا ہے وہ اب دل میں نصیر
عشق میں اس کے جو ہم کھاتے ہیں گل برسرِ گل

۷

کس روش توڑے گا دیکھیں آج گلچیں شاخِ گل
مثلِ تیغ خونچکاں لگتی ہے رنگیں شاخِ گل

دیکھ اُس بوٹے سے قد کو صانعِ قدرت نے یوں
ہر زبانِ برگ سے کرتی ہے تحسیں شاخِ گل

گر نہیں آزاد کرتا مجھ کو اے صیّاد تو
رکھ دے تو چاکِ قفس میں بہرِ تسکیں شاخِ گل

صبح مرغانِ چمن کو کر کے شبنم سے وضو
معنیِ رنگینِ گل کرتی ہے تلقیں شاخِ گل

صفحۂ گلشن پہ کھینچے گر ترا نقشہ بہار
خانۂ نقّاشِ چیں بن جائے ووہیں شاخِ گل

خونِ دل در پردہ اُس کا دم بدم پیتی ہے آہ
حق میں بلبل کے ہے یہ منقارِ شاہیں شاخِ گل

سینۂ پُر داغ ہے یہ رشکِ بستانِ خلیل
آہِ آتش بار ہے یاں اے بتِ چیں شاخِ گل

گل بجومِ قطرۂ شبنم سے ہے ساقی سفید
یا لیے ہیں باغ میں جامِ بلوریں شاخِ گل

جس پہ گل نازاں تھی تو اے بلبلِ شیدا سو آج
کٹ گئی وہ دیکھ کر دستِ نگاریں شاخِ گل

مصرعِ رنگیں ہر اک دلچسپ ہے تیرا نصیر
ہے بجا گر اس سے ہو گلشن میں تضمیں شاخِ گل

۸

جگر کا جوں شمع کاش یا رب ہو داغ روشن مراد حاصل
کہ دل کو لو لگ رہی یہی ہے چراغ روشن مراد حاصل
مدام کیفیت اپنے دل میں مئے محبت کے نشے کی ہے
کہ ساقی اس آفتاب سے ہے دماغ روشن مراد حاصل
اسیرِ کنجِ قفس تو ہو تم، پہ عندلیبو سدا یہ بولو
شتاب یا رب چراغِ گل سے ہو باغ روشن مراد حاصل
لگے نہ کیوں آگ تیرے سر سے کہ عشق میں میں نے پاؤں رکھا
بجا ہے اے شمع تجھ کو کہنا دماغ روشن مراد حاصل
جو یار آتا ہے میرے گھر میں تو جلد خانہ خراب اُڑ جا
جہاں میں تیرا شگون یہ سب پہ ہے زاغ روشن مراد حاصل
پھرے ہے اے چرخ تو تو باندھے شکم پہ خورشید کا بہ گردہ
کبھی نہ کیونکر کہ گرسنہ ہو چراغ روشن مراد حاصل
جہاں میں کیا ڈھونڈتا پھرے ہے سراغ یارانِ رفتگاں کا
نصیر ہے چشمِ نقشِ پا سے سراغ روشن مراد حاصل

۹

حیرت انگیز ہیں داغِ دلِ دلگیر کے پھول
خشک رہتے ہیں کھلے گلشنِ تصویر کے پھول
رخِ دلدار سے کرتی ہے صبا ہم چشمی
آج گلشن میں سزاوار ہیں تعزیر کے پھول
شوقِ نظارہ لکھوں خط میں آسے کیا قاصد
رکھیو نرگس کے تو آگے بتِ بے پیر کے پھول

قاتل اب محوِ تماشا ہو کہ کیا آتش کی
سان پر چڑھتے ہیں منہ سے ترے شمشیر کے پھول

داغ بر دل ہوں نہ کیوں لالۂ کوہِ فرہاد
تھے یہی صاحبِ ماتم ترے تقدیر کے پھول

بات تو ہنس کے چمن میں کرے جب غنچہ دہن
کس روش ہوں نہ ثنا خواں تری تقریر کے پھول

چاہتا زیبِ گلو ہے تو بتِ سیم اندام
لے کے مت ہار بنا ، بدلے تو زنجیر کے ، پھول

ماتمِ آلِ پیمبر نہیں ایسا یارو
رہتے ہیں غم میں سدا حضرتِ شبیر کے پھول

چھڑکے شبنم نہ نمک کیونکہ پھر اے رشکِ چمن
رشتۂ خار گلستاں میں جگر چیر کے پھول

ہے نصیر اور ہی اپنے گلِ مضموں کی بہار
کب ہیں اس رنگ کے باغِ سخنِ میر کے پھول

۱۰

زخمی چمن میں ہیں تری تیغِ ادا کے پھول
دہشت سے ہاتھ پاؤں گئے ہیں صبا کے پھول

بعد از فنا تو رکھ مری تربت پہ آ کے پھول
جز سنگ جیتے جی تو نہ مارا اٹھا کے پھول

دنداں کی آب و تاب دکھا دے جو ہنس کے تو
کوڑی کے تین تین بکیں موتیا کے پھول

آسودگانِ خاک کے شاید ہیں محوِ دید
نرگس کے دیکھتے ہیں جو آنکھیں جھکا کے پھول

قمری بنے ہے سروِ چمن کے گلے کا ہار
دیکھے ہے کان پر جو کسی بے نوا کے پھول
دیوانہ ہوں میں آمدِ فصلِ بہار کا
خوش ہیں چمن میں چاکِ گریباں دکھا کے پھول
کرتا ہوں رو کے ہستیٔ موہوم پر نظر
ہنستا ہے جب چمن میں کوئی کھلکھلا کے پھول
شبنم دکھا دے اب مجھے ہیرے کی تو کنی
آگے مرے وہ غیر کو دے ہے ہلا کے پھول
اس نے برنگِ صفحۂ باطل ہزار حیف
ہر صفحۂ چمن کو دکھایا مٹا کے پھول
گلچینِ روزگار کے ہاتھوں سے اے نصیر
دیوار و در کی سیر کروں کیا بنا کے پھول

۱۱

روکش اس کے دیدۂ مخمور سے ہوں کس کے پھول
جب کہ مرفوع القلم ہوں یک قلم نرگس کے پھول
صبح ہم چشمی کریں گلشن میں تجھ سے کس کے پھول
ہیں خجل غنچہ دہن اس چشم سے نرگس کے پھول
رنگ و رُو تیرا ہے وہ، گر تجھ کو دیکھیں باغ میں
کھائیں ہیرے کی کنی شبنم سے تجھ پر پس کے پھول
تر مرا زخمِ جگر ہے، دیکھ ٹک اس کی بہار
خشک ہو جائے گا اک دن آہ پھر یہ رس کے پھول
ساغر و خُم سے گل و غنچہ خوش آتا ہے ہمیں
تو نہ ہو ساقی تو پھر کیسا چمن اور کس کے پھول

کشتۂ تیغِ تغافل ہوں اُسی کا ہم دمو
چاک رہتے ہیں گریباں عشق میں اب جس کے پھول
حیف ہے شبنم کہ اک قطرہ نہ دے پانی کا تو
اور اُس تیغِ نگہ سے زخم کھا یوں سسکے پھول
عشق میں جو مر گیا ہے کھا کے گل، کہہ دے صبا
قبر پر اُس کے چڑھائے خلق ماتھا گھس کے پھول
کیونکہ لے بوسہ کوئی ان کا لبِ شیریں کو چھوڑ
سبزہ و خط سے ہوں رخسارے ترے جب بس کے پھول
کھول دے کیوں کر نہ ہر سیپارۂ گل کو صبا
ہیں چمن میں آج تیرے عاشقِ مفلس کے پھول
منعمانِ دہر کی ہے تو چمک پوشاک سے
خوش نما زر کے ملمع سے ہوں جیسے مس کے پھول
ہوں گلِ بازی دلِ صد چاک کو کیونکر ہو چین
ہاتھ میں گیندے کا ہے اُس شاہدِ مجلس کے پھول
دستِ گلچیں تیغِ شہپر سے کرے بلبل قلم
توڑ کر بادِ صبا گلشن سے گر وہ کھسکے پھول
اس زمیں میں لکھ غزل اک اور بھی رنگیں نصیر
اپنے دفتر کو نہ کھولے روبرو اب جس کے پھول

۱۲

میری تربت پر چڑھانے ڈھونڈتا ہے کس کے پھول
تیری آنکھوں کاہوں کشتہ رکھ دے دو نرگس کے پھول
ایک دن ہو جاؤں گا تیرے گلے کا ہار میں
سونگھنے کو مت لیا کر ہاتھ میں جس تس کے پھول

بستر گل پر جو تو نے کروٹیں لیں رات دن
عطر آگیں ہو گئے اے گلبدن سب بس کے پھول
وصلِ مہوش کا دلا مژدہ ہمیں دے ہے چراغ
جھڑتے ہیں ہردم شبِ ہجراں میں منہ سے اس کے پھول
اور ہی کچھ رنگ ہے سینے کے داغوں کا ترے
اس روش کے ہیں کہاں تیری سپر پر مس کے پھول
کیا نوا سنجی کریں اے ہم صفیرانِ چمن
آ گئی فصلِ خزاں گلشن سے سارے کھسکے پھول
تو ہے وہ جو مہر و مہ شام و سحر تجھ پر سے وار
سیم و زر کے پھینکتے ہیں بیچ میں مجلس کے پھول
کس نے سکھلائی ہے تجھ کو یہ روش رفتار کی
مٹ گئے قالیں کے جو تیرے قدم سے گھس کے پھول
پھلجھڑی سے کم نہیں مژگانِ اشک افشاں مرے
موتیا کے دیکھنا جھڑتے ہیں منہ سے اس کے پھول

. . . .

اپنے ہاتھوں سے کتر کر کاغذِ بے جس کے پھول
کچھ خبر بھی ہے تجھے، چل فاتحہ کے واسطے
آج ہیں اے شوخ تیرے عاشقِ مفلس کے پھول
رنگِ خوب و زشت میں کیوں فرق سمجھے ہے نصیر
خار بھی تو ہے اسی کا، ہیں بنائے جس کے پھول

۱۳

شب کو کیا تم نے پروئے کان کے بالے میں پھول
دیکھتے ہی مہ گیا خوش وقت ہو ہالے میں پھول

قطرۂ خوں جم گیا اس میں نہیں اے ہمدمو
خار کی دولت سے ہے یاں پاؤں کے چھالے میں پھول
بام پر کس نے لپٹ کر سچ بتا توڑا ہے ہار
جو پڑے ہیں آڑ کے یہ اے جان پرنالے میں پھول
واہ رے رشکِ چمن یہ نیلوفر کا خال ہے
کیا بنایا تو نے ہے سرمے کے دنبالے میں پھول
رات کس دلِ خستہ نے چھوڑی ہوائی آہ کی
جا کے آتش کا پڑا کہتے ہیں بنگالے میں پھول
لے چلا ہے لختِ دل سیلِ سرشک چشمِ تر
کیوں بہائے مردماں لالہ کے یہ نالے میں پھول
شانۂ رنگیں نہیں وابستہ ریشِ شیخ میں
یہ الجھ کر رہ گیا ہے مکڑی کے جالے میں پھول
یہ دلِ صد چاک عاشق دیکھ کر کھاتا ہے پیچ
مت اڑاؤ باندھ کر تکل کے پنچھالے میں پھول
پنبہ اس داغِ دلِ سوزاں پہ مت رکھ اے نصیر
آگ کا رکھتا ہے کیوں یہ دیکھ تو گالے میں پھول

۱۴

رخ سے کیا خوب ہے برقع نہ اٹھانا شبِ وصل
ساتھ سونا مرے اور منہ کو چھپانا شبِ وصل
کیا ہے اندھیر چراغ آہ بجھانا شبِ وصل
کس سے سیکھا ہے نیا گل یہ کھلانا شبِ وصل
دیکھ ذکرِ عمرِ یار نہ لانا شبِ وصل
میری ہستی کو کہیں تو نہ مٹانا شبِ وصل

غیر کا ذکر مرے روبرو جانے دے نہ کر
شعلہ خو خوب نہیں مجھ کو جلانا شبِ وصل

خوش نصیبی کی مرے لوگ قسم کھاتے ہیں
جو کہا میر نے وہی یار نے مانا شبِ وصل

نہ دکھا جنبشِ مژگاں ترے قربان گیا
ظلم ہے دل پہ مرے تیر لگانا شبِ وصل

ایک مدت سے تمنائے شہادت ہے آہ
کفنِ سرخ سے دولھا ہی بنانا شبِ وصل

۱۵

اے صنم بہرِ خدا دل نہ کڑھانا شبِ وصل
لب پہ تو حرف جدائی کا نہ لانا شبِ وصل

قسم تجھ سے مجھے سو بات کی ہے منہ کو نہ پھیر
ایک بوسے کے لیے آنکھ چرانا شبِ وصل

صبح کاذب بھی نہیں بانگ نہ دے مرغِ سحر
ہاتھ سے میرے گلا تو نہ کٹانا شبِ وصل

بعدِ مدت میں ہم آغوش ہوا ہوں سو رہ
ستمِ تازہ ہے عاشق کا جگانا شبِ وصل

بے سبب تم نے ملی پاؤں میں مہندی یہ نہیں
ہے نہ آنے کا بایں رنگ بہانا شبِ وصل

غسل ....
میری تقدیر میں ہے خوں سے نہانا شبِ وصل

۱٦

مرغانِ چمن کیوں نہ ہوں قربانِ سرِ گل
ہے دل میں لگا ان کے خدنگِ نظرِ گل

لینا ہے تو لے بادِ بہاری خبرِ گل
ہے دم میں چراغِ سحر آسا سفرِ گل

سررشتۂ الفت ہے تجھے بلبلِ شیدا
ہے سوزنِ منقار سے چاکِ جگرِ گل

ہے گلشنِ دنیا میں یہ اک ہفتے کا مہماں
اے بادِ صبا تھول دے ٹک گوشِ کرِ گل

اس بات میں میری نہیں یارو سرِ مو فرق
سمجھو نہ رگِ گل اسے یہ ہے کمرِ گل

یاقوت ہی کیا آتشِ غیرت میں جلے ہے
شرمندہ ترے لب سے ہے ہر برگِ ترِ گل

اے سروِ رواں وہ بہ تری فندقِ پا ہے
روکش ہو نہ یاقوت نہ ہم سر شررِ گل

رخ کا ترے خود رنگ ہے کندن نہ بنا خال
کوئی بھی لگاتا ہے کسوٹی سے زرِ گل

اپنا یہ ہوا خواہ سمجھتا ہے جسے آہ
سو پیکِ صبا بھی نہیں پہنچا بسرِ گل

اڑ کر قفسِ بلبلِ نالاں میں پہنچتا
صیّاد چمن میں نہ ہوئے بال و پرِ گل
(ناتمام)

۱۷

چھوڑے ہے تیر شاخ کے پیہم کماں سے پھول
کیا ٹکڑے ٹکڑے ہو کے لڑے ہے خزاں سے پھول
کیونکر جلے نہ آتشِ غیرت سے پھلجھڑی
جھڑتے ہیں بات بات میں تیری زباں سے پھول
موجِ شراب کیوں نہ ہو زاہد گلے کا ہار
سنتا ہوں نامِ بادہ صدا میکشاں سے پھول
پہنچے ہے اس کی گرمیٔ بازار کو یہ کب
کہتا ہے اشک داغِ دلِ عاشقاں سے پھول
دونوں کے رنگ میں نہیں پاتی ہے چشم فرق
ہم سر نہ کس روش ہو بھلا گل رخاں سے پھول
بلبل ترے جلیں گے خس و خارِ آشیاں
اڑ کر پڑا جو آگ کا اک گلستاں سے پھول
بولا وہ داغِ دل کو مرے دیکھ رشکِ گل
بے موسمِ بہار یہ لایا کہاں سے پھول
کرتا ہے فرشِ راہِ گل اندام اے نصیر
لالے کے گل فروش بھی اپنی دوکاں سے پھول

۱۸

جو باغِ ہند میں ہے مرے گل کے منہ پہ تل
وہ خال خال ہیں بتِ کابل کے منہ پہ تل
کچھ کم نہیں ہے من سے یہ مارِ سیاہ کے
عارض کا تیرے سایۂ کاکل کے منہ پہ تل

صیاد داغِ فرقتِ گل کے عوض اگر
ہوتا تو خوب تھا دلِ بلبل کے منہ پہ تل

بل بے وفورِ نشۂ صہبا کہ ساقیا
سمجھے ہے وہ مگس کو بتِ بل کے منہ پہ تل

کیا چمکے قطرہ خونِ سیہ کا بنا ہے دیکھ
تیرے شہیدِ تیغِ تغافل کے منہ پہ تل

کیا خاک عندلیبِ سیہ بخت اب جیے
بھونرا بنا ہے بادِ صبا گل کے منہ پہ تل

میری نظر میں اخترِ دنبالہ دار ہیں
ہر تارِ زلفِ یار سے مل جل کے منہ پہ تل

کس کی نظر لگے کہ برنگِ سپید ہیں
یارو بتانِ اہلِ تجمّل کے منہ پہ تل

نسبت دو اس کو مہرِ خموشی سے نکتہ داں
دیکھو کبھو گر اہلِ توکل کے منہ پہ تل

اے رشکِ گل یہ قطرۂ شبنم نہیں ہے، بوجھ
آئے جبیں پہ کیونکہ ترے دھل کے منہ پہ تل

اپنے غبارِ خط سے مکدّر وہ کیوں نہ ہو
پنہاں ہیں جس میں دانہ صفت دل کے منہ پہ تل

قنبر کی چشم کی ہے یہ پُتلی کی آرزو
یا شیرِ حق بنوں ترے دُلدل کے منہ پہ تل

حیرت کی جا نہیں جو نکل آئے اے نصیر
سودے میں زلفِ یار کے سنبل کے منہ پہ تل

(ناتمام)

۱۹

خوشی سے کر رہی ہے غل ادھر قمری اُدھر بلبل
چمن میں دیکھ سرو و گل ادھر قمری اُدھر بلبل
ہوئی حیراں خط و زلف و قد و رخ دیکھ کر اُس کا
ادھر سبزہ اُدھر سنبل ، ادھر قمری اُدھر بلبل
(ناتمام)

۲۰

سنگِ جفا سے ہے ترے شیشہ شکستہ دل
پر کیجو محتسب نہ کسی کا شکستہ دل
سیر اس چمن کی کوئی کرے کیا شکستہ دل
گل ہے شکستہ خاطر و غنچہ شکستہ دل
مانندِ جامِ چینیٔ مُو دار ہوں خموش
ہوگا جہاں میں کوئی نہ مجھ سا شکستہ دل
دورِ فلک میں کیفیتِ مے کشی نہیں
ساغر شکستہ رنگ ہے ، مینا شکستہ دل
دیکھا نہ تو نے پردۂ محمل اُٹھا کے آہ
مجنوں بھلا نہ کیونکہ ہو لیلیٰ شکستہ دل
مینائے مے کو عالمِ مستی میں تو نہ توڑ
ہو جائے گا حباب بہ دریا شکستہ دل
اے چشم خاک پر نہ لٹا طفلِ اشک کو
ہے نورِ دیدہ ، اس کو نہ کرنا شکستہ دل
اے نوکِ خارِ دشتِ جنوں تو مجھے نہ چھیڑ
میں ہوں برنگِ آبلۂ پا شکستہ دل

دکھلا نہ اپنے کان کے جھمکے کی اس کو تاب
ہو جائے گی فلک پہ ثریّا شکستہ دل
دستِ جنوں سے میں وہ گریباں دریدہ ہوں
ہے جس کے غم سے سوزنِ عیسیٰ شکستہ دل
ہم چشمی اس کی چشم کی کرنی نہ تھی تجھے
آخر ہوا تو آہوئے صحرا شکستہ دل
ملتا نہیں کمر کا ترے اے میاں سراغ
اس غم سے ایک میں نہیں تنہا شکستہ دل
جو ہے سو وہ حیات کو سمجھے ہے اپنی ہیچ
ہے مور دل گرفتہ، ہے عنقا شکستہ دل
تو جا کے کیا کرے گا بتا مجھ کو قاصدا
نامہ ایسے کسی نے نہ لکھا شکستہ دل
طاقت کسے ہے اپنے وہاں عرضِ حال کی
ارمان جاں بلب ہے، تمنّا شکستہ دل
ایسی غزل کہی ہے یہ تو نے کہ اے نصیر
ناسخ جگر فگار ہے، گویا شکستہ دل

۲۱

سر سے اے ہم نفساں ہاتھ اٹھانا مشکل
پائے قاتل میں ہے مہندی کا لگانا مشکل
ہے سراغِ کمرِ یار کا پانا مشکل
گر ملا بھی تو عدم سے ہے پھر آنا مشکل
ہے ترے کاکلِ برہم کا بنانا مشکل
سانپ ہے اس کا ہے ہاتھوں میں کھلانا مشکل

اُس کے کاکل کے تصور میں نہ کھینچ اے دل آہ
تیر اندھیرے میں ہدف پر ہے لگانا مشکل

کر نہ تکلیف صبا غنچۂ تصویر ہوں میں
روشِ گل ہے مرا آہ ہنسانا مشکل

بوسہ لیتا لبِ شیریں کا ترے پر ہے خال
مگسِ زندہ کا ہے جان کے کھانا مشکل

کیا کرے گا کوئی تقلیدِ حبابِ دریا
اپنی ہستی کو ہے اک دم میں مٹانا مشکل

نفسِ سرد کے ہاتھوں سے ہوئی ضبط نہ آہ
ہوگیا آگ کا آندھی میں دبانا مشکل

عشق کم ظرف سے پنہاں نہیں ہو سکتا ہے
کہ سمندر کا ہے کوزے میں چھپانا مشکل

یہ ہنر موجِ تبسم کو ہے تیری ہی یاد
ورنہ ہے برق کا بے ابر دکھانا مشکل

دانہ یاں مزرعِ دنیا میں ہے گو سرسبزی
آپ کو خاک میں لیکن ہے ملانا مشکل

عشقِ آہو نگہاں دل تجھے کھا جائے گا
صید کا شیر کے منہ سے ہے چھڑانا مشکل

تنِ لاغر کی مرے تار نفس سے ہے نمود
ورنہ ہے سوزنِ گم گشتہ کا پانا مشکل

لٹ تری زلف کی ابرو پہ ہے کیونکر دیکھوں
ماہِ نو کا ہے گھٹا میں نظر آنا مشکل

پاؤں رکھنا تو رہِ عشق میں آساں تر ہے
صفتِ شمع ہے پر سر کا کٹانا مشکل
خوف لختِ دلِ سوزاں کا کرے کیا مژگاں
ہیزمِ تر کا ہے آتش کو جلانا مشکل
پیچ در پیچ ہے دل زلف کا کوچہ، مت جا
خضرِ خط کو بھی ہے رستہ یہ بتانا مشکل
آبِ گریہ سے فرو ہوگی نہ دل سوزشِ عشق
مشتعل آگ ہے، اس کا ہے بجھانا مشکل
زاہدا عاشقِ جاں باز ہوں، میری تقلید
تو نہ کر، یار سے ہے آنکھ لڑانا مشکل
سجدہ محرابِ عبادت میں ہے کرنا آساں
تہ شمشیر ہے پر سر کا جھکانا مشکل
جس کو کشتہ کرے یہ چشمِ مفتّن تیری
اُس کا پھر خوابِ عدم سے ہے جگانا مشکل
تو ہی کچھ دے لبِ جاں بخش سے اپنے قاتل
ایسے مردے کو ہے عیسیٰ کا جلانا مشکل
آج اس شوخ کے بر میں ہے بسنتی پوشاک
دلِ بے تاب آپے قابو میں ہے لانا مشکل
کون ہاں دامِ بلا میں ہو گرفتار نصیرؔ
دل لگانا تو ہے آسان، چھڑانا مشکل

۲۲

نے برق نہ شعلہ ہے، نہ اخگر طپشِ دل
رکھتی ہے کچھ اب عالمِ دیگر طپشِ دل

تھی چشم ہمیں تجھ سے بہت آج کے دن آہ
اے دیدۂ گریاں نہ بجھی پر طپشِ دل

ہر لحظہ آڑے کیونکہ نہ رنگِ رخِ عاشق
دیتی ہے لٹا مثلِ کبوتر طپشِ دل

جوں شعلۂ فانوس ترے ہجر میں ہر شب
بے چین ہی رکھتی ہے سراسر طپشِ دل

اس چال سے مت چل کہ مرے سر پہ مبادا
برپا کرے ہنگامۂ محشر طپشِ دل

کب طائرِ سیماب رکھے یہ پرِ پرواز
پہلو میں جو کچھ مارے ہے شہپر طپشِ دل

آنکھوں میں ہے کیا آتش سینہ کی سی سوزش
اب آگ لگا دے گی کسئی گھر طپشِ دل

از بسکہ حرارت ہے تپِ عشق کی یارب
رہتی ہے مرے سینے میں اکثر طپشِ دل

نے وصل نصیر اس سے نہ کچھ نامہ و پیغام
بتلا تو بھلا جائے گی کیونکر طپشِ دل

۲۳

تسخیرِ حاضرات رکھے ہے چراغِ دل
اپنا بہ از نگینِ سلیماں ہے داغِ دل

جوں شانہ اس کی زلف میں کس کو ہے دسترس
لا دیوے مو بہ مو جو ہمارا سراغِ دل

ہوتا ہے بوے گل سے گلستاں میں بد دماغ
پایا ہی اب کہیں نہیں جاتا دماغِ دل

ساقی کرے بغیر تو اس دور میں مدام
مانندِ آفتاب ہے پُر خوں ایاغِ دل
جوں قیس سیر کرتے ہیں صحرا نوردِ عشق
دلچسپ ہے یہ باغِ ارم سے بھی باغِ دل
کھانے کی لکڑیاں بہت اے آتشِ جگر
ٹک سرد ہوگیا اگر اپنا اُجاغِ دل
خواہش ہے یہ فلک سے کہ اک دن گلے کا ہار
ہو جائے تو کہیں کہ شگفتہ ہو باغِ دل
پھر احتیاج ثالثِ بالخیر کی نہیں
اک تو ہو پاس، دوسرے بس ہو فراغِ دل
لکھ اس زمیں میں اور شگفتہ غزل نصیر
کھل جائے جس کے سنتے ہی یاروں کا باغِ دل

۲۴

روشن دوچند مہ سے ہے اپنا چراغِ دل
اے شمع عکسِ مُہرِ نبوّت ہے داغِ دل
آنکھوں میں صبح و شام نہ کیونکرر کھوں کہ اشک
لڑکا ہے نورِ چشم ہے اپنا چراغِ دل
دیکھا نہ تنگ دل کو شگفتہ بسانِ گل
غنچے کو کب چمن میں بھلا ہے فراغِ دل
برباد ہوگئی ہے صبا خاک چھانتے
پایا نہ تیرے گم شدگاں کا سراغِ دل
کس کو دل و دماغ ہے گلگشتِ باغ کا
کچھ اور بُو رکھے ہے صبا اب دماغِ دل

کب اُس کے ظرف کو یہاں پہنچے ہے جامِ جم
کم ظرف کیا سمجھتے ہیں کیا ہے ایاغِ دل
کب اس پھبن سے ڈھال کا پھول اُس کے ہے نصیر
رکھتا ہے جو بہار ہمارا یہ داغِ دل

۲۵

ہمارا دشمنِ جاں ہے تو ہو وہ مہرباں در دل
مثل مشہور ہے یاراں حسابِ دوستاں در دل
خیال اُس شوخ کے ابرو کا اپنے جی میں رہتا ہے
کہ ناخن شیر کا رکھتا ہے بہرِ حرزِ جاں در دل
یہاں ہر ایک اپنے اپنے من میں لا کھ من کا ہے
محقّر آپ کو سمجھیں ہیں کب یہ ناکساں در دل
نشاں اُن شہسواروں کا نہ پایا نام کو ہم نے
کہاں وہ رکھتے تھے جو خواہشِ فیل و نشاں در دل
نہیں پھولے سماتے پیرہن میں اپنے ہو خنداں
ہر اک گل باغ میں گویا ہے شاخِ زعفراں در دل

قطعہ

نصیر آساں نہیں درویش ہونا ، دیکھ منہ اپنا
صفائی کچھ تو پیدا کر ذرا آئینہ ساں در دل
بہت مشکل ہے ہائے حرص گر توڑیں زبردستی
یہ جرأت ہو سکے تب جب قناعت ہو میاں در دل

۲۶

تاثیر سے خالی نہیں ہردم طپشِ دل
کھینچے گی تجھے مثلِ کہاں اب کششِ دل

آیا ہے مرا ناک میں دم ہاتھ سے اس کے
یارب کہیں مٹ جائے شتابی خلشِ دل
غنچے کی طرح گانٹھ گرہ میں نہیں کچھ آہ
اور ہے بھی تو اک خونِ جگر ہے خورشِ دل
ٹکرا دے اسے دیکھ رہے شانہ سے اُلجھے
ہو زلفِ چلیپا سے نہ کیوں سرزنشِ دل (کذا)
اے بادِ صبا کون ہوا خواہ ہے اس کا
اُس غنچہ دہن سے جو کہے کورنشِ دل
پہلو میں اسے طفل نمط کیونکہ نہ رکھوں
منظور ہے اے جان مجھے پرورشِ دل
گہ نالہ و فریاد، گہے آہ و فغاں ہے
کچھ ان دنوں ہر آن نئی ہے روشِ دل
مت پوچھ کچھ احوال کہ لے کر علمِ آہ
افواجِ غمِ درد پہ ہے اب یورشِ دل (کذا)
اک مور کو دے بخش ابھی تاجِ سلیماں
یعنی کہ نصیر اب ہے یہ داد و دہشِ دل

۲۷

بلبل، ہزار حیف، نہ ہو ہم کنارِ گل
اور مفت میں نسیم تو لوٹے بہارِ گل
پانی بھرے نہ چشمۂ خورشید کس روش
ہو آبشارِ صبح جو آئینہ دارِ گل
مژگاں پہ لختِ دل کی میں دکھلاؤں کیا بہار
کٹ جائے گی چمن میں صبا شاخسارِ گل

مدفن ہے تیرے عاشقِ نازک مزاج کا
لوحِ مزار پر نہ رکھ اس کے تو بارِ گل

....

اس داغِ دل سے اپنے کروں گر دوچارِ گل
شبنم یہ تیرے ہاتھ ہے اب اُس کی آبرو
چمکا دیا ہے تو نے چمن میں عذارِ گل
میں نے کہا کہ عشق میں اے گلبدن ترے
کھائے ہیں گل یہ ہاتھ پہ، کیا ہو شمارِ گل
بولا کہ عاشقی میں قدم رکھ کے تو نہ پھول
یاں کس شمار میں ہے سنا یہ قطارِ گل
رخ پر نصیر اُس کے ہے خط سے بہار دیکھ
اپنی نظر میں خار سے ہے افتخارِ گل

۲۸

کریں گے رو کشی گر صبح کو تجھ سے چمن میں گل
تو رکھ چائے گی ہیرا لے کے شبنم سے دہن میں گل
ہوئے ہیں شاد تجھ کو دیکھ کر ایسے چمن میں گل
نہیں پھولے سماتے آج اپنے پیرہن میں گل
نزاکت کیا کہوں اُس کی کہ شب کو بسترِ گل پر
بدلتے کروٹیں جوں خار چبھتے ہیں بدن میں گل
ظہورِ رنگِ اُلفت دامنِ کہسار میں دیکھو
گریباں چاک ہیں لالے کے عشقِ کوہکن میں گل
تحیّر میں ہوں میں وہ دیکھ خالِ گوشۂ ابرو
لگا ہے نیلوفر کا شاخِ آہوے ختن میں گل

عجب ہی رنگ سے محفل میں کی کل اس نے مے نوشی
کہ شکلِ غنچہ شیشہ تھا پیالہ انجمن میں گل

تری چمپا کلی میں یہ نہیں ہوتی ہے آویزاں
کھلے ہیں موتیا کے زور سورج کی کرن میں گل

بہار آئی ہے ، اے موجِ صبا زنجیر پہنا دے
گریباں چاک آتے ہیں نظر دیوانہ پن میں گل

مزارِ کشتۂ الفت پہ کیا حاجت ہے پھولوں کی
کہ داغِ سینہ کو سمجھے ہے وہ چاکِ کفن میں گل

نصیر اب تو ہی اپنی طرز کا ہے ایک عالم میں
کہ ہیں مضمون و معنی کے ترے باغِ سخن میں گل

۲۹

چمک رہا ہے چمن میں ابھی ستارۂ گل
شعاعِ مہر جو ہے صبح گوشوارۂ گل

چمن میں سوزنِ منقار سے ترے بلبل
رفو ہوا نہ گریبانِ پارہ پارۂ گل

رکھے ہے مرہمِ کافور صبح زخموں پر
نہیں ہے اس کے سوا اور کوئی چارۂ گل

چمن میں طائرِ بال شکستہ ہوں صیّاد
ہنوز جس کو میسّر نہیں نظّارۂ گل

برنگ کاغذِ آتش زدہ ہے تختۂ باغ
ہر ایک آگ لگانے کو ہے شرارۂ گل

کیا عدم کو سفر موسمِ بہار نے حیف
خزاں کے دوش پہ ہے آج گاہوارۂ گل

نہیں ہے تارِ رگِ گل میں قطرۂ شبنم
یہ موتیوں کی ہے تسبیح استخارۂ گل

عجب ہے سیرِ گلِ چاندنی شبِ مہ میں
رہے نصیب سدا جلوہ ستارۂ گل

نہیں یہ ہلتی ہے تحریک سے نسیم کی شاخ
ہر اک طرف کو ہے انگشت سے اشارۂ گل

۳۰

گرہ غنچہ فقط تو نہ صبا کھول کے چل
گلچھڑی دل کی ہمارے بھی ذرا کھول کے چل

اور ہی رنگ ہے پامال کر اس دل کو نگار
کب میں کہتا ہوں کہ پاؤں سے حنا کھول کے چل

ہے رگِ گل سے میاں تیری کمر نازک تر
کس کے مت باندھ اسے، مان کہا، کھول کے چل

گرچہ پروا نہیں صیّاد تجھے پر تو بھی (کذا)
پرِ مرغانِ گرفتار، سنا، کھول کے چل

دلِ وابستہ کا گردن پہ نہ لے اپنے وبال
آج جوڑے کو صنم بہرِ خدا کھول کے چل

ایک نیزے پہ دکھا مہرِ قیامت کو نہ شوخ
سر پہ باندھا ہے جو تعویذِ طلا کھول کے چل

غنچۂ گل کہوں یا تیرے دہن کو کچھ اور
تنگ آیا ہوں اس عقدے کو بھلا کھول کے چل

رشک آتا ہے کہ دیکھے گی تجھے چشمِ قمر
شام کو گھر سے نہ تو بندِ قبا کھول کے چل

نہ لگا رشتۂ الفت میں گرہ ، جانے دے
دل کی گھنڈی کسی مہجور کی آ کھول کے چل

دن دیے شہر میں غل چاند گہن کا ہوگا
صبح دم رخ پہ نہ تو زلفِ دوتا کھول کے چل

اس میں گر دل نہیں تو غنچہ دہن دکھلا دے
بند مٹھی مرے پہلو سے نہ جا کھول کے چل

کیوں نہ حیراں ہوں کہ آئینہ ہے تجھ سے رو کش
اس کی کچھ وجہہ باآئینِ صفا کھول کے چل

دوش پر غنچے نے تو رختِ سفر باندھا ہے
کان پر گل کے ہے ٹک پیکِ صبا کھول کے چل

اے دل اک کوچۂ سربستہ ہے اس شوخ کی مانگ
چشم جوں آئنہ اس رہ میں سدا کھول کے چل

چشم تر آئنہ ساں کیوں ہے شب و روز نصیر
بیٹھ جا ، اپنی حقیقت کو دلا کھول کے چل

۳۱

چشمِ تر پھینک ان اشکوں کو نہ تو خاک کے مول
دُرِ شہوار ہیں یہ انجمِ افلاک کے مول

تو ہزار اس کی بڑھا باغ میں قیمت بلبل
گل کو لے گا نہ کوئی اس دلِ صد چاک کے مول

تیری اک جنبشِ مژگاں پہ ہے سودا دل کا
جنسِ دل بیچتے ہیں ہم خس و خاشاک کے مول

گر فلک سیر ہمارا ہے یہ شب دیز خیال
پر لیا کس نے ترے توسنِ چالاک کے مول

زاہدا اس دلِ صد چاک کی قیمت مت پوچھ
یہ وہ شانہ نہیں تو لے جسے مسواک کے مول

غنچہ کیوں تہ نہ کرے رخت چمن میں اپنا
کہ بہر رنگ نہیں وہ تری پوشاک کے مول

عقدِ پرویں یہ نہیں چرخ پہ اے بادہ نشاں
دیجو اس خوشۂ انگور کو تک تاک کے مول

کیوں نہ اس سلطنتِ فقر پہ نازاں ہوں نصیر
تاج اپنا بھی یہ ہے افسرِ ضحّاک کے مول

۳۲

آس خیالِ مژہ سے یوں ہے دلِ زار میں بال
جیسے آ جائے ہے مینائے سبکسار میں بال

مشکِ تاتار کی بو آئی ہے اے بادِ صبا
کس کی چوٹی کے اڑا لائی ہے گلزار میں بال

مرغِ دل گو ترے شاہینِ نگہ سے چھوٹا
لے گیا نوچ کے پر پنجۂ منقار میں بال

رشکِ صد تختۂ سنبل ہو ، اگر زلفوں کے
کنگھی کرنے سے جھڑیں دامنِ کہسار میں بال

تجھ سے یہ چشم نہ تھی آہ بتِ آہو چشم
کہ مجھے شیر کا دے تو مئے گلنار میں بال

کچھ تسلّی ہو ترے تاکہ سیہ بختوں کو
رکھ دے پنبہ کے عوض رخنۂ دیوار میں بال

آبرو جوہرِ ذاتی سے ہے دنیا میں ، صدف
کب ہے جز دُرِ نجف ہر دُرِ شہوار میں بال

بل بے اے معجزۂ حسن کہ اُس خط کے کبھی
جلتے دیکھے نہ ذرا شعلۂ رخسار میں بال
ہوگا جوں شانہ یہ دل رشک سے صد چاک ابھی
مر کے مت کھول صنم محفلِ اغیار میں بال
دیکھ آ جائے نہ خورشید تہِ ابرِ سیاہ
رخ پہ کاکل کے نہ چل چھوڑ کے بازار میں بال
ناتواں وہ ہوں کہ میری ہی نظر میں مجھ سے
ہمدمو کچھ بھی زیادہ نہیں مقدار میں بال
چشمِ عنقا میں بھلا کیونکہ نہ ہر پل کھٹکوں
بن گیا ہوں میں خیالِ کمرِ یار میں بال
آفریں معنیٔ باریک سے کیا خوب نصیر
تو نے پیدا کیے ہیں سربسر اشعار میں بال

۳۳

کوئی کہتا نہیں اتنا یہ دل آزار سے مل
جائے پرہیز نہیں عاشقِ بیمار سے مل
سینہ زخموں سے کیا تختۂ گلزار سے مل
رنگ اپنا یہ ہوا ہے بتِ خونخوار سے مل
میں وہ تشنہ ہوں کہ اک دم کے لیے اے قاتل
منّتِ آب نہ کھینچوں تری تلوار سے مل
رشکِ مہ بن ہے یہ اندھیر کہ مجھ پر تارے
دمبدم آنکھیں نکالے ہیں شبِ تار سے مل
کبک نے کب کی تری چال اُڑائی ہوتی
پر کیا چال میں کب کا تری رفتار سے مل

ہے کہاں لالۂ احمر کہ دکھائی ہے بہار
خونِ فرہاد نے یہ دامنِ کہسار سے مل

رشکِ صد تختۂ گلزار بنا ہے دیکھو
پاٹ دامن کا مرے دیدۂ خوں بار سے مل

رات کو پاس مہِ نو کے نہ نکلا تارا
خال چمکا جو ترے ابروے خمدار سے مل

کچھ نہ تاثیر کی عکسِ خطِ دل آرا نے آج
زخم دل پر نہ ہوا مرہمِ زنگار سے مل

رشکِ مہ ہاتھ ملے عقدِ ثریّا نے رات
نو رتن چمکے جوں ہی ساعدِ دلدار سے مل

لکھ غزل اور اسی بحر میں اب تو کہ نصیر
جائے ہر شعر یہاں گوہرِ شہوار سے مل

۳۴

جنسِ دل لے کے نہ دل کاکلِ دلدار سے مل
اُس کی کیا گانٹھ میں ہے اور خریدار مل

قطرے چمکے ہیں عرق کے نہ رخِ یار سے مل
یا یہ شبنم گئی ہے مہرِ پُرانوار سے مل

زندگانی کی حلاوت کو وہی سمجھے ہے
لب گئے جس کے ترے لعلِ شکربار سے مل

گوشۂ چشم پہ اُس کے نہیں یہ زلف کی لٹ
شاخِ سنبل گئی ہے نرگسِ بیمار سے مل

مہ جبیں شب کو پلک سے بھی پلک اپنی آہ
گئی اک پل نہ تری حسرتِ دیدار سے مل

مردماں پارۂ دل اشک کے ہمراہ نہیں
نکلے ہیں لعل کے ٹکڑے دُرِ شہوار سے مل

دل پہ میرے ہوئے آثارِ خرابی پیدا
چشم اُس کی جو گئی رخنۂ دیوار سے مل

چشم کا اُس کی تصوّر ہے مری چشم میں یوں
ایک جا رہتے دو بادام ہیں جوں تار سے مل

لبِ خنداں پہ ترے رنگِ مسی ہے اے شوخ
آج اُٹھی ہے گھٹا برقِ شرربار سے مل

شبنم آلودہ یہ غنچہ ہے کہ یا چمکے ہے
تکمۂ لعل ترا موتیوں کے ہار سے مل

فرصت اک دم کی ہے اتنا نہ اُبھر دیکھ حباب
جائے گا بحرِ فنا میں سرِ پندار سے مل

مہ جبیں کیا ترے بالے کا ہر اک موتی بھی
تاب دکھلائے ہے اب زلف کے ہر تار سے مل

لے کے آئینہ ذرا تو بھی دکھا اپنی بہار
اور جگنو یہ چمکتے ہیں شبِ تار سے مل

چشمِ اُلفت تو نصیر ایسے نہ بے دید سے رکھ
چھوڑ دے اُس کو، کسی اور خریدار سے مل

———: o :———

ردیف م

۱

خط ترا ہر روز پڑھواتے ہیں ہم
دل اسی پرچے سے پرچاتے ہیں ہم

تیرے قد سے ہمسر اب پاتے ہیں ہم
سرو کا سر کاٹ کر لاتے ہیں ہم

گوہرِ دنداں دکھا دو ہنس کے آج
ورنہ ہیرے کی کنی کھاتے ہیں ہم

چشم سے مژگاں پہ آئے اشکِ سرخ
تیری رتی آج چمکاتے ہیں ہم

چھوڑ وہ ابرو، گرہ دل کی ہلال
تیرے کب ناخن سے کھلواتے ہیں ہم

زلفِ خوباں کیوں گلے پڑتی ہے تو
کوئی تیرے دام میں آتے ہیں ہم

اے میاں تیری کمر کا کر خیال
لامکاں میں آپ کو پاتے ہیں ہم

جلوۂ موجِ تبسم یار کا
برق کو دکھلا کے تڑپاتے ہیں ہم

اب تو اُس کوچے میں جو کچھ ہو سو ہو
جان جائے یا رہے، جاتے ہیں ہم

دیکھنے کو اُن کے رخساروں کے تل
ہمدمو! جب ہاتھ دوڑاتے ہیں ہم
چشمِ تر اپنی جواہر خانہ ہے
گر نہ باور ہو، قسم کھاتے ہیں ہم

کب تجھے اشکِ مسلسل کی لڑی
پنجۂ مژگاں میں دکھلاتے ہیں ہم
مردمانِ چشم سے تیرے لیے
موتیوں کا ہار بنواتے ہیں ہم

ہوں خفا کہتے ہیں کیا رہ تو سہی
تجھ کو اب کولھو میں پلواتے ہیں ہم
ان سے جب پوچھی تپِ غم کی دوا
ہنس کے کیا بولے کہ فرماتے ہیں ہم

تخم ریحاں شربتِ عناب میں (؟)
لو اگر ہووے تو بتلاتے ہیں ہم
عرض کی میں نے کہ اے بندہ نواز
اس کی تاثیر اور کچھ پاتے ہیں ہم

بوسۂ خالِ دہان و لب اگر
لطف سے دیجے تو بچ جاتے ہیں ہم
صفحۂ ہستی سے اٹھتے ہیں کوئی
نقشِ نو جوں مہر بٹھلاتے ہیں ہم

....
تیرے ملنے کے لیے آتے ہیں ہم

۲

چشم میں کب اشک بھر لاتے ہیں ہم
رات دن موتی ہی برساتے ہیں ہم

جبکہ وہ تیرِ نگہ کھاتے ہیں ہم
سہم کر بس سرد ہو جاتے ہیں ہم

جنسِ دل کو چھوڑ مت اے زلفِ یار
ہے یہ سودا مفت ٹھہراتے ہیں ہم

ناصحا دستِ جنوں سے کام ہے
کب یہ چاکِ جیب سلواتے ہیں ہم

اس قدر مت کر شرارت شعلہ خیز
تیری ان باتوں سے جل جاتے ہیں ہم

کون کہتا ہے نہ کیجے امتحاں
گر ابھی کہیے تو مر جاتے ہیں ہم

خط بتِ نو خط لکھے ہے غیر کو
پیچ و تاب اس واسطے کھاتے ہیں ہم

کھولیے کیا آنکھ مانندِ حباب
طرفة العین آہ مٹ جاتے ہیں ہم

چھیڑنے سے زلف کے الجھو نہ تم
پڑ گیا ہے پیچ، سلجھاتے ہیں ہم

گرچہ میں درویش لیکن اے فلک
تجھ کو خاطر میں نہیں لاتے ہیں ہم

نیم ناں کے واسطے کب جوں ہلال
تیرے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں ہم

گلشنِ دنیا ہے نیرنگی کے ساتھ
اور کچھ اس کی روش پاتے ہیں ہم
کب برنگِ بوے گل باہر صبا
اپنے جاسے سے نکل جاتے ہیں ہم
جس قدر یاں دیکھتے ہیں اوڑھنا
پاؤں یاں اتنے ہی پھیلاتے ہیں ہم
کیا کریں کس سے کہیں ناچار ہیں
دل کی بے تابی سے گھبراتے ہیں ہم
کوئی بھی اتنا نہیں کہتا نصیر
صبر کر ظالم ، آپے لاتے ہیں ہم

۳

از بسکہ ہے گل میں روشِ ناز و ادا گرم
پر تو بھی لگاوٹ میں ہے اے بادِ صبا گرم
دم میں نے جو ساتھ آہ کے مجلس میں بھرا گرم
کہنے لگے آتی ہے کہاں سے یہ ہوا گرم
یہ دل بھی کوئی آگ لگانے میں ہے آندھی
بھڑکایا یہاں مجھ کو وہاں اس کو کیا گرم
خورشید کی ہو گرمیِ بازار وہیں سرد
آنکھیں اسے دکھلائے جو تو ہو کے ذرا گرم
آزار تپِ عشق میں رکھتا ہوں طبیبو
تم کیا یہ سمجھ کر مجھے دیتے ہو دوا گرم
سمجھے گی جو چڑھ جائے گی اپنے یہ کبھی ہاتھ
ہوتی ہے ترے پا سے لپٹنے کو حنا گرم

ٹک شعلہ رخو شمع کو انصاف سے دیکھ
اس گورے بدن پر نظر آتی ہے یہ کیا گرم

پہلو نہ تہی کیجیے مانندِ مہ نو
اک شب تو بغل کیجیے اے ماہِ لقا گرم

کہنے کو صبا بھی تھی ہواخواہ ولیکن
زخمِ جگرِ گل بھی چمن میں نہ سیا گرم

اس خانہ خراب آنکھ کا کیا کیجیے شکوہ
اس نے تو کبھی شوخ کو ہونے نہ دیا گرم

سرگرمِ سخن سب ہیں سخن سنج ولیکن
لکھتے تو نصیر ایسی غزل کوئی بھلا گرم

۴

آسی لعلِ لب کی ہیں جو ثناخوانیوں میں ہم
کہلاتے اس لیے ہیں بدخشانیوں میں ہم

کیا جانے کس کی زلف نے سودائی کر دیا
رہتے ہیں اب جو سلسلہ جنبالیوں میں ہم

تو مصرِ حسن میں مہِ کنعاں ہے العزیز
گنتے ہیں اس لیے تجھے لاثانیوں میں ہم

گردن میں طوق ، پاؤں میں زنجیر ڈال دے
تا حشر کو اٹھیں ترے زندانیوں میں ہم

رکھتے ہیں اشک دامنِ مژگاں میں اس لیے
موتی پروئیں گے تری چودانیوں میں ہم

یہ تو نہ ہوگا عشق کے مسلخ کو چھوڑ کر
قاتل گلا کٹائیں جو قربانیوں میں ہم

اے سادہ رو بتا کہ سکندر کو کیا کہیں
تو دیکھے آئنہ، رہیں حیرانیوں میں ہم

افغاں سے تیرے رات کی نیند اپنی اڑ گئی
بیچیں گے جا کے دل تجھے افغانیوں میں ہم

غنچے کے زر ہے گانٹھ میں خاطر نہ کیوں ہو جمع
گل کی روش ہیں آہ پریشانیوں میں ہم

اپنی ہے روز آمد و شد کوے یار میں
گنتے ہیں قیس تجھ کو بیابانیوں میں ہم

ابرو کی تیغ دو نہ دکھا ترک چشم یار
ہاں اس کو جانتے ہیں صفاہانیوں میں ہم

دکھلا دو ساقِ پا کہیں ورنہ برنگ شمع
اشکوں کی ڈوب جائیں گے طغیانیوں میں ہم

اس مرغِ دل پہ مرغِ نظر چھوڑتے تو ہو
ہر لیں گے بازی آپ سے دو پانیوں میں ہم

تدبیر خوان آبلہ کرتے ہیں دل میں روز
مصروف ہیں یہ عشق کی مہمانیوں میں ہم

چوٹی سے تیری زلف کو ہو کیوں نہ ہم سری
فرق ان کی دیکھتے نہیں طولانیوں میں ہم

پامال کیوں نہ دل ہو کہ ہاں دیکھتے ہیں آج
تیرے سمندِ ناز کو جولانیوں میں ہم

ہاتھوں سے چشمِ یار کے تا صبح شام سے
سوتے نہیں ہیں دل کی نگہبانیوں میں ہم

خوباں کے ہے دہن کا کسے ہمدسو خیال
اِستے ملا کے کھائیں جو خوبانیوں میں ہم
سدت سے تلخ کام ہیں، بوسے ہی کیوں نہ لیں
پاتے لبوں کو ہیں شکر افشانیوں میں ہم
تجھ کو بگاڑنی تھی نہ سلطانِ عشق سے
غارت ہوئے دلا تری نادانیوں میں ہم
منہ پر چلی ہی آتی ہے فوجِ سرشکِ چشم
بےطرح آہ گھر گئے دُرانیوں میں ہم
کس کس کی سرنوشت پہ قاتل نظر کریں
پاتے سدا ہیں تجھ کو ستم رانیوں میں ہم
جو بات پیش آنی تھی سو پیش آ گئی
کیا دیکھیں تیرے کشتوں کی پیشانیوں میں ہم
پاتے ہیں اپنے فیضِ سخن سے سدا نصیر
مرغانِ گلستاں کو غزل خوانیوں میں ہم

۵

پامالِ راہِ عشق ہیں خلقت کی کھا ٹھوکر بھی ہم
جوں شیشہ نازک تر تھے، کیا سختی میں ہیں پتھر بھی ہم
آئینہ دل کا صاف کر کہلائے صیقل گر بھی ہم
اپنے سوا دیکھیں کسے: اندر بھی ہم باہر بھی ہم
جاں بر ہو اُن سے کیونکہ دل کہتی ہیں پلکیں یار کی
نیزہ بھی ہم ناوک بھی ہم برچھی بھی ہم خنجر بھی ہم
اشکوں کی دولت کیوں نہ ہو سلطانِ اقلیمِ جنوں
رکھتے ہیں ساتھ اپنے سدا لڑکوں کا اک لشکر بھی ہم

چتوا کے ابرو مجھ سے کیا وہ ہنس کے فرمانے لگے
اس تیغ کے دم لے سدا دکھلائیں گے جوہر بھی ہم
کیا خاک کیجے مےکشی اے ساقیِ گلفام آ
گریاں ہیں مثلِ ابر کیا جوں برق ہیں مضطر بھی ہم
کہتے ہیں وہ پاں خوردہ لب یاقوت کے ٹکڑے تو تھے
کہلانے لیکن آج سے برگِ گلِ احمر بھی ہم
اے شوخ دانتوں کا ترے یاں یہ تصوّر ہے بندھا
دن رات چشمِ تر سے یاں برساتے ہیں گوہر بھی ہم
رکھتے تو ہیں گردابِ یم ہر ڈر ہے یہ اے چشمِ تر
گردابِ دریا کی طرح دکھاتے ہیں یاں چکّر بھی ہم
جو چاہے کر جور و جفا پر دل کا مہرِ داغ سے
روزِ قیامت کو سنا دکھلائیں گے محضر بھی ہم
قد سے نصیر اُس کے سدا اک شورِ محشر ہے بپا
چھوٹے عذابِ قبر سے کیا خاک یاں مر کر بھی ہم

٦

اس گلشنِ وحدت کے ہیں کثرت میں ثمر ہم
دکھلائیں نہ کیوں شاخِ گل و برگ و ثمر ہم
آغوش میں کھینچ اُس کو بہ اندازِ دگر ہم
ہالے میں دکھاتے ہیں کھڑے دن کو قمر ہم
جوں ذرہ نہیں ایک جگہ خاک بسر ہم
اے مہرِ جہاں تاب جدھر تو ہے اُدھر ہم
اس فرصتِ یک دم پہ دلا کر کے نظر ہم
مانندِ حباب آہ اُٹھاتے نہیں سر ہم

روتے ہیں سرِ شام سے اس واسطے جوں شمع
رکھتے ہیں یہاں روزِ قیامت کا خطر ہم

عاشق ہیں ، ملیں خاک نہ کیوں اپنے بدن پر
تن زیب کی کر دل سے تمنّا کو بدر ہم

ہر اشکِ رواں کی نہیں دھاری ہے یہ تن پر
پہنے ہیں قبا ڈورئیے کی دیدۂ تر ہم

خود بینی اگر عیب ہے نزدیک تمھارے
تو بے ہنرو اس کو سمجھتے ہیں ہنر ہم

صاف اپنے سوا غیر کو پاتے نہیں واللہ
ڈرتے ہیں جب اس آئنہ دل میں نظر ہم

تشبیہ رگِ گل سے نہ دے اپنی کمر کو
باندھیں گے نئے رنگ سے مضمونِ کمر ہم

ہوتا ہے ترے ابروئے خم دار سے روکش
کیونکر نہ مہِ نو کو کریں شہر بدر ہم

ہے چشم کو پابوسیٔ دل دار کی خواہش
کیونکر نہ بنائیں اسے اے حلقۂ در ہم

آنکھوں کے تصوّر میں ترے اے مہِ بے مہر
رکھتے نہیں واللہ دو عالم کی خبر ہم

گو کنجِ قفس بیضۂ فولاد ہے ، پر آہ
صیّاد کی دہشت سے ہلاتے نہیں پر ہم

کیونکر نہ ہنسیں ہستیٔ موہوم پر اپنی
مانندِ شرر رہتے ہیں سرگرمِ سفر ہم

رکھ دل میں گرہ اُس کے نہ دنداں کی طرف سے
کانوں میں ترے سر ابھی کر دیں گے گہر ہم
تیرے یہ لبِ لعل ہیں یاقوت کے ٹکڑے
بے جا ہے سخن گر کہیں برگِ گلِ تر ہم
کہتی ہیں نصیر اس بتِ کافر کی یہ پلکیں
اک پل میں دو عالم کو کریں زیر و زبر ہم

۷

دیکھیں گے تری برشِ شمشیرِ نظر ہم
جوں آئنہ رہتے ہیں سدا سینہ سپر ہم
کیوں رو کے کریں ہستیٔ فانی پہ نظر ہم
ہستی سے گزر جائیں گے مانندِ شرر ہم
یاں غیر کھلائیں تجھے اور تو نہ ہو برہم
جل بھن کے نہ کیوں رشک سے ہوں چاک جگر ہم
دونوں ہی طرف پاتے ہیں اُلفت کا اثر ہم
بے چین اُدھر وہ ہیں ، تڑپتے ہیں ادھر ہم
ہاں بختِ نگوں سار کی رکھتے جو خبر ہم
فوّارہ نمط سر پہ ہلاتے نہ چنور ہم
ہو دسترس اُس شوخ کے کیا پاؤں تلک آہ
مدّت سے ہیں مانندِ حنا دست نگر ہم
چشمانِ بتاں کا ہے شب و روز تصوّر
کونین سے کیونکر نہ کریں قطع نظر ہم
واں غیر سے سرگرمِ سخن شمع رخاں ہیں
یاں شعلۂ آتش کی طرح دھنتے ہیں سر ہم

ہو جائے گا اک دم میں دو عالم تہ و بالا
زلفوں کو نہ کر شانے سے تو درہم و برہم

کیا تو بھی کسی زہرہ جبیں سے ہے گرفتار
پاتے ہیں جو شب داغ بدل تجھ کو قمر ہم

کہتے ہیں وہ بے وجہہ نہیں رخ پہ خطِ سبز
یہ رکھتے ہیں قرآن میں طاؤس کا پر ہم

عصیاں کے چھٹی داغ کی مجھ سے نہ سیاہی
دھوئیں گے اسے اشک سے صابون سحر ہم

وہ رخنۂ دیوار سے جھانکے کہ نہ جھانکے
کرتے ہیں سدا اس کے محلّے میں گزر ہم

فرماتے ہیں وہ رخ پہ بنا زلف کا حلقہ
دکھلاتے ہیں یہ حسن کے دریا کا بھنور ہم

اچھا ہوا عالم کی چھٹے سنگ زنی سے
کیا لیتے یہاں ہو کے ثمردار شجر ہم

جا کر نہ وہاں سے کوئی پھرتا ہے جو پوچھیں
یارانِ عدم رفتہ کی اے وائے خبر ہم

چھیڑی تری گر زلفِ معنبر تو خطا ہے
ہے مارِ سیہ کیوں نہ کریں اس سے حذر ہم

پستاں تو چھپاتا ہے تو اے یارِ سہی قد
پر تجھ کو جلائیں گے بہ اندازِ دگر ہم

کوچے میں لگا کر ترے نارنگیوں کے نخل
توڑیں گے ترے سامنے پھر وہ ہی ثمر ہم

پتّوں کی طرح دیکھ پھراتے ہیں شب و روز
اشکوں کو بنا ہر مژۂ دیدۂ تر ہم (کذا)

اے طفلِ حسیں چھوڑ کے مت جا یہ تماشا
جوں شعبدہ باز اپنا دکھاتے ہیں ہنر ہم

کیوں درپۓ تکلیف ہے اے گردشِ ایّام
ہاتھوں سے ترے چھوڑ کے گھر جائیں کدھر ہم

دیتی نہیں تُو خانہ نشینی میں بھی آرام
جوں مردمکِ دیدہ ہیں سرگرمِ سفر ہم

پاؤں سے کوئی کٹتی ہے یہ عشق کی منزل
جب تک نہ کریں بوالہوساں سر سے گزر ہم

تم دیکھنا ساتھ اپنے لیے قافلۂ اشک
جوں شمع اسی راہ میں کٹوائیں گے سر ہم

باندھیں گے تصوّر نہ ترا اے خطِ دلدار
اس چشمِ گہر بار میں پھر بارِ دگر ہم

دل کیونکہ نہ حیراں ہو کہ یونس کی طرح سے
رکھتے شکمِ حوت میں ہیں تجھ کو خضر ہم

مدّت سے دہان و کمرِ یار کا کچھ کھوج
ملتا ہی نہیں ، کیا کریں اے نورِ نظر ہم

کیونکر نہ کہیں نقطۂ موہوم و رگِ جاں
دکھلائی دہن دے ہے ، نہ پاتے ہیں کمر ہم

خط پشتِ لبِ یار پہ ہے مانعِ بوسہ
کیا کیجے کہ جلنے سے ہیں تنگ آٹھ پہر ہم

اے دل کوئی تدبیر بتا ، کیونکہ چھڑائیں
قبضے سے صفِ مور کے یہ تنگ شکر ہم
کرتا سرِ قاصد کو قلم گر بتِ نوخط
خط لکھتے نصیر اس کو بہ عنوانِ دگر ہم

۸

بے وجہہ یہ تیرا نہیں اے یار تبسّم
گویا ہے کلیدِ سرِ گفتار تبسّم
پردے میں گل شمع کے کاہے کو ہنسے ہے
ہر رنگ میں تجھ کو ہے سزاوار تبسّم
غنچے پہ کھلے عقدۂ ہستی و عدم آہ
گر صبح چمن میں کرے یک بار تبسّم
نیرنگیِ عشقِ ستم ایجاد عجب ہے
یاں زخم کرے واں گلِ دستار تبسّم
سرخاب نمط رنگ اڑے پھر ترے پاں کا
ہووے جو ترے لب کا مددگار تبسّم
رہزن وہ ترا حسن ہے کہہ دیوے تو دل کو
دے چاہِ زنخداں میں گرا یار تبسّم
انگشت نما کیوں نہ کرے مثلِ مہِ نو
عالم میں تجھے اے لبِ دل دار تبسّم
اختر یہ چمکتے نہیں ، گریے پہ ہمارے
کرتی ہے جدائی کی شبِ تار تبسّم
رکھتا ہے تو وہ گرمیٔ بازار کہ تیرا
ہووے دلِ یوسف کا خریدار تبسّم

اس ہستیٔ موہوم کا اک آن ہے جلوہ
ہے مثلِ شرر محرمِ اسرار تبسّم
کیا خوب غزل تونے کہی ہے یہ نصیرؔ اب
ہر شعر میں تیرے نہیں بےکار تبسّم

۹

کب زباں پر خامہ ساں حرفِ طلب رکھتے ہیں ہم
مہرِ خاموشی سے یاں وابستہ لب رکھتے ہیں ہم
صرف اک تکیہ ترا دنیا میں اب رکھتے ہیں ہم
گر طلب رکھتے ہیں ہم، تیری طلب رکھتے ہیں ہم
عشق کی نیرنگیاں جو کچھ ہیں سب رکھتے ہیں ہم
رنگ زرد و چشمِ تر اور خشک لب رکھتے ہیں ہم
مت مکدّر ہو ہمارے ملنے سے آئینہ رو
صاف ہیں تجھ پر نظر کچھ اور کب رکھتے ہیں ہم
مدّعی اپنے ہیں جو اس کے کلیدِ عقل ہیں
کیا کہیں اے دوستو قسمت عجب رکھتے ہیں ہم
بےقراری اڑ گئی اس شعلہ رو کو دیکھ کر
مارنے کا دل کے جوں سیماب ڈھب رکھتے ہیں ہم
دانۂ اختر سے لیے تسبیحِ تارِ کہکشاں
یاد تیری مہ جبیں ہر ایک شب رکھتے ہیں ہم
جام و مینا سے نہیں کم دل پہ داغ و آبلہ
عشق کی دولت سے سامانِ طرب رکھتے ہیں ہم
صاف کر لیتے ہیں جب جاروبِ مژگاں سے نصیرؔ
اس کے کوچے میں قدم آنکھوں سے تب رکھتے ہیں ہم

۱۰

گردشِ چشم اپنی وہ تجھ کو اگر دکھلائے جام
آبرو یک دست تیری خاک میں مل جائے جام

کشورِ دل پر گزارا لشکرِ غم کا ہے آج
کہہ دے کارِ جام داری ساقیا دکھلائے جام

بزمِ رنداں میں نہ بیٹھے شمعِ محفل تو اگر
موجِ مے سے ہو وہیں چیں بر جبیں اٹھ جائے جام

جلوہ گر آنکھوں میں داغِ شہپرِ طاؤس ہے
کب ترے آشفتہ تو صحرا میں ہے پروائے جام

گرمیِ بازارِ دخترِ رز نہیں تھی اس قدر
مے کدے میں کیوں نہ ہاتھوں ہاتھ ہو سودائے جام

خواہشِ ساغر کشی ہو گر تجھے اے رشکِ ماہ
چرخِ مینا فام بھی خورشید کا بھر لائے جام

کاسۂ سر تو دھمک پہنچے ہے مستوں کے دلا
محتسب سے کوئی کہہ دو یوں نہ اب ٹھکرائے جام

چشم سے اس بحرِ خوبی کے ملائی ہے یہ آنکھ
جوں بھنور اس دور میں کیونکر نہ چکّر کھائے جام

ساقیٔ کوثر کا رہ مدّاح دل سے اے نصیر
اُن کی چشمِ لطف سے تا حشر تو مل جائے جام

۱۱

جوں ذرہ نہیں ایک جگہ خاک نشیں ہم
اے مہرِ جہاں اب، جہاں تو ہے وہیں ہم

شب حلقۂ رنداں میں عجب سیر تھی ساقی
ساغر کو سمجھتے تھے مہ ہالہ نشیں ہم
سیتے ہیں سدا رشکِ اتوے قلمی دیکھ
ہر تارِ سرشک اپنے سے دامانِ زمیں ہم
اے رشکِ نسیمِ سحری کیوں ہے مکدّر
گلشن میں تجھے دیکھتے ہیں چیں بہ جبیں ہم
برپا نہ کہیں کیجیے اب شورِ قیامت
وحشت زدہ اے خانۂ زنجیر نہیں ہم
سر رشتہ رہِ عشق کا اب ہاتھ لگا ہے
جوں دانۂ تسبیح نہ ٹھہریں گے کہیں ہم
لے کر مہ و خورشید کی پھر تیغ و سپر کو
اے چرخ تجھے جانتے ہیں بر سرِ کیں ہم
یک دست اٹھا لیویں گے اس صفحۂ دل پر
نقشِ قدمِ یار کو جوں نقش و نگیں ہم
عیسٰی نفس اب جلد پہنچ تو کہ ہیں تجھ بن
مہماں کوئی دم کے دمِ باز پسیں ہم
کھو بیٹھے ہیں اس عشق کے ہاتھوں سے نصیر اب
ہوش و خرد و صبر و قرار و دل و دیں ہم

۱۲

ساقیا میلِ سبو ہے ، نے ہمیں پروائے خُم
داغ ساغر ، دل سبو اور آبلہ ہے جائے خُم
ہے کہاں گردونِ مینا فام پر یہ آفتاب
مُہرِ ساقیِ ازل ہے کہکشاں ، بالائے خم

کس کے جامِ چشم کی دیکھی ہے گردش تو نے آج
محتسب لوٹے ہے کیوں سر رکھ کے زیرِ پائے خم

مے کدے میں سر کشی سے خوب ابھرے ہے مدام
حق میں افلاطون مستوں کے نہ کیوں بن جائے خم

ساقیٔ کوثر ترا کونین میں جاری ہے فیض
دوش پر غنچہ عدم سے کیوں نہ رکھ کر لائے خم

لائے خم سے ساقیا ہوں میں نفی کے ذکر میں
تو مجھے کس منہ سے کہتا ہے کہ ہے شیدائے خم

اس کو اہلِ ظرف سمجھے ہے، کوئی کم ظرف کب
جامِ جم ہو ہاتھ میں تو کیجیے سودائے خم

چشمِ میگوں اپنی گر دکھلائے وہ خانہ خراب
مے کدہ ہووے خراب اور خاک میں گڑ جائے خم

آبرو ہو خاک اس کی چشمِ رنداں میں نصیر
جبکہ خالی پیٹ اپنا بزم میں دکھلائے خم

دیکھنا انصاف ساقی کا کہ محفل میں نصیر
صاف دے اوروں کو اور ہم کو پلائے لائے خم

۱۳

جبکہ چشمِ سرمہ سا اپنی دکھا جاتے ہو تم
خاک میں ہم کو بہر صورت ملا جاتے ہو تم

شعلۂ آتش سراپا بن کے اے گلگوں قبا
آگ میرے دل میں در پردہ لگا جاتے ہو تم

کان کا بالا ہے یا گردابِ بحرِ حسن ہے
کشتیٔ دل کو جو میری اب ڈبا جاتے ہو تم

چھوڑ دو اے حضرتِ دل ان کی زلفوں کا خیال
ہر کسی کے دام میں بے وجہہ آ جاتے ہو تم

ہار پھولوں کا پہنتے ہو تو ہم بستر بھی ہو
ورنہ انگاروں پہ کیوں مجھ کو لٹا جاتے ہو تم

جلوۂ قامت تمھارا کم قیامت سے نہیں
فتنۂ خوابیدہ کو آ کر جگا جاتے ہو تم

سر پٹکتے ہیں پڑے ہم حلقۂ در کی طرح
چاکِ در سے جب کبھی آنکھیں لڑا جاتے ہو تم

کان کا موتی چھپاؤ، طفلِ ناداں ہے یہ دل
اس کو لولو سے ہمیشہ کیوں ڈرا جاتے ہو تم

چین سے سونے دو ٹک آسودگانِ خاک کو
سر پہ اک شورِ قیامت کیوں اٹھا جاتے ہو تم

ہوں گرفتارِ قفس اے ہم صفیرانِ چمن
نالہ ہائے زار کیوں اپنے سنا جاتے ہو تم

کیوں نہ ہنس ہنس کر جلوں جوں کاغذِ آتش زدہ
جس تماشے کے لیے مجھ کو جلا جاتے ہو تم

جان کھو بیٹھے گا اپنی یہ نصیر خستہ دل
اس کے پہلو سے اب اٹھ کر گھر کو کیا جاتے ہو تم

۱۴

ابھی لڑکا ہے وہ، ہے بے خبری کا عالم
جب جواں ہوگا تو ہووے گا پری کا عالم

بزم آرائے طرب ہے تو اے شمعِ محفل
سب پہ روشن ہے تری جلوہ گری کا عالم

جب تلک ہوویں نہ یاران موافق ہمراہ
لطف رکھتا نہیں کچھ ہم سفری کا عالم

رفتہ رفتہ تری رفتار کے انداز کو دیکھ
اپنی نظروں سے گرا کبک دری کا عالم

دیکھیں کچھ نالۂ شب گیر کی ہوگی تاثیر
رکھتی ہے آہ سحر بے اثری کا عالم

سرو نے باغ جہاں میں نہ اگر پھل پایا
خوشتر آزاد کو ہے بے ثمری کا عالم

کیا لب خشک مرے پاس ہے اور دیدۂ تر
خضر دیکھا ہے یہ خشکی و تری کا عالم

ہم کو زنہار نہ آزاد قفس سے کیجو
دیکھ صیاد ہے بے بال و پری کا عالم

جو کہ ہونی تھی سو ہو گزری مرے دل پہ نصیر
کیا بتاؤں میں کسی رہ گزری کا عالم

۱۵

سمجھے جو برگ گل کو نزاکت میں لب سے کم
جانے وہ قدر لعل نہ کیوں اس سبب سے کم

شانہ جو تیری زلف سے الجھے عجب نہیں
محرم یہ بے ادب ہے طریق ادب سے کم

گر تاب دید ہے تو ملا آنکھ زاہدا
جلوہ ہے آفتاب کا بنت العنب سے کم

ہے دل میں جن کے خواہش بوس و کنار یار
دن عید کا نہیں انھیں ماتم کی شب سے کم

جوں غنچہ مشتِ زر کا وہ خواہاں ہے دوستو
کیونکر ملوں نہ سیم تنِ زر طلب سے کم
ہے اس کو شب تصوّرِ آئینہ طلعتاں
دیکھو ہماری چشم نہیں ہے حلب سے کم
کوٹھے پہ جب سے رہنے لگا ہے وہ رشکِ ماہ
خورشید کی ہے گرمیِ بازار تب سے کم
سہمے ہے آہ مرغِ دل اے ترکِ چشمِ یار
اس پر لگا خدنگ نگاہِ غضب سے کم
جوں نقشِ پا ہوں، چلنے کی طاقت نہیں مجھے
اپنی گلی میں دے نہ جگہ اک وجب سے کم
ٹک دست گیر ہو کہیں اب اے عصائے آہ
تاب و تواں بدن میں ہے رنج و تعب سے کم
دو چار دن تو ہنسنے دے تو اے فلک مجھے
واقف ہوں رنگِ گلشنِ عیش و طرب سے کم
ہوتا وہی ہے مردمکِ چشمِ مہر و ماہ
جو اے نصیر آپ کو سمجھے ہے سب سے کم

۱۶

ہے ابرو و مژگاں سے تری تیغِ دو سر چشم
گو وہ یہ سیاہی کا نہیں ہے سپرِ چشم
کرتے ہیں ہر زاغ میں سر پر ہرِ طاؤس
آئینۂ انصاف ہے پیشِ نظرِ چشم
باور نہیں تو دیکھ لے جا کشتیٔ دریا
قائم نظر آتی ہے تجھے ہے سفرِ چشم

رکھتا ہوں تصوّر سے ترے تیرِ مژہ کے
جوں دیدۂ غربال مشبّک جگرِ چشم

سرمے سے نہیں خال بنایا ہے یہ اُس نے
ہے پنجۂ مژگاں میں گلِ نیلوفرِ چشم

رکھتے ہیں تری کو کہ ہوس خاک نشیناں
جوں نقشِ قدم شب ہے انھوں کا گزرِ چشم

پرواز کبوتر کو ہے بیضے سے نکل کر
کیونکر نہ رواں اشک ہوں بیرونِ درِ چشم

رونے نے مرے اُس کے نہ تاثیر کی دل میں
کچھ سود نہ دیکھا ہے سوائے ضررِ چشم

سن جس کو غزالانِ ختن وجد کریں یاں
لکھ اور نصیر اک غزلِ مختصرِ چشم

۱۷

ہے سایۂ مژگاں میں یہ اب اشکِ ترِ چشم
پروردہ ہے خس خانے میں نورِ بصرِ چشم

مانندِ درِ پل ہے خمِ ابروے عاشق
جاری ہے سدا آبِ نمِ پر خطرِ چشم

بے وجہہ اُس عارض پہ نہیں حلقۂ کاکل
خورشید کے منہ پر ہے یہ عینک بسرِ چشم

ہر خارِ بیابانِ وفا مجھ کو عصا ہے
یہ آبلۂ پا نہیں ہوں ہم سفرِ چشم

رشتہ رکھے ہے خاک سے اُس پردۂ در کے
در پردہ شب و روز یہ بارِ نظرِ چشم

جوں شمع ہوئی آتشِ دل گریے سے دونی
پانی سے ہے یاں آگ لگانا ہنرِ چشم

مانندِ شگوفہ ابھی ہے شاخِ مژہ پھول
لختِ جگر و اشک ہیں برگ و ثمرِ چشم

کرتے ہیں ترے حسن کے کوچے میں گدائی
لے جام سدا مردمِ دریوزہ گرِ چشم

کچھاں دلوں بے وجہ پھڑکتی ہے نصیر آنکھ
معلوم کہیں ہووے شتابی خبرِ چشم

۱۸

شب دل ہے پھپھولوں سے ہمارا ہمہ تن چشم
نظّارۂ ساقی کو ہے مینا ہمہ تن چشم

صاف آئنہ ساں کیوں نہ ہو میرا ہمہ تن چشم
بن کر تجھے دیکھوں ہوں سراپا ہمہ تن چشم

تو وہ چمن آرا ہے کہ ہر دستۂ نرگس
دیکھے ہے ترا بن کے تماشا ہمہ تن چشم

اے تیر فگن ہوں ترے ہاتھوں سے میں قربان
تودے کی طرح مجھ کو بنایا ہمہ تن چشم

گل کھانے دے تن پر یہ دکھانے کو تماشا
جوں سرو چراغاں میں ہوں تا ہمہ تن چشم

کیا خاک ہو صیّاد ہمیں چشمِ رہائی
حلقوں سے بنا دام ہے تیرا ہمہ تن چشم

اے رشکِ قمر شب کو کہاں نکلے ہیں تارے
نظّارے کو تیرے ہے فلک کا ہمہ تن چشم

دیوانہ میں وہ ہوں کہ مجھے دیکھے ہے دن رات
نقشِ سُمِ آہو سے ہو صحرا ہمہ تن چشم

وہ مے پیے گر جامِ بلوریں میں تو ساقی
بن جائے حبابوں سے بھی دریا ہمہ تن چشم

نرگس بھی چمن میں تری آنکھوں کی ہے مشتاق
بادام کا ہے نخل نہ تنہا ہمہ تن چشم

مجنوں کی طرح کیوں نہ ہوں میں طالبِ دیدار
داغوں سے ہوں اے غیرتِ لیلا ہمہ تن چشم

اے غنچہ دہن ہو کے ترا طالبِ دیدار
داغوں سے ہے طاؤسِ چمن کیا ہمہ تن چشم

بلکہ ترے افسانہ و نظّارہ کی خاطر
گل گوش بنا، نرگسِ شہلا ہمہ تن چشم

برقع کو اُلٹ منہ سے جو کرتا ہے تو باتیں
اب میں ہمہ تن گوش بنوں یا ہمہ تن چشم

آنکھوں کے تصوّر میں نصیر اُس کے شب و روز
دل صورتِ آئینہ ہے اپنا ہمہ تن چشم

۱۹

صاد ہے چہرے پہ تیری خوشنما اے یار چشم
فردِ باطل صاف ہے آئینۂ پندار چشم

خونِ مجنوں گردنِ آہو پہ ثابت ہو نہ جائے
کیوں دلِ مفتوں کے درپے ہے تری خوں خوار چشم

تنگ چشمی کے سبب سرگشتہ ہے غربال یاں
خاک چھانیں ہیں جو رکھتے ہیں بایں اطوار چشم

جاگے ہے وہ فتنۂ خوابیدہ جب دے ہے سلا
پنجۂ مژگاں سے اپنے ووہیں تھپکیں تار چشم

گاہ جوں ناسور بہتی ہے ، کبھی رہتی ہے خشک
روزنِ کشتی ہے پائے رخنۂ دیوار چشم

شہسوارانہ لگہ کرتی ہے کیا کیا ترک تاز
ہم عنانِ دوربیں ہے ابلقِ رہوار چشم

رشتۂ اُلفت میں باندھے ہے پرِ پرواز آہ
مرغ کی انکھے جو چشمِ دام سے ناچار چشم

قد ترا باغِ جہاں میں نخل ہے بادام کا
لگ رہی ہے جس سے نت عاشق کی اے دیوار چشم

دامنِ صحرا سے لے کر پاٹ تک دریا کے ایک
تختۂ گلزار کر دوں گرچہ ہو خوں بار چشم

بام پر اک ذرہ اے بے مہر آ اک دن کہ ہے
جوں گلِ خورشید اپنی طالبِ دیدار چشم

گل سے دل اُلجھا ہے اس کا گلستاں میں بے طرح
مت لگا اے آبلہ پا خار سے زنہار چشم

باعثِ برہم زنِ مژگاں نہ پوچھو مردماں
مارتی ہے یہ کفِ افسوس سو سو بار چشم

ہے تصوّر کس کے خطِ سبز کا یا رب مدام
رکھتی ہے زخمِ جگر پر مرہمِ زنگار چشم

اشک کا قطرہ بھی اپنے بے بہا ہے جوہری
جوں صدف رکھتی شکم میں ہے دُرِ شہوار چشم

چشم رکھے کیا نصیر اُس سے کوئی اب یاں کہ ہے
بے مروت ، بے وفا ، بے دید ، بے رخ چار چشم

۲۰

زلف کا پیچیدہ کیونکر ہو دلِ مضطر سے دام
طائرِ سیماب کے لپٹا نہ دیکھا سر سے دام
کیونکہ گیسو کا جدا ہو شانہ دلبر سے دام
بہرِ صیدِ مرغِ دل نکلا ہے لے کر گھر سے دام
وہ اسیرِ دام ہوں صیاد گر چھٹ جاؤں میں
چشمِ ہر حلقہ سے میرے دیکھنے کو ترسے دام
ناوک اندازی نہ کر اے نالہ مرغِ چمن
سینہ رکھتا ہے مشبک آپ تیرے ڈر سے دام
بل بے او مشاطہ کیا معجز نمائی ہے تری
تو نے کاکل کو بنایا پیچ دے منتر سے دام
کھیلتا ہے ساقیا گر تو بطِ مے کا شکار
تو لبِ دریا بنا موجِ مئے احمر سے دام
مرغِ جانِ عاشقاں کو جو کرے دربردہ صید
صدقے کیجے کیوں نہ اُس نے مہر کے اوپر سے دام
مزرعِ خشکِ فلک سے خاک ہو اے دل امید
جان لے بوتے ہیں حاصل کشتِ سبز و تر سے دام
اس متاعِ دل کا سودا ہوں اُس پر دیکھیے (؟)
ہوں گے حاصل کیونکہ زلفِ شوخ سیمیں بر سے دام
مر کے ہوتی ہے انھوں سے فارغ البالی نصیب
کیونکہ ہمسر (ہے) ہر اک میرے سر سے دام (کذا)

شب حلقۂ رندان میں عجب سیر تھی ساقی
ساغر کو سمجھتے تھے مہِ ہالہ نشیں ہم
سیتے ہیں سدا رشکِ اتوے قلمی دیکھ
ہر تارِ سرشک اپنے سے دامانِ زمیں ہم
اے رشکِ نسیمِ سحری کیوں ہے مکدّر
گلشن میں تجھے دیکھتے ہیں چیں بہ جبیں ہم
برپا نہ کہیں کیجیے اب شورِ قیامت
وحشت زدہ اے خانۂ زنجیر نہیں ہم
سر رشتہ رہِ عشق کا اب ہاتھ لگا ہے
جوں دانۂ تسبیح نہ ٹھہریں گے کہیں ہم
لے کر مہ و خورشید کی پھر تیغ و سپر کو
اے چرخ تجھے جانتے ہیں بر سرِ کیں ہم
یک دست اٹھا لیویں گے اس صفحۂ دل پر
نقشِ قدمِ یار کو جوں نقش و نگیں ہم
عیسیٰ نفس اب جلد پہنچ تو کہ ہیں تجھ بن
مہماں کوئی دم کے دمِ باز پسیں ہم
کھو بیٹھے ہیں اس عشق کے ہاتھوں سے نصیر اب
ہوش و خرد و صبر و قرار و دل و دیں ہم

۱۲

ساقیا میلِ سبو ہے، نے ہمیں پروائے خُم
داغ ساغر، دل سبو اور آبلہ ہے جائے خُم
ہے کہاں گردونِ مینا فام پر یہ آفتاب
مہرِ ساقیِ ازل ہے کہکشاں، بالائے خم

کس کے جامِ چشم کی دیکھی ہے گردش تو نے آج
محتسب لوٹے ہے کیوں سر رکھ کے زیرِ پائے خم
مے کدے میں سر کشی سے خوب ابھرے ہے مدام
حق میں افلاطون مستوں کے نہ کیوں بن جائے خم
ساقیٔ کوثر ترا کونین میں جاری ہے فیض
دوش پر غنچہ عدم سے کیوں نہ رکھ کر لائے خم
لائے خم سے ساقیا ہوں میں نفی کے ذکر میں
تو مجھے کس منہ سے کہتا ہے کہ ہے شیدائے خم
اس کو اہلِ ظرف سمجھے ہے، کوئی کم ظرف کب
جامِ جم ہو ہاتھ میں تو کیجیے سودائے خم
چشمِ میگوں اپنی گر دکھلائے وہ خانہ خراب
مے کدہ ہووے خراب اور خاک میں گڑ جائے خم
آبرو ہو خاک اس کی چشمِ رنداں میں نصیر
جبکہ خالی پیٹ اپنا بزم میں دکھلائے خم
دیکھنا انصاف ساقی کا کہ محفل میں نصیر
صاف دے اوروں کو اور ہم کو پلائے لائے خم

۱۳

جبکہ چشمِ سرمہ سا اپنی دکھا جاتے ہو تم
خاک میں ہم کو بہر صورت ملا جاتے ہو تم
شعلۂ آتش سراپا بن کے اے گلگوں قبا
آگ میرے دل میں در پردہ لگا جاتے ہو تم
کان کا بالا ہے یا گردابِ بحرِ حسن ہے
کشتیٔ دل کو جو میری اب ڈبا جاتے ہو تم

چھوڑ دو اے حضرتِ دل ان کی زلفوں کا خیال
ہر کسی کے دام میں بے وجہہ آ جاتے ہو تم

ہار پھولوں کا پہنتے ہو تو ہم بستر بھی ہو
ورنہ انگاروں پہ کیوں مجھ کو لٹا جاتے ہو تم

جلوۂ قامت تمھارا کسم قیامت سے نہیں
فتنۂ خوابیدہ کو آ کر جگا جاتے ہو تم

سر پٹکتے ہیں پڑے ہم حلقۂ در کی طرح
چاکِ در سے جب کبھی آنکھیں لڑا جاتے ہو تم

کان کا موتی چھپاؤ، طفلِ نادان ہے یہ دل
اس کو لولو سے ہمیشہ کیوں ڈرا جاتے ہو تم

چین سے سونے دو تک آسودگانِ خاک کو
سر پہ اک شورِ قیامت کیوں اٹھا جاتے ہو تم

ہوں گرفتارِ قفس اے ہم صفیرانِ چمن
نالہ ہائے زار کیوں اپنے سنا جاتے ہو تم

کیوں نہ ہنس ہنس کر جلوں جوں کاغذِ آتش زدہ
جس تماشے کے لیے مجھ کو جلا جاتے ہو تم

جان کھو بیٹھے گا اپنی یہ نصیر خستہ دل
اس کے پہلو سے اب اٹھ کر گھر کو کیا جاتے ہو تم

۱۴

ابھی لڑکا ہے وہ، ہے بے خبری کا عالم
جب جواں ہوگا تو ہووے گا پری کا عالم

بزم آرائے طرب ہے تو اے شمعِ محفل
سب پہ روشن ہے تری جلوہ گری کا عالم

جب تلک ہوویں نہ یارانِ موافق ہمراہ
لطف رکھتا نہیں کچھ ہم سفری کا عالم

رفتہ رفتہ تری رفتار کے انداز کو دیکھ
اپنی نظروں سے گرا کبکِ دری کا عالم

دیکھیں کچھ نالۂ شب گیر کی ہوگی تاثیر
رکھتی ہے آہِ سحر بے اثری کا عالم

سرو نے باغِ جہاں میں نہ اگر پھل پایا
خوشتر آزاد کو ہے بے ثمری کا عالم

کیا لبِ خشک مرے پاس ہے اور دیدۂ تر
خضر دیکھا ہے یہ خشکی و تری کا عالم

ہم کو زنہار نہ آزاد قفس سے کیجو
دیکھ صیّاد ہے بے بال و پری کا عالم

جو کہ ہونی تھی سو ہو گزری مرے دل پہ نصیر
کیا بتاؤں میں کسی رہ گزری کا عالم

۱۵

سمجھے جو برگِ گل کو نزاکت میں لب سے کم
جانے وہ قدرِ لعل نہ کیوں اس سبب سے کم

شانہ جو تیری زلف سے الجھے عجب نہیں
محرم یہ بے ادب ہے طریقِ ادب سے کم

گر تابِ دید ہے تو ملا آنکھ زاہدا
جلوہ ہے آفتاب کا بنت العنب سے کم

ہے دل میں جن کے خواہشِ بوس و کنارِ یار
دن عید کا نہیں انھیں ماتم کی شب سے کم

جوں غنچہ مشت ِ زر کا وہ خواہاں ہے دوستو
کیونکر ملوں نہ سیم تن ِ زر طلب سے کم

ہے اس کو شب تصوّر ِ آئینہ طلعتاں
دیکھو ہماری چشم نہیں ہے حلب سے کم

کوٹھے پہ جب سے رہنے لگا ہے وہ رشک ِ ماہ
خورشید کی ہے گرمی ِ بازار تب سے کم

سہمے ہے آہ مرغ ِ دل اے ترک ِ چشم ِ یار
اس پر لگا خدنگ نگاہ ِ غضب سے کم

جوں نقش ِ پا ہوں ، چلنے کی طاقت نہیں مجھے
اپنی گلی میں دے نہ جگہ اک وجب سے کم

ٹک دست گیر ہو کہیں اب اے عصاے آہ
تاب و تواں بدن میں ہے رنج و تعب سے کم

دو چار دن تو ہنسنے دے تو اے فلک مجھے
واقف ہوں رنگ ِ گلشن ِ عیش و طرب سے کم

ہوتا وہی ہے مردمک ِ چشم ِ مہر و ماہ
جو اے نصیر آپ کو سمجھے ہے سب سے کم

۱۶

ہے ابرو و مژگاں سے تری تیغ ِ دو سر چشم
گر وہ یہ سیاہی کا نہیں ہے سپر ِ چشم

کرتے ہیں پر ِ زاغ میں سر پر پر ِ طاؤس
آئینۂ انصاف ہے پیش ِ نظر ِ چشم

باور نہیں تو دیکھ لے جا کشتیٔ دریا
قائم نظر آتی ہے تجھے ہے سفر ِ چشم

رکھتا ہوں تصوّر سے ترے تیرِ مژہ کے
جوں دیدۂ غربال مشبّک جگرِ چشم

سرمے سے نہیں خال بنایا ہے یہ اُس نے
ہے پنجۂ مژگاں میں گلِ نیلوفرِ چشم

رکھتے ہیں تری کو کہ ہوس خاک نشیناں
جوں نقشِ قدم شب ہے انھوں کا گزرِ چشم

پرواز کبوتر کو ہے بیضے سے نکل کر
کیونکر نہ رواں اشک ہوں بیرونِ درِ چشم

رونے نے مرے اُس کے نہ تاثیر کی دل میں
کچھ سود نہ دیکھا ہے سوائے ضررِ چشم

سن جس کو غزالانِ ختن وجد کریں یاں
لکھ اور نصیر اک غزلِ مختصرِ چشم

۱۷

ہے سایۂ مژگاں میں یہ اب اشکِ ترِ چشم
پروردہ ہے خس خانے میں نورِ بصرِ چشم

مانندِ درِ پل ہے خمِ ابروے عاشق
جاری ہے سدا آبِ نمِ پر خطرِ چشم

بے وجہہ اُس عارض پہ نہیں حلقۂ کاکل
خورشید کے منہ پر ہے یہ عینک بسرِ چشم

ہر خارِ بیابانِ وفا مجھ کو عصا ہے
یہ آبلۂ پا نہیں ہوں ہم سفرِ چشم

رشتہ رکھے ہے خاک سے اُس پردۂ در کے
در پردہ شب و روز یہ بار نظرِ چشم

جوں شمع ہوئی آتش دل گرے سے دونی
پانی سے ہے یاں آگ لگانا ہنرِ چشم

مانندِ شکوفہ ابھی ہے شاخِ مژہ پھول
لختِ جگر و اشک ہیں برگ و ثمرِ چشم

کرتے ہیں ترے حسن کے کوچے میں گدائی
لے جام سدا مردمِ دریوزہ گرِ چشم

کچھ ان دنوں بے وجہ پھڑکتی ہے نصیر آنکھ
معلوم کہیں ہووے شتابی خبرِ چشم

۱۸

کب دل ہے پھولوں سے ہمارا ہمہ تن چشم
نظّارۂ ساقی تو ہے مینا ہمہ تن چشم

صاف آئنہ ساں کیوں نہ ہو میرا ہمہ تن چشم
بن کر تجھے دیکھوں ہوں سراپا ہمہ تن چشم

تو وہ چمن آرا ہے کہ ہر دستۂ نرگس
دیکھے ہے ترا بن کے تماشا ہمہ تن چشم

اے تیر فگن ہوں ترے ہاتھوں سے میں قربان
تودے کی طرح مجھ کو بنایا ہمہ تن چشم

گل کھانے دے تن پر یہ دکھانے کو تماشا
جوں سرو چراغاں میں ہوں تا ہمہ تن چشم

کیا خاک ہو صیّاد ہمیں چشمِ رہائی
حلقوں سے بنا دام ہے تیرا ہمہ تن چشم

اے رشکِ قمر شب کو کہاں نکلے ہیں تارے
نظّارے کو تیرے ہے فلک کا ہمہ تن چشم

دیوانہ میں وہ ہوں کہ مجھے دیکھے ہے دن رات
نقشِ سُمِ آہو سے ہو صحرا ہمہ تن چشم

وہ مے پیے گر جامِ بلوریں میں تو ساقی
بن جائے حبابوں سے بھی دریا ہمہ تن چشم

نرگس بھی چمن میں تری آنکھوں کی ہے مشتاق
بادام کا ہے نخل نہ تنہا ہمہ تن چشم

مجنوں کی طرح کیوں نہ ہوں میں طالبِ دیدار
داغوں سے ہوں اے غیرتِ لیلا ہمہ تن چشم

اے غنچہ دہن ہو کے ترا طالبِ دیدار
داغوں سے ہے طاؤسِ چمن کیا ہمہ تن چشم

بلکہ ترے افسانہ و نظّارہ کی خاطر
گل گوش بنا ، نرگسِ شہلا ہمہ تن چشم

برقع کو اُلٹ منہ سے جو کرتا ہے تو باتیں
اب میں ہمہ تن گوش بنوں یا ہمہ تن چشم

آنکھوں کے تصوّر میں نصیر اُس کے شب و روز
دل صورتِ آئینہ ہے اپنا ہمہ تن چشم

۱۹

صاد ہے چہرے پہ تیری خوشنما اے یار چشم
فردِ باطل صاف ہے آئینۂ پندار چشم

خونِ مجنوں گردنِ آہو پہ ثابت ہو نہ جائے
کیوں دلِ مفتوں کے درپے ہے تری خوں خوار چشم

تنگ چشمی کے سبب سرگشتہ ہے غربال یاں
خاک چھانیں ہیں جو رکھتے ہیں بایں اطوار چشم

جاگے ہے وہ فتنۂ خوابیدہ جب دے ہے سلا
پنجۂ مژگاں سے اپنے وویں تھپکیں تار چشم

گہ جوں ناسور بہتی ہے ، گہے رہتی ہے خشک
روزنِ کشتی ہے پہائے رخنۂ دیوار چشم

شہسوارانہ نگہ کرتی ہے کیا کیا ترک تاز
ہم عنانِ دوربیں ہے ابلقِ رہوار چشم

رشتۂ اُلفت میں باندھے ہے پرِ پرواز آہ
مرغ کی اٹکے جو چشمِ دام سے ناچار چشم

قد ترا باغِ جہاں میں نخل ہے بادام کا
لگ رہی ہے جس سے نت عاشق کی اے دیوار چشم

دامنِ صحرا سے لےکر پاٹ تک دریا کے ایک
تختۂ گلزار کر دوں گرچہ ہو خوں بار چشم

بام پر اک ذرہ اے بےمہر آ اک دن کہ ہے
جوں گلِ خورشید اپنی طالبِ دیدار چشم

گل سے دل اُلجھا ہے اس کا گلستاں میں بےطرح
مت لگا اے آبلہ پا خار سے زنہار چشم

باعثِ برہم زنِ مژگاں نہ پوچھو مردماں
مارتی ہے یہ کفِ افسوس سو سو بار چشم

ہے تصوّر کس کے خطِ سبز کا یارب مدام
رکھے ہے زخمِ جگر پر مرہمِ زنگار چشم

اشک کا قطرہ بھی اپنے بےبہا ہے جوہری
جوں صدف رکھتی شکم میں ہے دُرِ شہوار چشم

چشم رکھے کیا نصیر اُس سے کوئی اب یاں کہ ہے
بے مروت ، بے وفا ، بے دید ، بے رخ چار چشم

۲۰

زلف کا پیچیدہ کیونکر ہو دلِ مضطر سے دام
طائرِ سیاب کے لپٹا نہ دیکھا سر سے دام
کیونکہ گیسو کا جدا ہو شانۂ دلبر سے دام
بہرِ صیدِ مرغِ دل نکلا ہے لے کر گھر سے دام
وہ اسیرِ دام ہوں صیاد گر چھٹ جاؤں میں
چشمِ بر حلقہ سے میرے دیکھنے کو ترسے دام
ناوک اندازی نہ کر اے نالۂ مرغِ چمن
سینہ رکھتا ہے مشبک آپ تیرے ڈر سے دام
بل بے او مشاطہ کیا معجز نمائی ہے تری
تو نے کاکل کو بنایا پیچ دے منتر سے دام
کھیلتا ہے ساقیا گر تو بطِ مے کا شکار
تو لبِ دریا بنا موجِ مئے احمر سے دام
مرغِ جانِ عاشقاں کو جو کرے درپردہ صید
صدقے کیجے کیوں نہ اُس بے مہر کے اوپر سے دام
مزرعِ خشکِ فلک سے خاک ہو اے دل امید
جان لے ہوتے ہیں حاصل کشتِ سبز و تر سے دام
اس متاعِ دل کا سودا ہوں اُس پر دیکھیے (؟)
ہوں گے حاصل کیونکہ زلفِ شوخ سیمیں بر سے دام
مر کے ہوتی ہے الھوں سے فارغ البالی نصیب
کیونکہ ہمسر (ہے) ہر اک میرے سر سے دام (کذا)

زاغِ شب اُس مہ کے صدقے کو کر اے گردوں اسیر
کہکشاں کا مل رہا ہے دانۂ اختر سے دام

دلنشینِ آئنہ کیا عکسِ خط اُس کا ہوا
بہرِ طوطی بن گیا آئینے کے جوہر سے دام

کیونکہ خالِ پشتِ لب تیرا نہ ہو محبوسِ خط
اس شکر خورے کی خاطر ہے بہم شکر سے دام

تارِ گیسو گوشۂ چشمِ صنم پر ہے نصیر
یا ہے بحرِ حسن میں ماہی کے لپٹا پر سے دام

۲۱

کیونکر نہ ہو تہی دلِ مایوسِ شمعِ بزم
شکلِ مژہ ہے صورتِ فانوسِ شمعِ بزم

سر اپنا جو لگن میں کٹاتی ہے عشق کے
چشمِ لگن ہے اس لیے پابوسِ شمعِ بزم

ایسا نہ ہو کہ آن لگے چور رات کو
بن اے پتنگ اب کہیں جاسوسِ شمعِ بزم

پردے میں کب رہے ہے نہاں حسنِ جلوہ گر
فانوس میں چھپا نہ یہ ناموسِ شمعِ بزم

روتی ہے کیا پتنگ کے ماتم میں زار زار
شعلہ نہیں ہے یہ کفِ افسوسِ شمعِ بزم

پہنچی ہے نوبت عشق تلک اس کی ہے بجا
گر عشق میں بجے ہے یوں ہی کوسِ شمعِ بزم

نسخہ تمام سوختگی کا پتنگ کو
حاصل ہوا ہے دیکھ کے قاموسِ شمعِ بزم

نیرنگیاں دکھائے ہے ہستی کے داغ سے
ٹک دیکھتا یہ جلوۂ طاؤسِ شمعِ بزم
روشن ہے حالِ سوختگاں، پوچھ مت نصیر
شام و سحر ہے دوزخ و فردوسِ شمعِ بزم

۲۲

جو گزرے ہے بر عاشقِ کامل، نہیں معلوم
جبریل ہے ہر آن میں نازل نہیں معلوم
کیا پردۂ غفلت ہے کچھ اے دل، نہیں معلوم
رہتا ہے شب و روز وہ نازل، نہیں معلوم
ہردم یہی رہتا ہے یہاں دل میں پس و پیش
جینے کا بجز مرگ کچھ حاصل نہیں معلوم
رخ دیکھ کے حیراں ہوں ترا جوں گلِ خورشید
چھوٹ تیرے مجھے کوئی مقابل نہیں معلوم
بخشش یہ جو رکھتا ہے بکف بحر ہے کشتی
کیا جانیے یہ کس سے ہے سائل، نہیں معلوم
بے تہاہ ہو کیا بحرِ حقیقت کا شناور
جس کا کہیں آخر لبِ ساحل نہیں معلوم
کیوں رہتے ہیں نت ریوڑی کے پھیر میں عاشق
اس کے لبِ شیریں پہ کہیں تل نہیں معلوم
جرّاح یہ کہتا ہے مجھے دیکھ کے بے دم
کس تیغِ نگہ کا ہے یہ گھایل، نہیں معلوم
جوں آئنہ حیرت زدہ یاں دیکھوں ہوں سب کو
کیا جانیے کس پر ہوں میں مائل، نہیں معلوم

چل چل کے رہِ عشق میں جوں نقشِ قدم ہم
تھک بیٹھے نصیرؔ اب ہمیں منزل نہیں معلوم

۲۳

کچھ سرگزشت کہہ نہ سکے روبرو قلم
گردش نصیب روزِ ازل سے ہے تو قلم
کاغذ کا تاؤ کیا ہے ترے روبرو قلم
ایسا ہی یعنی پیر کا نیزہ ہے تو قلم
ظالم نہیں تو حرفِ محبّت سے آشنا
مشقِ ستم سے شرم کر اے جنگجو قلم
کیا خامہ لکھ سکے صفتِ زلفِ مشکبار
شورے کے بھی ہوئے ہیں کہیں مشک بو قلم
نامہ پرِ ہُما ہو مرا اے شہِ بتاں
لکّھو گر استخواں سے بنا کر کبھو قلم
قاتل کو میں نے خط نہیں شنجرف سے لکھا
کس وجہہ سے ہوا ہے تو اب سرخرو قلم
یعنی کہ اس کے عشق میں اس دم ملا ہے یاں
منہ سے لہو لگا کے شہیدوں میں تو قلم
لکھ اور اک غزل کہ شگفتہ زمین ہے
لے کر نصیرؔ اب یہ لبِ آبِ جو قلم

۲۴

مضمونِ گریہ گر لکھوں اپنا کبھو قلم
کاغذ کی ناؤ فرد ہو، بلّی ہو تو قلم

آنکھوں سے کیوں نہ کھینچیے تصویرِ زلفِ یار
بہتر نہیں مژہ سے کوئی دیکھا سو قلم

اے یار سرگزشت مری پوچھتا ہے کیا
کرتا ہوں اب میں سر کو ، ترے روبرو قلم

زلفِ سیہ نہ صفحۂ عارض پہ ہے ترے
شانے کے ہاتھ میں ہے جلے شعلہ خو قلم

مت کہہ یہ نامہ کیا شبِ ہجراں میں تو لکھے
کاغذ کہاں ہے پاس ترے اور کُو قلم

ہے اختروں سے کاغذِ افشانی آسماں
ہے کہکشاں سے دیکھ ٹک اے ماہ رو قلم

کیا نامہ اُس کو لکھیے کہ طاقت نہیں نصیر
کاغذ پڑا ہے ایک طرف ، ایک سو قلم

۲۵

نکہتِ گل میں یا صبا ہیں ہم
نہیں معلوم کچھ کہ کیا ہیں ہم

روشناسی ہے ہم کو آئنہ ساں
ایک عالم سے آشنا ہیں ہم

خاکساری سے بزمِ عالم میں
صفحۂ نقشِ بوریا ہیں ہم

ہے ہمیں سے وہ شاہدِ معنی
حرفِ مطلب کے مدّعا ہیں ہم

جامِ مے ساقیا شتابی دے
کون کہتا ہے پارسا ہیں ہم

شمع ساں ہے دراز رشتۂ عمر
کہ فنا ہونے سے بقا ہیں ہم
تیرے کوچہ تلک کی طاقت ہے
نہیں اتنے شکستہ پا ہیں ہم
بانگِ سنکھ اور نالۂ ناقوس
کہیے ہمدم جو کم نما ہیں ہم
چشم کیا کیجے وا برنگِ حباب
طرفۃ العین میں ہوا ہیں ہم
نرگسی چشم تھا وہ کافر آہ
جس کے بیمار و مبتلا ہیں ہم
نازنینانِ دہر کے ہر دم
کشتۂ غمزہ و ادا ہیں ہم
اے وفا تو کدھر ہے، ہو دم ساز
کشتۂ خنجرِ جفا ہیں ہم
چشمِ بددور کیا غزل ہے نصیر
خوب اس فن میں مرحبا ہیں ہم

۲۶

سحر دیکھیں جو رنگ و روے تابانِ گل و شبنم
تو ہوں لعل و گہر گلشن میں قربانِ گل و شبنم
ریاضِ دہر جاے عشرت و اندوہ ہے، دیکھو
لبِ خندان و چشمِ اشک ریزانِ گل و شبنم
ہدف دل کو بنائے کیوں نہ تیرِ شاخ کا بلبل
کہ چسپاں جس سے ہو سوفار پیکانِ گل و شبنم

مقیّد کون کر سکتا ہے ہم وحشی مزاجوں کو
مگر تو ہستیٔ فانی ہے زندانِ گل و شبنم

جدا ہو بر سے جس کا یار اُس کو کیوں نہ رشک آئے
چمن میں دیکھ کر ربطِ فراوانِ گل و شبنم

صنم قشقے پہ تیرے سرخ ٹیکے کا عجب ہے رنگ
نہیں ہے اس روش کی شاخ پر شانِ گل و شبنم

بنایا معدنِ یاقوت ، کانِ دُر گلستاں کو
نہ کیوں ہو باغباں کے سر پر احسانِ گل و شبنم

چمن میں جام دے ساقی یہ خنداں ہے وہ گریاں ہے
مجھے حاصل ہے سیرِ برق و بارانِ گل و شبنم

سحر نکلے نہ یا رب مہر ، ٹوٹے ہاتھ گلچیں کا
کہ ہیں درپے یہی ہاں بہرِ نقصانِ گل و شبنم

نہ دیکھا جس نے ہو دست و گریباں آب و آتش کو
وہ دیکھے باغ میں کارِ نمایانِ گل و شبنم

سحر دونوں جو ہم آغوش ہوں پھر کیوں نہ کھل جائے
نگہبانِ چمن پر عشقِ پنہانِ گل و شبنم

دلِ بلبل میں ہو یہ شعلہ زن چھوڑے نہ وہ پانی
نہ تھی بادِ صبا یہ بات شایانِ گل و شبنم

نہیں کچھ احتیاجِ ساغر و نقل و گزک مجھ کو
چمن میں آج ساقی میں ہوں مہمانِ گل و شبنم

طبیبانِ جہاں سے پوچھتا کیا ہے علاج اس کا
نہیں تیرے سوا کوئی مرض دانِ گل و شبنم

فساد خوں اسے ہے ، موتیابند اس کو گلشن میں
صبا کر تو ہواخواہی سے درمانِ گل و شبنم
کوئی ہم چشم میری اس غزل کی داد کیا دے گا
کہ جس کو ہو نہ کچھ معلوم عنوانِ گل و شبنم
مرے دل کا وہ داغ و آبلہ ہے گر کبھو دیکھو
قلم انداز ہوں صورت نگارانِ گل و شبنم
سحر کا شق ہوا سینہ جدائی دیکھ کر ان کی
تموزِ خور نے توڑا عہد و پیمانِ گل و شبنم
خزاں آئی چمن میں آہ خاطر جمع ہو کس کی
نہ پوچھو ماجرائے غم نگارانِ گل و شبنم
لیا جامِ گدائی گل نے ، شبنم مانگے ہے دانہ
کبھی کیا باغباں حالِ پریشانِ گل و شبنم
نصیر نکتہ داں تحسیں طلب ہے بزم میں تم سے
مقابل آؤ اے مضموں شناسانِ گل و شبنم

۲۷

کس کو ہے خط کے سوا کاکلِ دلدار سے کام
شہرِ وادی ہوں مجھے ہے نہیں تاتار سے کام
ہے شب و روز ہمیں زلف و رخِ یار سے کام
نے غرض رکھتے ہیں کافر سے ، نہ دیندار سے کام
دل کو ہو کیوں نہ ترے ابروئے خمدار سے کام
جو سپاہی ہو ، سدا ہے اسے تلوار سے کام
پردۂ زلف میں لیتا ہے یہ دل بوسۂ رخ
چور رکھتا نہیں بے وجہہ شبِ تار سے کام

دخترِ رز کو نہ منہ کیونکہ لگائیں زاہد
آ پڑا ہے ہمیں اب تو اسی مردار سے کام

مائلِ حسنِ بتِ ماہ جبیں ہوں اے مہر
مجھ کو کچھ تیری نہیں گرمیِ بازار سے کام

ہوش اڑ جاتے یہاں کبکِ دری کے کب کے
آ کے پڑتا جو کبھو یار کی رفتار سے کام

روحِ منصور سے عقدہ یہ ہوا ہے حل آج
(مردِ) حق گو کو ہے انجام سرِ دار سے کام

خاک پیراہنِ گل مرغِ چمن سیتا تھا
حیف سوزن کا لیا تو نے نہ منقار سے کام

ہمدمو دل ہی یہ جانے ہے کہ وہ کیسا ہے
آہ ڈالے نہ خدا اس بتِ عیّار سے کام

سب پہ روشن ہے کہ الفت ....
....

....
کچھ نہ بن آیا مرے طالعِ بیدار سے کام

....
کہ نکلتا نہیں بیمار کا بیمار سے کام

....
چاہیے تھا تجھے رکھنا لبِ دلدار سے کام

آرزو سلطنتِ فقر کی گر ہے تو نصیر
خاک پر بیٹھ، نہ رکھ تختِ ہوادار سے کام

۲۸

نہ دکھائیو ہجر کا درد و الم ، تجھے دیتا ہوں چرخ خدا کی قسم
مرے یار کو مجھ سے نہ کیجو جدا ، تجھے سرور ہر دو سرا کی قسم
وہ صنم کئی دن سے ہے مجھ سے خفا ، نہیں آتا ادھر کو خدا کی قسم
دلِ مشفق ِمن آسے کھینچ تو لا ، تجھے جذبہ کاہ ربا کی قسم
یہی چاہے ہے جی کہ گلے سے لگو ، ذرا مرے دہن سے دہن تو ملا
نہیں غرفے سے آن کے جھانک تو لو ، تمھیں اپنی ہے شرم و حیا کی قسم
کبھی شب کو اکیلا جو پاؤں تجھے ، تو گلے سے پھر اپنے لگاؤں تجھے
کبھی چھاتی پہ اپنی سلاؤں تجھے ، مجھے عشق کے جور و جفا کی قسم
ترے اٹھتے ہی پہلو میں درد اٹھا ، ترے جاتے ہی دم یہ عدم کو چلا
مجھے چھوڑ کے آہ تو گھر کو نہ جا ، تجھے اپنے ہی فندقِ پا کی قسم
مجھے پھر خدا کہیں اس سے چھڑا ، ترے ہجر کی شب ہے یہ کالی بلا
نہیں جھوٹ میں کہتا کچھ اس میں ذرا مجھے تیری ہی زلفِ دوتا کی قسم
ابھی دیکھو تو کیسی اٹھی ہے گھٹا ، یہی عیش کا دن ہے اڑا لے مزا
کرو بادہ کشی مرے ماہ لقا ، تمھیں دیتا ہوں ابر و ہوا کی قسم
ابھی جاتی ہے آج تو وصل کی شب نہیں کیوں ہے ملایا لبوں سے یہ لب
مجھے اب تو اڑانے دے عیش تو اب تجھے ، اپنے ہے مہر و وفا کی قسم
لگے تیری بلا مجھے آفتِ جاں کبھو پھر بھی یہ کہہ کے کھلائے گا پان
مرے سر کی قسم مری جان کی قسم مرے غمزہ و ناز و ادا کی قسم
مریں غیر پہ آپ میں تم پہ مروں مجھے کیا ہے غرض کہو کیوں میں جلوں
یہی جی میں ہے تم سے نہ بات کروں ، مجھے اپنی اس آہِ رسا کی قسم
کسے دیکھوں کہو لگوں کس کے گلے شبِ وصل میں مجھ سے جو تو یہ کہے
کہ یہ بادۂ سرخ تو پی لے ، تجھے مرے ہاتھوں کے رنگِ حنا کی قسم

کہاں جاتا ہے منہ کو چھپائے ہوئے ترے ہجر میں جاتے ہیں ہم تو مرے
کبھی مڑ کے ادھر کو بھی دیکھ تو لے ، تجھے حضرت شیرِ خدا کی قسم
سنو میری نہ ہو مجھے کھاؤ اجی مجھے پیٹو جو مجھ کو گراؤ اجی
مرے گھر سے نہ آج تو جاؤ اجی ، تمھیں میری ہی شب کی بکا کی قسم
مرے بچھڑے کو مجھ سے ملاؤ کوئی مرے روٹھے کو لا کے مناؤ کوئی
ارے یارو تم اس کو بلاؤ کوئی ، تمھیں خالقِ ارض و سما کی قسم

۲۹

لکھ دے مشاطہ تو ابروے دلارام پہ نام
یعنی استاد کا بھی چاہیے صمصام پہ نام
کوئی کس شکل سے ہم چشم ہو اے پستہ دہن
چشم رکھتی ہے تری نرگس و بادام پہ نام
کیونکہ روباہ صفت پاے قناعت دکھ جائے
اسد اللہ کا لیتا ہوں میں ہر گام پہ نام
روسیہ گرچہ ہیں پر ہم نے ترا راحتِ جاں
کھود رکھا ہے نگینِ دلِ ناکام پہ نام
کیوں نہ آنکھوں سے لگا کر میں پیوں اے ساقی
ہے رقم ساقیِ کوثر کا لبِ جام پہ نام
گردشِ چشم کا اک تیری نہیں شاکی میں
رکھتے آئے ہیں سبھی گردشِ ایام پہ نام
کیوں نہ انگشت نما جوں مہِ نو ہوں کہ مرا
آج شدت میں لیا اس نے لبِ بام پہ نام
والہ و شیفتہ و زار و حزین و مجنوں
ہم کو کیا کیا تری الفت میں ملے نام پہ نام

بات منہ دیکھے کی آئینے نے جب دل سے کہی
یعنی رکھ اُس کے رخ و زلفِ سیہ فام پہ نام
تب کہا دل نے کہ ہے کام مجھے دونوں سے
نہ تو میں کفر پہ رکھتا ہوں ، نہ اسلام پہ نام
عملِ زشت کی اک دن ہے مکافات نصیر
آہ کس منہ سے تو اب چاہے ہے اس کام پہ نام

۳۰

چھیڑی کس گل کے دہن کی تھی کہانی شبنم
منہ میں غنچے کے چواتی ہے جو پانی شبنم
بارشِ گریہ سے مٹتا ہے کوئی داغِ جگر
اُلفتِ لالہ رخاں کی ہے نشانی شبنم
ہوگی کس منہ سے تو اُس کے دُرِ دنداں کے حضور
آبرو یاں تجھے مشکل سے ہے پانی شبنم
صبح پیری میں ہوئی تیری طرح سے پامال
خاک میں مل گئی هیہات جوانی شبنم
دامنِ گل سے لگی کب تو غلط کہتی ہے
بات مانے گی نہ یہ تیری زبانی شبنم
ہر سحر اُس نے تو گلشن میں چڑھایا سر پر
کس روش گل نے تری قدر نہ جانی شبنم
ٹالکتی کیوں ہے تو موتی ، تجھے کہتا ہے نصیر
بر میں صحرا کے قبا زور ہے دھانی شبنم

——: ٥ :——

ردیف ن

۱

ہم رہانِ سفر اسبابِ سفر باندھے ہیں
چیت غافل کہیں اب یار کمر باندھے ہیں

نہیں یہ اشکِ مسلسل میں لڑی موتی کی
ہار تیرے لیے یہ دیدۂ تر باندھے ہیں

تا اب بامِ قفس طاقتِ پرواز نہیں
آج صیّاد نے بے وجہہ سے پر باندھے ہیں

سج کے دستار نکلتے ہیں وہ کیا عاشق پر
باندھنو ایک نیا شام و سحر باندھے ہیں

کیا غزل خوب کہی تو نے یہ شاباش نصیر
زور مضمون بآئینِ دگر باندھے ہیں

۲

عرش اور فرش ہے گو بازیِ چوگانِ سخن
کیا بیاں کیجے غرض وسعتِ میدانِ سخن

تیر کی طرح ہے ہر مصرعِ موزوں تیرا
پار ہی سینے کے ہو جائے ہے پیکانِ سخن

حق میں ، خاقانی و عرفی ، مرے فرماتے ہیں
محفل آرائے طرب ، شمعِ شبستانِ سخن

ہے شناور تو ہر اک بحرِ غزل پر قادر
موج زن جب ہو تری طبع بہ جولانِ سخن

نہیں اس باغ میں کچھ بادِ خزاں سے (خدشہ)
بلبلِ طبع غزل خواں ہے بہ بستانِ سخن

محملِ دل میں ہے نت لیلٰی تازہ مضموں
ہم نے جوں قیس کیا سیرِ بیابانِ سخن

یادگارِ دو جہاں ہووے سخن کی دولت
سر پہ گویا کہ ہمیشہ ہے یہ احسانِ سخن

پیچھے یوں لاکھ بنایا کریں جی میں باتیں
روبرو اُس کے کسی کو نہیں امکانِ سخن

شعر ہر ایک ہے دلچسپ ترا محفل میں
ہے عجب فکرِ رسا اور زہے شانِ سخن

ملکِ دل میں ہے ترے لاکھوں رعیت مضموں
اے نصیر اپنے ہے تو وقت کا سلطانِ سخن

۳

صبح جو تجھ بن باغ میں بینیں غنچوں کی رنگین بجیں
رو کے کہا شبنم نے گلوں سے آہ یہ بے آئین بجیں

آگے مرے زہرا نے جو گایا عید کے دن اور شبِ برات
شمس و قمر کی دھم دھمیاں کیا رشکِ بتانِ چین بجیں

ہجر کی شب اپنی بھی کٹے ، ہو جلد الٰہی صبحِ وصال
تین پہر ہر دو گھڑیاں تو دل کی بے تسکین بجیں

شاید تو نے لی ہے جمائی نشے کا تیرے اب ہے اتار
چٹکیاں تیری بزم میں جو اس وقت بتِ بے دین بجیں

کیا کہوں تجھ سے اے لیلی صحرا میں ہوا کیا غل برپا
پاؤں کی تیری خلخالیں جب قیس کے دل کو چھین بجیں

اشک نکل کر اپنے چمکے شب سرِ مژگاں جگنو سے
اسی بہانے ہاتھوں سے اُس کے تالیاں تو دو تین بجیں

ہجر کی شب نیند آئی کسے پشّوں کی صدا سے آہ ذرا
صبح تلک شہنائیاں کیا اے میرے دلِ غمگیں بجیں

نالہ و افغاں کب تک کھینچیے طفلِ برہمن اب تو آ
سر پہ ہمارے گھڑیالیں لے صبح سے تا پیشین بجیں

جب کہ ہوا اے ذودک مطرب دل سے ترادم ساز خیال
جتنی رگیں تھیں سینے میں چوں تار و رباب و بین بجیں

تیرے سوا کون آج یہاں ہے بادشہِ اقلیمِ سخن
نقّاروں کی جوڑیاں در پر کس کے نصیرؔ الدین بجیں

۲

وصلِ یوسف ہو عزیزو آسے امکاں نہیں
جس کو یعقوب نمط دیدۂ گریاں نہیں

کشتیٔ چشم میں آ میرے جو چاہے ہے نجات
رونا میرا بھی کم از نوح کا طوفاں نہیں

سرمے کی باڑھ دے آنکھوں کو جو خوں ریز ہے تو
وہ سپاہی نہیں اب جس کو کہ اوساں نہیں

سن کے یارو نہیں کرتا تو مرا حال، آ دیکھ
چشم تو رکھتے ہے تو، گو کہ ترے کان نہیں

یہ بھی تو پھوٹ کبھی منہ سے کہ ہاں آؤں گا
کب تلک شوخ کہے جائے گا ہر آن نہیں

جب سخن کہیے کہ سامع کی طبیعت ہو درست
شہسواری کروں کیا ، گو ہے تو میدان نہیں

ایسے میں آؤ گل اندام تو ہے لطف بڑا
خط کے آنے پہ ملو گے تو کچھ احسان نہیں

بے تکلف ہو چلے آؤ نصیر اپنے کے گھر
یعنی درویش کے ہاں کچھ در و دربان نہیں

۵

پسِ دیوار تک گر ، رخنۂ دیوار بیٹھے ہیں
ذرا تو دیکھ عاشق طالبِ دیدار بیٹھے ہیں

اٹھائے سے کسی کے کب اٹھیں ہیں جو کوئی جم کر
ترے کوچے میں جوں نقشِ قدم اے یار بیٹھے ہیں

پیاسا خون کا پھرتا ہے گر قاتل تو پھرنے دو
کہ ہم بھی تشنۂ آبِ دمِ تلوار بیٹھے ہیں

الجھتے کیوں ہو اے خارِ بیابانِ وفا ، دیکھو
تمہارے ہم تو دامن سے لگے ناچار بیٹھے ہیں

اٹھے جو بلبلے کی طرح سے بحرِ حقیقت میں
وہیں پھر کھولتے ہی آنکھ کے اک بار بیٹھے ہیں

تری محفل میں کیا ہے بزمِ تصویرات کا عالم
خموشاں ہیں کھڑے دو تین ، اور دو چار بیٹھے ہیں

گزر ہو کس طرح عاشق کا اب اس کے محلّے میں
خبرداری کو ہر ناکے پہ چوکیدار بیٹھے ہیں

کرے گا کوچ جب تو کاروانِ عمر کہہ دینا
کہ ہم بھی مستعد چلنے کو یاں تیّار بیٹھے ہیں

کہاں جاتا ہے اُٹھ کر اے فرنگی زاد پہلو سے
مسیحائی تو کر پہلے کہ ہم بیمار بیٹھے ہیں
خریداری نصیر اک دن کسی نے بھی نہ کی آ کر
عبث ہم جنسِ دل لے کر سرِ بازار بیٹھے ہیں

۶

چشمِ تر سے روز و شب ہوتی نہیں دور آستیں
آبروے مردماں رکھنی ہے منظور آستیں
نرگسِ بیمار نے دیکھو کیا اپنا علاج
زرد رکھی رنگ گر بر دیدۂ کور آستیں
دستِ ہمت ہے بسان شاخِ نخل میوہ دار
ہے مدام اہلِ سخا کی زر سے معمور آستیں
ساعدِ سیمیں پہ اُن کے نو رتن کی ہے بہار
جامہ زیبوں کی پھبن رکھتی ہے پُر نور آستیں
قتل کو پھرتا ہے وہ عاشق کے یاں تک مستعد
نت چڑھی رہتی ہے قاتل کی بدستور آستیں
ہاتھ آیا ہے وہ میرے آج مدت میں نصیر
چھوڑتا دامن کو ہوں، نے تا بمقدور آستیں

۷

شب جو رخِ پُر خال سے وہ برقع کو اُتارے سوتے ہیں
چشمِ قمر لگتی ہی نہیں کیا بلکہ نہ تارے سوتے ہیں
بند کیے آنکھیں وہ اپنی نشے کے مارے سوتے ہیں
وقت یہی ہے گھات کا اے دل دیکھ چکارے سوتے ہیں

ہجر میں تیرے شمس و قمر کی آنکھ لگے کیا ، لیل و نہار
چرخ کے کب گہوارے میں یہ عشق کے مارے سوتے ہیں

آیا تھا وہ ماہ جبیں اقرار پہ آدھی رات کو آہ
یارو کیونکر جاگتے رہیے ، بخت ہمارے سوتے ہیں

فرصت پا کر ہاتھ لگایا پاؤں کو اُن کے جب میں نے
کہنے لگے چل دور سرک ، مت ہاتھ لگا رے ، سوتے ہیں

بسترِ گل کی بالش پر کی اُن کو نہیں کچھ حاجت ہے
سر کو ترے زانو پر رکھ جو شب کو پیارے سوتے ہیں

کیا جانے اس خوابِ عدم میں لذّت ہے جو اہلِ قبور
اپنے اپنے گھر میں ہاں یوں پاؤں پسارے سوتے ہیں

اک مدّت میں پھرتے پھرتے منہ سے سنی درباں کے یہ بات
شکر خدا کا اپنے وہ گھر میں آج تو بارے سوتے ہیں

جوری سے ہم شب کو پہنچے پاؤں تلک جوں دزد حنا
لیکن چوکیدار کئی نزدیک تمھارے سوتے ہیں

اُس کے قریبِ چشم کہاں ہے خال دلا ٹک غور سے دیکھ
کیفیّت سے مست پڑے دریا کے کنارے سوتے ہیں

وہ تو کبھی بیداری میں جز خواب نہیں ملتے یارو
کوئی ہمیں ہرگز نہ اُٹھانا ، ہجر کے مارے سوتے ہیں

مانگ میں تیری کیوں نہ کریں عشّاق کے دل آرام بھلا
ہیں یہ مسافر ، رستے میں منزل کے مارے سوتے ہیں

چشمِ ملاقات ان سے رکھیے تو ہی بتا کس وجہہ نصیر
غیر کی جانب ابرو سے وہ کر کے اشارے سوتے ہیں

۸

ترا جب قد و قامت دیکھتے ہیں
سراپا ہم قیامت دیکھتے ہیں

نہیں آئینہ رو کچھ اور منظور
کدورت دل میں لا مت ، دیکھتے ہیں

مبارک باد ہم دیتے ہیں عاشق
کہ قاتل کو سلامت دیکھتے ہیں

بسے ہے وہ صنم آنکھوں میں دن رات
خدا کی ہم کرامت دیکھتے ہیں

دلِ دیوانہ سے ہم شیشۂ جاں
رگِ سنگِ سلامت دیکھتے ہیں

کوئی دن کا ہے حسنِ عارضی مال
ترے خط کی علامت دیکھتے ہیں

قدم رکھا ہے درویشی میں جب سے
نصیر ہم استقامت دیکھتے ہیں

۹

اُڑتی ہے کوئی رونقِ بازارِ گلستاں
بلبل ہے دل و جاں سے خریدارِ گلستاں

جینے ہی کے اب آن کے پڑے ہیں ہمیں لالے
لالے کی روش ہیں جو دل افگارِ گلستاں

قمری یہ نہیں سرو پہ انگشت نما ہے
چڑھتے ہیں سرِ دار گنہگارِ گلستاں

شب کو یہ بہارِ گلِ مہتاب ہے ساقی
سیارۂ گردوں بھی ہے سیارِ گلستاں

اس شوخِ طرح دار بن اے بادِ بہاری
ہے دار ہمیں دیکھنا دیدارِ گلستاں

اے بادِ صبا ہم تو ہوا خواہ ہیں تیرے
مشتاق ہیں گل کے، نہ طلب گارِ گلستاں

آنکھیں نہ لڑا اس گلِ خوبی سے کہ تجھ میں
کیا شاخ ہے اے نرگسِ بیمارِ گلستاں

سوتے ہیں کوئی سائلِ نظّارۂ حیرت
نرگس نہیں ہے دیدۂ بیدارِ گلستاں

کہتا ہے کھلا رخنۂ دیوار نہیں ہے
ہیں خاک نظر آنے کے آثارِ گلستاں

صیّاد نکالے ہے ہر اک بات میں رخنہ
ہیں بند کہاں رخنۂ دیوارِ گلستاں

آزاد جہاں سے ہوئی نرگس بھی آج نصیرؔ
کیا قحت میں چنپا کے ہے سرکارِ گلستاں

۱۰

خاک آرام ہو اب غیرِ دلارام کہیں
جب دلارام ہو تب دل کو ہو آرام کہیں

دل کو کیا چین ہو چھٹ زلفِ سیاہ فام کہیں
اڑتے دیکھا نہیں طائر تو سرِ شام کہیں

تجھ سے کیا دیدۂ و دانستہ محبّت کیجے
آنکھ لڑتی ہے کہیں نامہ و پیغام کہیں

اور کچھ ساقیِ خود کام نہیں ہے مطلب
لب سے ٹک میرے لگا دے تو لبِ جام کہیں

اُس کے مژگاں پہ رسائی ہو سرے اشک کو کیا
شاخِ نرگس میں لگا ہے گلِ بادام کہیں

ساغرِ مے کی طرح ہم نے نہ پایا آرام
ہاتھ سے تیرے تو اے گردشِ ایام کہیں

خط کو کہتے ہیں وہ کیا دیکھ کے آئینے میں
نظر آیا نہ اس آغاز کا انجام کہیں

لکڑیاں کھائے گی تو پھر بہت اے آتشِ عشق
رہ گیا پکنے میں دل کچھ بھی اگر خام کہیں

سیرِ دریا سے ہی یاں سیر ہوا دل اپنا
تو ہی سمجھا دے اسے ساقیِ گلفام کہیں

ٹوٹ جائے نہ یہ اے موج کہیں جامِ حباب
ہاتھ رعشے سے ترا کانپے ہے، ٹک تھام کہیں

جوں نگیں گھر میں قدم گاڑ کے اب بیٹھ نصیر
تار ہے صفحۂ گیتی پہ ترا نام کہیں

۱۱

جوں بوئے گل یہاں تلک از خود رمیدہ ہوں
وارستگی کے ہاتھ سے دامن کشیدہ ہوں

چھیڑوں میں کیونکہ اُس بتِ کافر کی زلف کو
ڈرتا ہوں ریسماں سے کہ افعی گزیدہ ہوں

ماتم سرائے دہر میں یوں تیری اے حباب
اک دم کی زندگی ... [illegible]

سیخِ کباب بن کے بدلتا ہوں کروٹیں
اے بادہ نوش آگ میں تجھ بن طپیدہ ہوں

بے بال و پر اگرچہ ہوں صیّاد پر یہاں
پرواز میں بھی طائر رنگِ پریدہ ہوں

خوں ہو کے دل مژہ پہ کہے ہے نسیم سے
اس رنگ سے میں رشکِ گلِ نودمیدہ ہوں

تو چاہتی ہے اے طپشِ دل کہ بعدِ مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

دشتِ جنوں میں کیونکہ نہ میری ہوا بندھے
مانندِ گردباد گریباں دریدہ ہوں

کہتی ہے شاخِ تاک نہ کر سرو سرکشی
میں دستِ باغباں سے سراسر بریدہ ہوں

مجھ کو ہوائے دشت نوردی سے کیا ہے کام
اے ضعف تیرے ہاتھ سے میں آرمیدہ ہوں

بیٹھا ہوں فرشِ خاک پہ مانندِ نقشِ پا
کیونکر اٹھوں جگہ سے کہ منزل رسیدہ ہوں

پایا نصیر گلشنِ ہستی سے یہ ثمر
بارِ گنہ سے صورتِ شاخِ خمیدہ ہوں

۱۲

فرصت ایک دم کی ہے جوں حباب پانی یاں
خاک سیر ہو کیجے سیرِ زندگانی یاں

اب تو منہ دکھا اپنا کاش کے تو اے پیری
مل گئی تری خاطر خاک میں جوانی یاں

کیا یہ پیرہن تن کا جوں حباب چمکے تھا
باندھی ہے ہوا میری تو نے ناتوانی یاں

وقتِ گریہ موزوں ہو کیوں نہ آہ کا مصرع
رفتہ رفتہ اشک اپنا بن گیا فغانی یاں

جانِ من مجھے ہر دم تیرا پاسِ خاطر ہے
اس لیے میں کرتا ہوں دم کی پاسبانی یاں

اُس کے تیرِ مژگاں سے ہو گیا جو دل چھلنی
بیشۂ نیستاں کی ہم نے خاک چھانی یاں

گھیر تو نے جامے کا بےطرح بڑھایا ہے
اب زمین ناپے گا دورِ آسمانی یاں

آگے اُس کی قامت کے ایک دن جو اکڑا تھا
خوب سا بنا سیدھا سروِ بوستانی یاں

قطعہ

یار کی گلی میں تو جا کے بیٹھ مت رہنا
حال پر مرے رکھنا چشمِ مہربانی یاں

قاصدِ سرشک اپنی تجھ سے ہے غرض اتنی
کھائیے گر وہاں کھانا ، پیجو آ کے پانی یاں

خار سے خلش رکھنا اے نصیر بےجا ہے
ہے یہ آبلہ پائی وجہِ سرگرانی یاں

۱۳

عکسِ تابِ رخ ترا درمانِ زخمِ دل نہیں
چاندنی مارے جسے بچتا وہ پھر گھائل نہیں

تیرے دل سے دل ملانا ہر کسی کا دل نہیں
سنگ و مینا ساتھ رکھنا کارِ ہر عاقل نہیں

خار تک بے قسمت اہلِ فیض سے حاصل نہیں
آبِ دریا تر کبھی کرتا لبِ ساحل نہیں

بیٹھے بیٹھے میں کروں ہوں طے عدم کی شاہراہ
نقشِ پا ہوں مجھ کو فکرِ روزیِ منزل نہیں

حسرتِ دیدار میں رہ جائے گی وا چشمِ قیس
آج کیوں لیلٰی شگافِ پردۂ محمل نہیں

چھوڑتا ہرگز نہیں دل اُس کی زلفوں کا خیال
کون سی شب ہے کہ پھر ہر اک بلا نازل نہیں

غنچہ ہے تیرا دہن یا دُرجِ گوہر، سچ بتا
یہ کسی صورت سے کھلتا عقدۂ مشکل نہیں

یاد آتا ہے لچکنا اُس کمر کا مجھ کو آہ
شاخِ گل موجِ صبا سے صبح اتنا ہل نہیں

ہے شبِ تاریکِ ہجرِ یار سوزش میں مرا
آفتابِ حشر سے کچھ کم یہ داغِ دل نہیں

مرہمِ کافور کا پھاہا بناتا میں اسے
کیا کروں ہر صبح تک نکلا مہِ کامل نہیں

چشمۂ خورشید میں نکلا ہے لیلوفر نصیر
روے عالم تاب پر اُس سیم تن کے تل نہیں

۱۴

خال یوں اُس کے ذقن پر ہیں بلا شک روشن
جیسے کرتے ہیں لبِ چاہ پہ چومک روشن

جلوہ گر کیا سحر و شام ہے تحریرِ شفق
نیلِ گردوں کی ہے یہ رنگ سے مستک روشن
کیا شرارت ہے ترے حسن کے شعلے میں کہ برق
سامنے ہو نہ سکے یار کے چشمک روشن
شمع کو گرمیِ صحبت ہے یہ پروانے سے
شب کو دیکھوں ہوں میں فانوس کی اسپک روشن
ماہ رو پر نہیں خورشید سرِ شام غروب
کر کے تجھ پر سے اتارے ہے یہ صحنک روشن
یوں فلک پر ہے مری آہِ شرربار کہ جوں
آگ دینے سے ہوائی کے ہو یولک روشن
آہ کس مہ کی تمنّائے ہم آغوشی میں
رات تھی چادرِ مہتاب سے توشک روشن
کیا پیا ساغرِ مے ہم نے کہ ساقی دو جہاں
آگے آنکھوں کے ہوا رکھتی ہے عینک روشن
یوں ہی صفحے پہ زمیں کے نہیں بیٹھے ہیں نصیر
جوں نگیں نام ہمارا ہے فلک تک روشن
کیوں نہ وہ بادشہِ ملکِ سخن جوں خورشید
کہ ترا نام نصیرؔ اب ہے فلک پر روشن

۱۵

کیا ہوا خواب میں گر شب کو ہم آغوش ہوں میں
صبح تو دل سے ترے خوابِ فراموش ہوں میں
گرچہ جوں نقشِ قدم خاک سے ہم دوش ہوں میں
پر ترے سایۂ قامت سے ہم آغوش ہوں میں

سب سے جوں مردمِ چشم اس لیے روپوش نہیں
کہ سدا تیرے تصوّر سے ہم آغوش ہوں میں

کہہ دو یہ اس ستم ایجاد سے پیغام مرا
تو جفا پیشہ اگر ہے تو وفا کیش ہوں میں

سب پہ روشن ہے کہ جوں شمع زباں رکھتا ہوں
پر شرارت سے تری بزم میں خاموش ہوں میں

تابِ نظّارۂ دیدار نہیں ، خانہ خراب !
جھانک مت رخنۂ دیوار سے بے ہوش ہوں میں

چاہتا یہ تو نہیں آہ مرا طفلِ سرشک
رونقِ دامنِ مژگان و سرِ دوش ہوں میں

اس کے دل میں یہ تمنّا ہے کہ یارب اس کا
رفتہ رفتہ کسی صورت سے درِ گوش ہوں میں

بیعتِ دستِ سبو کیا کروں اے پیرِ مغاں
چشمِ جاناں سے شب و روز قدح نوش ہوں میں

ہے اسی گوشۂ ابرو کا تصوّر مجھ کو
زیرِ محرابِ درِ مے کدہ مدہوش ہوں میں

کیوں نہ ہوں مردمکِ دیدۂ کونین نصیر
ماتمِ آلِ پیمبر میں سیہ پوش ہوں میں

۱۶

دیکھ ، جانے دے ، پہن مت آسمانی چوڑیاں
ہالۂ مہ پر ستم ڈھائیں گی خانی چوڑیاں

تیرے ہاتھوں سے کرے پرواز کیونکر مرغِ دل
حلقۂ دامِ بلا کی ہیں نشانی چوڑیاں

شاخِ گل پر عشق پیچاں کی کبھی لپٹے نہ بیل
تو جو پہنے سرو قد ہاتھوں میں دھانی چوڑیاں

دل کے ڈسنے کو تری ناگن تو تھی زلفِ سیاہ
پر ستم ہیں ، یہ بلائے ناگہانی چوڑیاں

حلقۂ قوسِ قزح کو اے فلک دیکھا تو کیا
تہیں کسی دستِ حنائی کی دکھانی چوڑیاں

دیکھ کر تیری صفائی ہاتھ کی اے بحرِ حسن
ہو گئیں خلجت سے جوں گرداب پانی چوڑیاں

دیکھ تو آنکھوں کی اندھی کچھ بھی ہے تجھ کو شعور
یہ تو میری نوجوانی ، اور پرانی چوڑیاں

دسترس اُس کی کلائی تک ہو کیونکر اے نصیر
میل سے آتیں نہیں مجھ کو لگانی چوڑیاں

ہو خطِ پرکار آسا عقل چکر میں نصیر
کھینچے اُن ہاتھوں کی گر بہزاد و مانی چوڑیاں

۱۷

چراغِ داغِ سینہ سے نہیں اے مردماں روشن
یہاں آنکھوں کے روشن داں سے ہے دل کا مکاں روشن

مرے جینے کی کچھ پروا نہیں اے شمع رو تجھ کو
کہ ہے فانوسِ تن میں شمع ساں ہر استخواں روشن

ہمارا لختِ دل یوں اشک میں چمکے ہے اب جیسے
چراغِ چشمِ ماہی ہو تہِ آبِ رواں روشن

چنے چینِ جبیں پر اپنے تو افشاں اگر مہ رو
فلک پر رات کو ہووے نہ خطِ کہکشاں روشن

بسانِ نقشِ پا افتادگی کا سر پہ احساں ہے
ہوا ہے خاک بپائی سے حالِ رفتگاں روشن

نہیں حرفِ کدورت نام کو بھی اس میں ، اب دیکھو
دلِ اہلِ صفا ہر لحظہ ہے آئینہ ساں روشن

مہِ ہالہ نشیں ہے حلقۂ رنداں میں جامِ جم
رہے اس دور میں یارب یہ بزمِ مےکشاں روشن

بجا ہے مجھ کو کہنا محتسب کو دیکھ کر ہردم
کہ چشمِ مدّعی ہو کور ، چشمِ دوستاں روشن

نصیر اس صفحۂ گیتی پہ جوں نقشِ نگیں میرا
رہے گا روزِ محشر تک سنا نام و نشاں روشن

۱۸

کہاں ہے غنچہ صبا یک دہن ہزار زباں
کسی کا دل ہے سنا یک دہن ہزار زباں

مرے بھی منہ سے نکلتے ہیں شعلے یاں اے پھول
مجھے نہ ہنس کے دکھا یک دہن ہزار زباں

سدا ہے یہ لبِ فوّارہ سے سخن جاری
تماشا دیکھ مرا یک دہن ہزار زباں

بنا خطوطِ شعاعی سے مہر ہے دیکھو
سحر بہ ذکرِ خدا یک دہن ہزار زباں

نصیر یہ لبِ فوّارہ پر رہے ہے سخن
کرے ہے بن کے ثنا یک دہن ہزار زباں

۱۹

کس طرح پرواز کا لوں نام ، ساقی ابر میں
حلقۂ موجِ ہوا ہے دام ، ساقی ابر میں

داغ سیر شہپرِ طاؤس صحرا تجھ بغیر
زہر کا لگتا ہے مجھ کو جام ، ساقی ابر میں

حسن کے شعلے کو اس کے اک شرارت ہے مدام
برقِ چشمک زن سے ہے پیغام ، ساقی ابر میں

دیکھنا ٹک تو اتو کا تار بارش کی ہوا
اس ہوا کے دیکھنے پر گام ساقی ابر میں (کذا)

چشمِ سیکوں دیکھ کر تیری رکھے ہے پیشِ چشم
پردۂ شرم و حیا بادام ، ساقی ابر میں

کیوں نہ ہو پیمانۂ مے آہ با چشمِ پُر آب
ساتھ ہے یہ گردشِ ایّام ، ساقی ابر میں

ہم صفیرانِ چمن کرتے ہیں کیا کیا چہچہے
ایک ہم ہیں آہ زیرِ دام ، ساقی ابر میں

جامِ مے کی دے سپر مجھ کو کہ آتی ہے نظر
موجِ دریا تیغِ خوں آ شام ، ساقی ابر میں

دوش پہ غنچہ لیے ہے سامنے گلشن میں ہیں
پھول بیٹھے کیوں نہ وہ گلفام ، ساقی ابر میں

برق کے مانند خاکستر پہ تڑپے ہے نصیر
یار بن اک دم نہیں آرام ، ساقی ابر میں

۴۰

کچھ نہیں کھلتا ہے عقدہ عندلیبانِ چمن
غنچۂ بشگفتہ ہے یہ یا ہے پستانِ چمن

فصلِ گل ہووے مبارک تم کو مرغانِ چمن
مجھ کو ہے صبحِ قیامت شامِ ہجرانِ چمن

جلوہ فرما ہو جو تُو سوئے دبستانِ چمن
لیں گلستاں کا سبق پھر عندلیبانِ چمن

جب ہنسے غنچے تو کیا بولے نہالانِ چمن
کاش یارب ہوں یہ برخوردار طفلانِ چمن

شمع پہ پروانے قرباں ، گل پہ مرغانِ چمن
میں ترے صدقے ہوں اے رشکِ عروسانِ چمن

گل سے پہنچا مصرعِ بالا کہ تا مطلع ہو خوب
سرو ہے اک مصرعِ موزوں بہ دیوانِ چمن

پائے در زنجیر مت کر مجھ کو اے موجِ نسیم
چاک دامن تک کروں گا میں گریبانِ چمن

گردِ رخ تیرے نہیں ہے وجہہ یہ خط کی نمود
راستی ہے ، خار ہوتے ہیں نگہبانِ چمن

شاخِ نافرماں کے سر پر لالۂ حمرا ہے یاں
غور سے دیکھا تو ہے دُودِ چراغانِ چمن

آئنے میں دیکھ روئے پُر عرق کی ٹک بہار
قطرۂ شبنم ہیں کیا دست و گریبانِ چمن

دوش پر غنچوں نے جب رختِ سفر باندھا تو پھر
یہ کہا شبنم نے اے خالہ بدوشانِ چمن

توڑ کر مُہرِ خموشی مجھ سے ٹک ہنس بول لو
گر مسافر تم ہو تو میں بھی ہوں مہمانِ چمن

اس دلِ پُر داغ میں ہے تیری آنکھوں کا خیال
کیوں نہ اب حیراں ہوں اے سروِ خرامانِ چمن

آہوئے صحرا تو ہم کانوں سے سنتے تھے یہاں
آج تک دیکھے نہ تھے لیکن غـزالانِ چمن

گر خطِ مشکیں کو دیکھے اُس کے رخ پر اے نصیر
اپنے جامے سے ہو باہر گـوے ریحانِ چـمن

۲۱

خط آنے پر بھی وہ مشقِ ستم سمجھتے ہیں
ہم ایک روز سر اپنا قلم سمجھتے ہیں

ہمارے منہ سے نہ لگ اے لئے نیستاں تو
نئے یہ تیرے بہت ایسے دم سمجھتے ہیں

نہ کیونکہ لختِ جگر لے کے نکلے طفلِ سرشک
کہ مردم اُس کو جواہر رقم سمجھتے ہیں

رکھا ہے دیدۂ تر پر ہمارے اُس نے قدم
ہم اپنے اشک کو آبِ قدم سمجھتے ہیں

نہیں ہے یک سرِ مو زلف و داغِ دل میں فرق
کہ وہ ہے دام، اسے ہم درم سمجھتے ہیں

کہاں ہے گوہرِ اشک اور لعلِ لختِ جگر
حباب دیدۂ تر آج ہم سمجھتے ہیں

قسم نہ کھاؤ زباں داب کر کہ آؤں گا
تمہاری ایسی زبانی قسم سمجھتے ہیں

آٹھائیو کوئی طوفان نہ سر پہ خسالہ خراب
کہ تجھ کو خوب ہم اے چشمِ نم سمجھتے ہیں
غرض کھلا ہے یہ ہم پر مقامِ حضرتِ عشق
کہ عرش و کرسی و لوح و قلم سمجھتے ہیں
نصیر یعنی دل و داغ اور سینہ و آہ
جو کچھ کہ ہیں سو انہیں لوگ کم سمجھتے ہیں

۲۲

شب کو نہ کیونکر تجھ کو پھبتا سر پر طرّہ ، ہار گلے میں
جوں پروین و ہالۂ مہ تھا ، سر پر طرّہ ، ہار گلے میں
رونقِ سر یاں داغِ جنوں ہے ، اشکِ مسلسل زیبِ گلو ہے
چاہیے تجھ کو غیرتِ لیلا سر پر طرّہ ، ہار گلے میں
بال پریشاں ہیں کاکل کے ، پیچ گلے میں ہیں پگڑی کے
یوں رکھتا ہے وہ متوالا سر پر طرّہ ، ہار گلے میں
حق میں ہیں مرے طائرِ دل کے باز کا چنگل ، دام کا حلقہ
اے بتِ کافر مجھ کو نہ دکھلا سر پر طرّہ ، ہار گلے میں
شمع اور تسبیح کے بدلے شیخ جی صاحب رکھنے لگے ہیں
کیونکہ نہ دیکھیں رند تماشا ، سر پر طرّہ ، ہار گلے میں
رشکِ چمن تو سیر کرے گا جب کہ کنارِ حوض و لبِ جو
فوّارہ اور بھنور رکھے گا سر پر طرّہ ، ہار گلے میں
شعلہ کہاں ، آنسو ہے کدھر شب شمع رکھے ہے محفل میں
تارِ زر اور موتیوں کا سا سر پر طرّہ ، ہار گلے میں
کیفیّت کیا خاک ہو ساقی ، سوے چمن طاؤس اور قمری
ابر و ہوا میں رکھے ہیں پنہا سر پر طرّہ ، ہار گلے میں

ہے یہ تمنا میرے جی میں، یوں تجھے دیکھوں بادہ کشی میں
ہاتھ میں ساغر، بر میں مینا، سر پر طرّہ، ہار گلے میں ۱۳

عکس شعاعِ مہر نہیں یہ، بیل چنبیلی کی لپٹی ہے
سروِ چمن نے کیا ہے پیدا سر پر طرّہ، ہار گلے میں

دیکھ بہ چشمِ غور چمن میں تیرے سوا رکھتا ہے کون
اس صورت سے قمریِ شیدا سر پر طرّہ، ہار گلے میں

اور بدل کے ردیف و قوافی لکھیے غزل اس بحر میں جلدی
تم نے نصیر اب خوب بٹھایا سر پر طرّہ، ہار گلے میں ۱۳

۲۳

کروں جوڑے کا تصوّر کہ خیالِ گردن
زندگی ہوگئی اے جان وبالِ گردن

شمع نے کچھ نہ دیا عاقبتِ کار جواب
شب جو گلگیر لگا کرنے سوالِ گردن

کس طرح عشق میں اب اپنی سرافرازی ہو
تیغِ قاتل سے ابھی ہو جو وصالِ گردن

شفق و صبح بہم دست و گریباں ہے دیکھ
پان کھانے سے ترا ہے جو جمالِ گردن

لگ گئی مردمکِ چشم ہے یہ عاشق کی
اخترِ صبح نہیں یار کا خالِ گردن

سر فرو نرگسِ بیمار چمن میں ہے نصیر
یک قلم ضعف سے ہے اس کا یہ حالِ گردن

۲۴

حسرتیں یک دست جی کی سب نکلیاں دیکھیاں
آنکھیں جب پاؤں تلے ظالم نے مایاں دیکھیاں

آنکھ کے لڑتے ہی اس گل کی سرِ رہ دل پہ آہ
برچھیاں کیا کیا صفِ مژگاں کی چلیاں دیکھیاں

دختِ رز اور شمع میں تیری سی ہے گرمی کہاں
مد سے جوبن کے یہ ہم نے دونوں ڈھلیاں دیکھیاں

وہ سرِ مژگاں پہ دیکھے لختِ دل جس نے نہ یاں
شاخِ مرجاں میں لگیں لالے کی کلیاں دیکھیاں

رنگ تیرے لب کے آگے قند کا نیا ہے سفید
پانی پانی شرم سے مصری کی ڈلیاں دیکھیاں

ہم ہیں اور مجنوں ازل سے خانہ پروردِ جنوں
اس نے کی صحرا نوردی ، ہم نے گلیاں دیکھیاں

بلبلِ بے پر کرے گا پھر گرفتارِ قفس
گر ترے صیاد نے کلیاں نکلیاں دیکھیاں

گردۂ تصویر ہے ہر نقشِ پائے رفتگاں
خاک میں شکلیں ہزاروں آہ رلیاں دیکھیاں

اپنے نخلِ آرزو کی ، باغِ گیتی میں نصیر
حیف ہے پھل سے کبھی شاخیں نہ پھلیاں دیکھیاں

۲۵

آتشِ سینہ سے ہوں سوختہ تر پانی میں
گرچہ ماہی کی طرح رکھتا ہوں گھر پانی میں

۱۷ روز و شب ہاتھ سے آئینہ نہیں رکھتا ہے
پڑ گئی تھی کہیں اک روز نظر پانی میں
پڑ گئے چھاتی پہ دریا کی پھپھولے سے حباب
گرم آنسو کا مرے ہے یہ اثر پانی میں
زاہدِ خشک سے ہو کیوں نہ فضیلت اس کو
بن مصلّے جو چلے شیخ ادھر پانی میں
ایک دن عکسِ بنا گوش کا دیکھا تھا ترے
کان پکڑے ہوئے اب تک ہے گہر پانی میں
اشک سے پُر ہے صدا گریہ کی دولت یہ جام
ڈوبے ہی رہتے ہیں لت دیدۂ تر پانی میں
۱۸ مردمِ چشم کو ہے آب میں دن رات آرام
کچھ شناور کو نہیں خوف و خطر پانی میں
اس فرنگی کے پسر سے ہے مجھے خوف، جسے
یاد ہے آگ لگانے کا ہنر پانی میں
اتنا بے بہرہ نہ ہو دیدہ و دانستہ حباب
ایک دم میں ہے ہوا، تو نہ ابھر پانی میں
خضر اس لب کی حلاوت کی تو کچھ پوچھ نہ بات
کیا کہوں یار نے گھولی ہے شکر پانی میں
وہ بہادر ہے نصیر اب جو کوئی باندھے ہے
دُرِ مضمون بہ آئینِ دگر پانی میں

۲۶

باندھے کیا سروِ چمن اپنی ہوا گلشن میں
قد قیامت ہے یہ بُوٹا سا ترا گلشن میں

جامہ زیب آج گیا کون دلا گلشن میں
گل نے سو ٹکڑے جو کی اپنی قبا گلشن میں

شاخ پر غنچہ گل دیکھ کے کٹ جائے گا
فندقِ دستِ حنائی نہ دکھا گلشن

فصلِ گل بیٹھنے دے چین سے دیوالوں کو
اک لیا آ کے شگوفہ نہ کھلا گلشن میں

ہر گلِ سرخ دہکتا ہے جو انگارا سا
شاید آتش کا کوئی پھول پڑا گلشن میں

منہ ہے کیا بادِ خزاں کا جو رکھے آگے قدم
کیوں ہے تو تیغ بکف موجِ صبا گلشن میں

ہم بھی ہیں زمزمہ سازوں میں چمن کے صیّاد
ہاتھ سے اپنے قفس رکھ دے ذرا گلشن میں

سروِ مینا ہے سبو غنچہ ہے ساغر گل ہے
ساقیا بادہ کشی کا ہے مزا گلشن میں

رنگ ہو جائے گا فق دیکھ کے گل مہندی کا
پاؤں میں جا کے لگاؤ نہ حنا گلشن میں

کون سنتا ہے یہ فریاد و فغانِ بلبل
اے صبا گل سے کے ذرا کان اٹھا گلشن میں

رنگِ زردِ رخِ عاشق کو نہ پہنچے گی بسنت
سرسوں اپنی نہ ہتھیلی پہ جما گلشن میں

صبح دم گر وہ گل اندام نہ آیا تو مجھے
دیجو شبنم کنی پیرے کی کھلا گلشن میں

کون سا سروِ خراماں نہیں آیا ہے نصیر
نقلِ ماتم جو ہر اک نخل بنا گلشن میں

۲۷

حلقۂ دیدہ سے یاں ہردم گیا دریائے خوں
مردماں کب دو ہے پل کے کم گیا دریائے خوں

جوہرِ تیغِ ستمگر موج زن ہے دم بہ دم
زیرِ محراب اس کے کس دن تھم گیا دریائے خوں

ہے بجا گر قبر کا اس کے رہے ہے سنگِ سرخ
کوہکن کے سر سے اے ہمدم گیا دریائے خوں

جب رگِ لیلیٰ پہ نشتر واں رکھا فصّاد نے
دستِ مجنوں سے یہاں اس دم گیا دریائے خوں

تھم گئی یہ چشمِ تر ورنہ دکھاتے اس کا پاٹ
تختۂ دامن پہ اپنے جم گیا دریائے خوں

قتل کو میرے ہو درہم کھا لیا بیڑا اٹھا
آن میں اپنی دل کو کر برہم گیا دریائے خوں

نشترِ خارِ مغیلاں ہے خزاں کے ہاتھ میں
ہر رگِ گل سے ہے بے موسم گیا دریائے خوں

رنگ آبِ چشمِ تر بدلے ہے کیا کیا صبح و شام
ہو کے سیلِ اشک سے توام گیا دریائے خوں

یہ نہیں رنگِ حنا، صیاد کے ہا چوم کر
صید کے حلقوم سے پیہم گیا دریائے خوں

روتے روتے آہ بیٹھی کشتیٔ چشم اپنے نصیر
شاد ہوں کیا خاک دیے اک غم گیا دریائے خوں

دل ہوا شاید خستہ نصیرؔ پہلو میں تمام
اب جو آنکھوں سے ہماری تھم گیا دریاے خوں

۲۸

کوچۂ سربستہ سے زلفِ چلیپا کم نہیں
خضر یہ ظلمات کی گلیاں ہیں، پیچ و خم نہیں
جام کی خواہش کوئی کم ظرف رکھتا ہوگا پوچھ
ساقیا پہلے . . . ظرف میں تو ہوتا جم نہیں (کذا)
تار سے وابستہ کرتی ہے مگس کو عنکبوت
بند سے اس مُو میاں کے وا دلِ آدم نہیں
ہو نہ درہم جامۂ کعبہ سیہ ہوتا ہے جاں
خطِّ مشکیں حسن و رخ کا موجبِ برہم نہیں
دردِ سر عیسٰی کو تسبیح ملک تھی چرخ پر
سن کے ذکرِ دانہ ہاے خال تیرا دم نہیں
ہے لباسِ شب سیہ اور چاک جیبِ صبح آہ
شامیو کس روز یاں شبّیر کا ماتم نہیں
کس سے دل خالی کریں جوں شیشۂ ساعت ہم
حاصلِ عمرِ عزیز اب خاک بھی ہمدم نہیں
زخم ہر گل کے ہزار افسوس چھڑکا ہے نمک
بلبلو، کیا دیکھتی ہو، قطرۂ شبنم نہیں
دست رو کونین پر مارے ہوئے بیٹھے ہیں وہ
جن کو شادی زیست کی اور مرگ کا کچھ غم نہیں
مرقدِ عاشق پہ کیا حاجت چراغ و گل کی ہے
داغ سینے کا چراغ و گل سے اس کو کم نہیں

جنبشِ سبزہ کفِ افسوس کی صورت ہے آہ
شمعِ گور اپنی اگر با دیدۂ پرنم نہیں
جھانجھ کرتا ہے عبث تو مجھ سے لت اے چرخ دوں
صاحبِ نوبت نہیں سازندہ زیر و بم نہیں
جز سے کل ہوتا ہے اور کل جزو سے ثابت نصیرؔ
کون کہتا ہے کہ قطرہ فی الحقیقت یم نہیں

۲۹

بہم ہے زلف کے کیا خط سے خال پردے میں
ملا ہے خضر سے جا کر بلال پردے میں
نہیں ہوا ہے نمد پوش آئنہ بے وجہہ
ترے حضور ہے کھینچ انفعال پردے میں
نہ کیونکہ صورتِ وارستگاں ہو خانہ بدوش
کہ بوئے گل کو ہے رکھنا محال پردے میں
کوئی گھٹے ہے یہ اے شمع تیری گرمیٔ حسن
رکھے ہے آپ کو تو چھیل چھال پردے میں
جھلک رہا ہے ہر اک برقعِ حباب میں بحر
صفت سے ذات کے یوں ہے وصال پردے میں
ذرا ہو سامنے اوجھل سے ہٹ کے خانہ خراب
کہ تا کجا یہ جواب و سوال پردے میں
نقاب مصحفِ رخ سے نہ وہ اٹھائیں یہاں
کہ دیکھے ہے دلِ عاشق بھی فال پردے میں
لگے ہے متّصلِ دل یہ کیونکہ جی سچ ہے
تمھارے ناوکِ مژگاں کی بھال پردے میں

تموزِ آہ سے سینے ہے کیونکہ دل نکلے
ہر ایک بیٹھے ہے وقتِ زوال پردے میں
شتاب باندھ لیے اس نے بند محرم کے
پہنچنے پایا نہ دستِ خیال پردے میں
نہیں میں دامنِ مژگاں کو چھوڑ کر رویا
کہ اب کے سال ہوئے برشگال پردے میں
ستار میں نہیں چھیڑا خیال سربستہ
جتا رہا ہے وہ اپنا کمال پردے میں
نہ کیونکہ سینے میں دل اے نصیر اب دھڑکے
کہ ساتھ اس کے یہ دیتا ہے تال پردے میں

۳۰

جوں زیرِ پل ہے آب خمِ ذوالفقار میں
جوہر ہر ایک موج ہے اس منجدھار میں
کیوں ٹھنڈی (ٹھنڈی) سانس تو لیتی ہے اے نسیم
سرگرمِ نالہ کون ہے فصلِ بہار میں
بلبل کی آج سالگرہ کی یہ دھوم ہے
شبنم ہے شکلِ گانٹھ رگِ گل کے تار مین
دے ہے کسی کے خون کا یک مشت خوں بہا
رنگِ حنا نہیں ہے یہ دستِ نگار میں
ہرگز مراجعت نہ عدم رفتگاں نے کی
حیراں ہے چشمِ نقشِ قدم انتظار میں
کم روسیاہی سے نہیں نامرد کو سپر
پشت و پناہ مرد کی ہے کارزار میں

رضواں کی گر طلب وہ رکھیں تو قصور ہے
باشندگی ہے جن کو دلا کوے یار میں

ہے یہ خطا کہ چھوڑ کے وہ زلفِ مشک فام
آشفتگی سے جائیے چین و تتار میں

بیٹھا جو آ کے چھاؤں میں سارا اسی نے سنگ
ثمرہ ملا یہ نخل کو اس رہ گزار میں

ساقی گلابیٔ مئے گل رنگ گر نہیں
مینا کدوے سبز ہے ابرِ بہار میں

جھومے کہیں ہیں ہنسے کہیں اینڈتا ہے تاک
نرگس جھکائے چشم کھڑی ہے بہار میں

ناخن سے برگِ گل کے چمن میں بصد خروش
مطرب ترانہ چھیڑ رہا ہے ستار میں

غنچہ بھی پھول پھول بجاتا ہے چٹکیاں
لالہ بھی خوش ہے اپنے دلِ داغ دار میں

دیتا ہے تال ہاتھ سے، چلتی ہے جب صبا
ہر برگِ نخلِ سبز سحر شاخسار میں

سب چہچہا رہے ہیں غرض طائرانِ باغ
سو میں کہوں پکار کے بلکہ ہزار میں

مت خاکِ عاشقاں کو تو برباد کر صبا
شاید ہو شہسوار کوئی اس غبار میں

دیکھا نہ نخلِ شمع کو جز سوختن نصیر
پھولا پھلا کہیں چمنِ روزگار میں

۳۱

شبِ فراق میں اشک اپنے تو نکلتے ہیں
تمھارے دیکھیے کب لڑکے پاؤں چلتے ہیں

نہ کیونکہ شب سہ بالہ نشیں ہو حلقہ بگوش
بلا یہ کان کے بالے تمھارے ہلتے ہیں

پہنچ گئے سبھی منزل کو ہمرہاں افسوس
اور ایک ہم ابھی آنکھیں ہی اپنی ملتے ہیں

ہوئے ہیں طفلِ سرشک اپنے اس قدر ابتر
کہ لوٹتے ہیں یہ دامن میں اور مچلتے ہیں

لباسِ کہنۂ ہستی اتار کر عاشق
کفن نہ سمجھو، یہ پوشاک اب بدلتے ہیں

بغل میں مدّعیِ جاں ہے دوستو یہ دل
کہ اس کی بات کے پہلو کئی نکلتے ہیں

عجب پھری ہے زمانے کی کچھ ہوا یارو
جو غیر ہیں انھیں پنکھا خوشی سے جھلتے ہیں

اور ایک ہم جو ہوا خواہ ہیں سو دھوپ میں آہ
کھڑے ہوئے پسِ دیوار کب سے جلتے ہیں

غزل اک اور بھی کہہ اس زمین میں کہ نصیر
زباں سے شعر تری خوب تر نکلتے ہیں

۳۲

بیادِ خالِ بتاں اشک کیا نکلتے ہیں
مسافر آج یہ تاروں کی چھاؤں چلتے ہیں

بہت ہے گرمیٔ بازار آہ طفلِ سرشک
نکل نہ گھر سے کہیں دن یہ جلتے بلتے ہیں
ہم اس کے دستِ حنا بستہ کے تصوّر میں
ہنوز جنبشِ مژگاں سے ہاتھ ملتے ہیں
نہالِ شمع جلا پھولتے ہی ٹک افسوس
وگرنہ پھولتے جو نخل ہیں سو پھلتے ہیں
یہ تجھ سے رشتۂ اُلفت ہے شمع رو دل کو
کہ اس کو دیکھ چراغ و پتنگ جلتے ہیں
نہ کیونکہ دل سے بھلا اپنے ہاتھ دھو بیٹھوں
غریقِ بحرِ محبّت کہیں اُچھلتے ہیں ؟
نہیں ہیں مائلِ نظّارہ اپنی صورت کے
کہ آن آن میں کیا کیا ہرن بدلتے ہیں
یہ سادہ رو بھی عجب سادہ لوح ہیں اب کے
صفائے سینۂ آئینہ پر پھسلتے ہیں
تصوّرِ قدِ جاناں میں تم سے آج نصیر
عجب ہی مصرعِ موزوں آہ ڈھلتے ہیں

۳۳

اک قافلہ ہے بِن ترے ہمراہ سفر میں
اشک آنکھ میں ہے ، دل میں ہے داغ ، آہ جگر میں
آرام مجھے بِن ترے اک پل نہیں گھر میں
جوں مردمکِ دیدہ ہوں دن رات سفر میں
پھرتا ہے وہ گل پوش مرے دیدۂ تر میں
ہے شعلۂ جوّالہ کی تصویر بھنور میں

سوراخ یہاں صورتِ فوّارہ ہیں سر میں
دکھلاؤں تماشا جو مجھے چھوڑ دے گھر میں

قطعہ

رشک آئے نہ کیوں مجھ کو کہ تو دیکھ زر و سیم
رکھتا ہے قدم پلۂ خورشید و قمر میں
میں ان درِ شہوار کے اشکوں سے ادھر آ
تو لوں گا بٹھا کر تجھے حیران نظر میں
آ دیکھ نہ ہنس ہنس کے رلا مجھ کو ستم گر
اک نوح کا طوفاں ہے مرے دیدۂ تر میں
عکسِ لبِ پاں خوردہ سے دلداں ہیں ترے سرخ
یا آتشِ یاقوت ہے یہ آبِ گُہر میں
باز آؤ شکار افگنی سے ہاتھ اٹھاؤ
بھالے کو میاں کس لیے رکھتے ہو کمر میں
رہتی ہے بہم زلف بناگوش سے تیرے
کچھ فرق نہیں ہے سرِ مو شام و سحر میں
ہے اس میں رقم حالِ سیہ بختیٔ عاشق
یہ نامہ کوئی باندھ دو اب زاغ کے پر میں

قطعہ

یہ بھی کوئی انصاف ہے اے خانہ خراب آہ
اوروں کو تو لے جائے ہے تو دن دئے گھر میں
اور ہم جو ہیں سو دیکھنے کو بھی ترے ترسیں
دیوار میں رخنہ ہے، نہ سوراخ ہے در میں

کس وجہہ نصیر اس لبِ شیریں پہ نہ ہو خال
ہوتا وطنِ مور تو ہے تنگ شکر میں

۳۴

سرِ مژگاں بوقتِ نالہ آنسو کو ترستے ہیں
یہ سچ ہے جو گرجتے ہیں، وہ بادل کم برستے ہیں
نہیں کب ظاہر و باطن تصوّر اور خیال اس کا
کبھی آنکھوں میں پھرتے ہیں، کبھی آ دل میں بستے ہیں
سراغِ دل بتا سچ مو بہ مو زلفوں میں اے شانہ
جو کوئی جھوٹ بولے ہے تو منہ کو سانپ ڈستے ہیں
مقیّد بوئے گل ہو کس روش کوئی رگِ گل میں
کہ وارستوں کے جانے کے ہر اک جانب کو رستے ہیں
نکلنا آنسوؤں کا یہ نہیں بے وجہہ اے ظالم
سمجھنا اور مت جی میں کہ یوں ہی مجھ سے ہنستے ہیں
ترے کوچے میں ہم برپا کریں گے دیکھنا طوفاں
کہ اپنے بھی جلو میں آج دریا کے دستے ہیں

بسانِ نے نصیر اب ان کے ہاتھوں ناک میں دم ہے
جہاں وہ دیکھتے ہیں مجھ کو، آوازے ہی کستے ہیں

۳۵

رکھیے قدم بن اس کے کیونکر دلا چمن میں
آڑ ناگنی لگی ہے موجِ ہوا چمن میں
مے جامِ گل میں بھر کر مجھ کو پلا چمن میں
ساقی گھٹا اٹھی ہے، مت دل گھٹا چمن میں

اس وقت چاہیے ہے شیشے کے ساتھ دارو
آتا نہ تھا یہ اس کے تجھ کو روا چمن میں

بادِ صبا کا چلنا کچھ سرسری نہیں ہے
ساقی یہ باندھتی ہے اپنی ہوا چمن میں

ہنستے ہی ہنستے راہی ہے قافلہ گلوں کا
غنچوں کا ہے چٹکنا بانگِ درا چمن میں

شمشاد و سرو پر کو قرباں عبث ہے قمری
رکھتا ہے انگلیوں پر تجھ کو نچا چمن میں

تلووں سے تیرے میں نے اپنا جو خوں ملا ہے
خنجر بکف ہے مجھ پر برگِ حنا چمن میں

آتا ہے وہ، خوشی ہو، اے آبشارِ گلشن
چادر کو منہ پہ لے کر روتی ہے کیا چمن میں

ہم اہلِ جرم ساقی توبہ شکن نہ کیوں ہوں
ہر شاخِ گل لگے ہے دستِ دعا چمن میں

کاکل کو اپنے رخ پر تم چھوڑتے تو ہو پر
سنبل کے سر پہ ہوگی نازل بلا چمن میں

کس لالہ رو کا تجھ کو دن رات ہے تصور
تو کیوں کھڑی ہے نرگس آنکھیں جھکا چمن میں

سچ کہہ صبا گلوں پر کیوں اوس پڑ گئی ہے
کیا آج کھلکھلا کر کوئی ہنسا چمن میں ؟

جاؤں کدھر نصیر اب ہاتھوں سے میں جنوں کے
ہر موجِ آب جو ہے زنجیرِ پا چمن میں

۳٦

آ چکا خط منہ پہ، کہہ دو ان سے اب آویں نہیں
ہم سیہ بختوں کو باغِ سبز دکھلاویں نہیں

اس کے ہنسنے پر دلا کیوں اشک بھر لاویں نہیں
برق واں چمکی تو ہم یاں مینہ کیوں برساویں نہیں

خاک ہے نام و نشاں اپنا کہ جوں نقشِ قدم
راہِ اُلفت میں مٹے تو بھی ترے بھاویں نہیں

سایۂ مژگاں میں رکھ پر لختِ دل کو چشمِ تر
یہ گلِ باغِ محبت دیکھ کملاویں نہیں

سرکشی بے وجہہ کرتی ہیں یہ زلفیں آپ کی
مجھ کو سوجھے ہے کہیں اب مار یہ کھاویں نہیں

تو تو اک پرچہ بھی واں سے نامہ بر لایا نہ آہ
زندگی کیونکر ہو گر ہم دل کو پرچاویں نہیں

عرش پر ہے دیکھ ان زہرہ جبینوں کا دماغ
ہے بجا خاطر میں اپنی تجھ کو گر لاویں نہیں

ہمسری کس منہ سے تو کرتا ہے اے مہ چرخ پر
تو تو کیا ہے مہر سے یہ پاؤں دھلواویں نہیں

چشمِ اُلفت سے جو وہ دیکھے ادھر کو اے نصیر
اپنی آنکھوں پر انھیں ہم کیونکہ بٹھلاویں نہیں

۳۷

عجب تھے سخت کچھ اے سنگدل ہمارے دن
جو تیرے ہجر میں مر مر کے یاں گزارے دن

جو کل ہی ہو ترے وعدے کا اے پیارے دن
تو کہیے اس شبِ مہ کو خوشی کے مارے دن
غرور و عجز ہے دونوں طرف سے اب بے جا
نہ ہم رہے نہ وہ ہیں اب رہے تمھارے دن
سوادِ زلف میں کیونکر لٹو نہ حضرتِ دل
نہ کوئی ساتھ نہ تم دیکھ کر سدھارے دن
دو چند تو بھی صفائی ہے تیرے عارض کی
چڑھے ہے چرخ پہ گو آفتاب سارے دن
کہے ہے سایۂ مژگاں کو دیکھ قاصدِ اشک
کہ چھپ گیا مجھے دریا ہی کے کنارے دن
الٰہی کوئی ملاقات کا بھی دن ہوگا
بہت گزر گئے کرتے ہوئے اشارے دن
مدام دور تھا ساقی کہ جو بھرے تھا جام
ہزار شکر کہ اب وہ پھر آئے بارے دن
کہے ہے خالِ جبیں کو وہ دیکھ آئنے میں
کہ مہر تو نہیں سرگرمِ دید سارے دن
ہوا ہے تو مرا روکش یہ آج کس رو سے
لگے ہیں تجھ کو بھی عرشِ بریں کے تارے، دن

قطعہ

انھوں نے کل رخِ روشن پہ اپنی چھوڑ کے زلف
کہا نصیر یہ ہے رات یا بتا رے دن
دیا جواب جو میں نے کہ ہے شبِ تاریک
تو وو ہیں رخ سے اٹھا زلف کہہ پکارے دن

۳۸

ہیں وہ اپنے دیدۂ تر پل میں جو جنگل بھریں
ان کے آگے کیوں نہ پانی شرم سے بادل بھریں

موجِ خونِ عاشقاں کو حسرتِ پابوس ہے
اور حنا سے ہاتھ یوں ہیہات وہ پل مل بھریں

دے وہ اک بوسہ بھی خالی گر لبِ شیریں کا آج
منہ ترا اے برہمن تو قند سے ہم کل بھریں

عشوہ و ناز و ادا مانگیں ہیں دوں میں کس کو آہ
ایک کا منہ خاک سے بھی ہو تو اے چنچل بھریں

خواب کی خاطر دلا اس میرے رشکِ حور کے
کہہ دو پریوں کو پروں سے تکیۂ مخمل بھریں

پھر ڈبویا تو نے ہم کو چشمِ دریا بار آہ
آشنائی کا ترے کیا خاک دم پل پل بھریں

نقش ہو دل پر نہ اپنے بات یہ کیونکر کہ جب
غیر تعویذوں سے تیری جانِ من ہیکل بھریں

مت گھٹا اس ابر میں دل ساقیِ کم ظرف دیکھ
حکم گر ہووے تو ہم اس خم سے اک بوتل بھریں

قطعہ

آج کیا آنکھیں دکھا نرگس سے لالے نے کہا
بےزرِ گل ہم کوئی دامان اے شفتل بھریں

گر بھرم تیرا ہے ہم پر تو نہ کر گلشن میں دیر
شیشۂ غنچہ میں کہہ دو جلد گنگا جل بھریں

چشم جینے کی رکھیں آن قاتلوں سے کیا نصیر
کشتگانِ خنجرِ مژگاں سے جو مقتل بھریں

۳۹

آپ کا کون طلب گار نہیں عالم میں
ایک بندہ ہی گنہگار نہیں عالم میں
کبک نے کب کی تری چال اڑائی ہوتی
پر جو دیکھا تو یہ رفتار نہیں عالم میں
گل رخو ! حیف ہے گر یہ دلِ افگار نہ لو
اس روش کا گلِ دستار نہیں عالم میں
اشک کو دامنِ مژگاں سے لگا رکھ اے چشم
دیکھ یہ گوہرِ شہوار نہیں عالم میں
دار پر چڑھ کے ہے منصور اناالحق بولا
یہ کسی کو سرِ پندار نہیں عالم میں
پھینک دوں جنسِ گراں مایہ دل کو کیونکر
اس کا کیا کوئی خریدار نہیں عالم میں ؟
وائے قسمت کہ جلاتا ہے یہ دل مجھ کو بھی
کوئی جینے کا روادار نہیں عالم میں
دلِ بے تاب کے ہاتھوں سے جو دیکھا تو کسے
آہ یہ حسرتِ دیدار نہیں عالم میں
نرگس و آئنہ بھی دید کے مشتاق ہیں یاں
میں ہی اک محوِ رخِ یار نہیں عالم میں
راستی یہ ہے جو کہتا ہوں میں تجھ سے قمری
سرو سے تیرے سروکار نہیں عالم میں

سرو و شمشاد و صنوبر تو ہزاروں دیکھے
پر یہ بوٹا سا قدِ یار نہیں عالم میں
بسترِ خاک کفایت ہے فقیروں کو نصیر
خواہشِ تختِ ہوادار نہیں عالم میں

۴۰

رخ پہ دو زلفیں ہیں اے دلدار کس کا ہو رہوں
ہیں دو کافر ، ایک میں دیندار ، کس کا ہو رہوں
غنچہ و گل دیکھ کر کہتا ہے جو مرغِ چمن
ایک مفلس ، ایک ہے زردار ، کس کا ہو رہوں
جائے حیرت ہے کہ شکلِ نرگس و آئینہ آہ
یعنی اب میں طالبِ دیدار کس کا ہو رہوں
مت دکھا مژگاں و ابرو ، دیکھ اے قاتل مجھے
تیر وہ کھینچے ہے ، یہ تلوار ، کس کا ہو رہوں
برہمن زنّار پہناتا ہے اور تسبیح شیخ
کہہ دلا ان میں سے اب اک بار کس کا ہو رہوں
کس کو تابِ دم زدن تیرے لبوں کے ہے حضور
دو مسیحا ، ایک میں بیمار ، کس کا ہو رہوں
تو تو دیوانہ ہوا ہے ناصحا ، بکتا ہے کیا
چھوڑ کر ایسا پری رخسار ، کس کا ہو رہوں

قطعہ

عشوہ و ناز و کرشمہ ، غمزہ و آن و ادا
دل کے درپے ہیں مرے اے یار ، کس کا ہو رہوں

تجھ سے سچ کہتا ہوں جی میں ہے شش و پنج اس لیے
ایک میں ہوں اور یہ دو چار ، کس کا ہو رہوں
شائعِ روزِ جزا تم کو سمجھتا ہے نصیر
کہیے اب یا حیدرِ کرار ، کس کا ہو رہوں

۲۱

خاندانِ قیس کا میں تو سدا سے پیر ہوں
سلسلہ جنبانِ شورِ خانہ زنجیر ہوں
خاکساری کے ابھی تو درپۓ تدبیر ہوں
کشتہ ہو کر خاک جب ہوں تب کبھی اکسیر ہوں
ضعف نے گو کر دیا ہے جوں کماں گوشہ نشیں
اب بھی چلنے کو جو پوچھو تو سراسر تیر ہوں
رشتۂ الفت نے باندھے ہیں پرِ پرواز آہ
دامِ حیرت میں برنگِ بلبلِ تصویر ہوں
تجھ سے یہ عقدہ کھلے گا اے نسیمِ صبح دم
غنچے کی مانند اس گلشن میں کیوں دلگیر ہوں
منتظر چشمِ رکاب اے صید افگن ہے ہنوز
بوسۂ فتراک کی خواہش ہے ، وہ نخچیر ہوں
فقر کی دولت کے آگے سلطنت کیا مال ہے
بسترے پر اپنے اے روبہ مزاجو ! شیر ہوں
سچ ہے اپنے دم سے قائم ہے یہ بنیادِ جہاں
رونق افزائے چمن ، آرایشِ تعمیر ہوں
جیسی چاہے ویسی لے مجھ سے قسم قاتل نہ ڈر
حشر کو بھی گر کبھی تیرا میں دامن گیر ہوں

اہلِ جوہر ہی مرے مضموں کو سمجھے ہے نصیر
میں بھی اقلیمِ سخن میں صاحبِ شمشیر ہوں

۴۲

نیستاں کر دیا تو نے تو اے بے باک سینے میں
لگا کے تیرِ مژگاں یک قلم کیا تاک سینے میں

خیال اس شمع رو کا جی میں یارو رات کیا آیا
کہ جوں پروانہ باندھا دل نے میرے چاک سینے میں

لیا گردوں نے تارِ کہکشاں کیا پیچکِ مہ سے
یہ درزی لگ رہا ہے کیا تری پوشاک سینے میں

بجز پاسِ نفس دریائے الفت میں قدم مت رکھ
کہ دم کو اپنے روکے ہے ہر اک پیراک سینے میں

نہ روکیو قاصدِ اشکِ رواں کو مردمِ دیدہ
خبر کو دل کی بٹھلائی ہے ہم نے ڈاک سینے میں

زباں ہے غنچہ ساں گو اس چمن میں لال اے ہمدم
کہ وردِ دل ہے نامِ صاحبِ لولاک سینے میں

کیا کیا اس ستم ایجاد نے تاراج ملکِ دل
یہ بستی جب سے ویراں ہے اڑے ہے خاک سینے میں

نہیں داغِ سیہ یہ زاہدا ہاتھوں سے اب تیرے
چھپائی غنچہٴ لالہ نے ہے تریاک سینے میں

نصیر اب تو ہی کیا دریائے معنی کا شناور ہے
درِ مضموں ہے تیرے صاحبِ ادراک سینے میں

۴۳

دل ساتھ زلف کو اب کیا پیچ و تابیاں ہیں
شانے نے انگلیاں بھی دانتوں میں دابیاں ہیں

کھینچے ہے کیا کٹاری گلشن میں برگِ سوسن
سورج مکھی کی ڈھالیں بھی آفتابیاں ہیں

پردہ حجاب کا اب آنکھوں سے کاش اٹھتے
منظور عین اُس کے اب بے حجابیاں ہیں

مخمور ہو کے لیے ہے خمیازہ شاخِ ہر گل
ساغر بکف ہے نرگس، غنچے گلابیاں ہیں

قامت دوتا نہیں ہے محراب در جھکے ہے
پیری میں قصرِ تن کی خانہ خرابیاں ہیں

قطعہ

گردوں کے ہاتھ سے ہے عالم کو سوخت حاصل
اور بدقماشیوں سے کیا اضطرابیاں ہیں

اوراق گنجفے کے میر و وزیر ہیں یہ
کب آفتاب و مہ کی دونوں رکابیاں ہیں

کیا کام محتسب کو گھر سے نصیر میرے
خم سر نگوں پڑے ہیں گو بدشرابیاں ہیں

۴۴

ہے عجب! خال نے اس رخ پہ دھرا کیونکر پاؤں
کہ سپند اچھلے ہے رکھتے ہی سرِ اخگر پاؤں

اے دل اُس حلقۂ گیسو میں دھر اب جم کر پاؤں
گھر سے جوں نقطۂ پرکار نہ رکھ باہر پاؤں

رات دن اشک فشاں ہم تو ہیں دوری میں تری
دیکھیے لڑکے ترے چلتے ہیں کب دل پر پاؤں
بخت بیدار کہاں ہے جو میں اس تک پہنچوں
آہ سو جاتے ہیں ہر شب کو مرے اکثر پاؤں
باغباں کیوں نہ ترے سر کو قلم کر ڈالے
شاخِ تاک اینڈے ہے تو باغ میں پھیلا کر پاؤں
کر دے تو زلفِ بتاں شیخ کو زیرِ زنّار
بس ترا ہوجیے بایاں ہی بت کافر پاؤں
تارِ مژگاں پہ رواں یوں ہے مرا طفلِ سرشک
نٹ رسن پر چلے ہے جیسے کوئی رکھ کر پاؤں
سر پہ گر تیغ لگاتے ہے تو ظالم مت کھینچ
آرہ کش کی طرح رکھ کر مری چھاتی پر پاؤں
عشق کی راہ وہ جوں شمع نہ کاٹے کیونکر
رفتہ رفتہ جو کوئی سر کو بنائے گر پاؤں
گرچہ آنے کا کیا اس نے ہے وعدہ لیکن
اے نصیر اس کی نہیں بات کا ہرگز سر پاؤں

۲۵

ڈوب جاوے کیوں نہ یہ پھر سوختہ تن آب میں
غیر سے چھینٹے لڑے جب شوخ پُر فن آب میں
مت سمجھ گرداب اسے اے شوخ پُر فن آب میں
سایہ افگن ہے یہ تیرا دورِ دامن آب میں
گر وہ رشکِ حور ہووے سایہ افگن آب میں
ہے یقیں دریا پری بن جائے جوگن آب میں

کچھ نہ کچھ اے خضر ہے تاثیرِ روغن آب میں
ہے چراغِ دیدۂ ماہی جو روشن آب میں

چشم میں ہو کیوں نہ ربطِ موجِ اشک و لختِ دل
سانپ پانی کا ہے کب ماہی کا دشمن آب میں

ہے عرق آلودہ دیکھو چہرۂ گلنارِ یار
کیا تماشا ہے کہ ہے آتش کا مسکن آب میں

جھولتے جھولے میں تھے اگلے برس تو اس کے ہاتھ
اب کے فرقت میں ڈبا دے ہم کو ساون آب میں

محرمِ شبنم پہ تیرے گوکھرو کی ہے یہ لہر
ہاتھ دوڑاؤں میں کیا، بیٹھی ہے ناگن آب میں

تودۂ تیرِ ملامت صاف طینت ہے نہیں
وہ بتا دے جس نے کر دیکھا ہو روزن آب میں

سایہ افگن ہو لبِ دریا وہ شوخِ سرخ پوش
یوں کہے ہے آگ ہم کرتے ہیں روشن آب میں

خوبیاں تیرے لبِ جاں بخش کی سن کر یہاں
چشمۂ حیواں بھی ڈوبا رشکِ گلشن آب میں

کیونکہ دریا میں نہائے وہ ہمارا سروِ ناز
جو قدم رکھتے ہوئے کرتا ہے سن سن آب میں

آسیائے آب کی مانند پھرتا ہے بھنور
کیوں نہ ہو اس کو تلاشِ مشتِ ارزن آب میں

نوح کے طوفاں سے عاشق کو ترے کیا ہے خطر
ہے بدولت چشمِ تر کی اس کا مسکن آب میں

کوئی آہن دل کرے کیونکر سبک رویوں کی ریس
تیرتا ہے خار و خس، ڈوبے ہے سوزن آب میں
دیکھنے کو اپنی پھلکاری کی انگیا کی بہار
وہ لب دریا ہوا جو سایہ افگن آب میں
ہو کے حیراں یہ لگا کہنے کہ پھولوں سے لدا
آج تک دیکھا نہیں تھا سرو گلشن آب میں
کل جو دریا میں نہانے کو ترا مجنوں گیا
موج تھی کیا صورت زنجیر آہن آب میں
بلکہ اے لیلیٰ منش دیکھا تو اس کے واسطے
بن گیا گرداب بھی تھا طوق گردن آب میں
کر دیا پایاب دریائے سخن تو نے نصیر
ہے رواں فکر رسا کا تیرے توسن آب میں
اور بھی پڑھ کر غزل اب نکتہ دانوں کو دکھا
دانہ ہائے گوہر مضموں کا خرمن آب میں

۲۶

ابر سے ہیں تار بارش ناوک افگن آب میں
موج دریا کیوں نہ پہنے تن پہ جوشن آب میں
عکس ابرو کو جھکا کر دیکھ گردن آب میں
دیکھتے ہیں ماہ نو اے شوخ پُرفن آب میں
دل کو لیتا ہے تو رکھ پر شگفتہ آب میں
یہ کنول کا پھول ہے، اس کا ہے مسکن آب میں
رتبہ اہل صفا ہے سب سے بالا تر یہاں
پست لگتا ہے فلک، ہے سب پہ روشن آب میں

ساحلِ دریا کا دامن کترے ہے مقراضِ موج
تو بھی کرائے خارِ ماہی کارِ سوزن آب میں

تشنہ لب مت چھیڑ آبِ تیغ سے قاتل مجھے
روح بھی بھٹکے گی میری بعدِ مُردن آب میں

جامِ مے لے دستِ ساقی سے، اگر باور نہ ہو
ہے اثر آتش کا شیخِ پاک دامن آب میں

عقل چکّر میں تری کیونکر نہ اے گرداب ہو
آج کاووں پر لگا ہے اس کا توسن آب میں

آشنا جب کا ہوں جو طفلی میں تم کاغذ کی ناؤ
وقتِ بارش چھوڑتے تھے مل کے روغن آب میں

برقعۂ آبِ رواں میں یہ تری جالی نہیں
پڑ گئے ہیں ناوکِ مژگاں سے روزن آب میں

تیری چمکا دی ہے رتّی گوشِ مہوش نے دوچند
ورنہ تجھ پر اے گہر تھا خاک جوبن آب میں

یہ دلِ پُرداغ دستہ نرگسِ شہلا کا ہے
سامنے آنکھوں کے رکھ اے رشکِ گلشن آب میں

سر بلندی موجبِ پستی ہے، دیکھ انجامِ کار
گرچہ اے منعم ہے فوّارے کا مخزن آب میں

تم کنارِ آبِ جو لب پر مسی ملتے ہو گیا
شرم سے ڈوبے گا دیکھو برگِ سوسن آب میں

تیرے ملنے کے لیے لکھ لکھ کے نقشِ دوستی
ہم بہاتے ہیں سدا اے جی کے دشمن آب میں

قطعہ

دیدۂ پر آب کو میرے تصوّر یار کا
جب کہ یہ سمجھے کہ ہے اپنا نشیمن آب میں
پھر عجب کیا ہے جو بارو وہ کرے در پردہ سیر
منہ پہ اپنے چھوڑ کر مژگاں کی چلمن آب میں

قطعہ

تشنہ لب ہولا شہید ایسا ہے جو اب تک ہے آہ
ماتمِ آلِ عبائے پاک دامن آب میں
چکچکی کی شکل دستِ موج میں ہے ہر حباب
شورِ دریا یہ نہیں ہے شورِ شیون آب میں

قطعہ

اشک افشانی سے شمعِ انجمن کی اے نصیر
بھر گیا سارا لگن کا شب جو دامن آب میں
ہو گیا پروانۂ دل سوز یہ کہہ کر نثار
نور بائی یہ کھڑی ہے یا فرلگن آب میں

۴۷

سایہ افگن ہو جو وہ زلفِ معنبر آگ میں
دودِ پیچاں بن کے سنبل ہو معطّر آگ میں
کام پروانے کا جل جانا ہے اڑ کر آگ میں
منہ سے کیا اے شمع جو مارے مگس پر آگ میں
رزق دونوں کو ہی پہنچاتا ہے وہ روزی رساں
آب میں رہتی ہے ماہی اور سمندر آگ میں

مجھ کو سوجھے ہے کہ تو آتش رخوں سے مل کے آہ
جھونک دے گا ایک دن اے دل مقرر آگ میں

دیکھے تبخالے وہ آ کر اخگر لب پر ترے
گر نہ دیکھی ہو کسی نے کانِ گوہر آگ میں

آتشِ دوزخ کا ہم تردامنوں کو کیا ہے خوف
واعظا ! جلتی نہیں ہے ہیزمِ تر آگ میں

پیتے ہی یک جرعۂ مے ہو گیا سینہ کباب
فرق کیا اس آب میں ہے اور دلبر آگ میں

ڈھاک ہے جنگل میں پھولا یا تری آہوں سے قیس
جل رہے ہیں یک قلم اشجارِ بے بر آگ میں

آتشی شیشے میں ساقی بادۂ گلنار بھر
کیا عجب آتش سری کا ہو گزر گر آگ میں

تفتہ جاں مر کر ترے گو سیم تن مٹی ہوئے
تو بھی پر جلتے ہیں بن کر کورہ زرگر آگ میں

کیوں نہ ٹوٹے چاک پر گرداب کے جامِ حباب
ساقیا ہوتا ہے پختہ رہ کے ساغر آگ میں

کہہ دو اس مطرب پسر سے نالۂ دیپک اثر
کھینچ کر جلتا ہے کوئی تیرا مضطر آگ میں

سومِ آسا عشق نے تیرا ہی دل پگھلا دیا
ہو گیا آخر کو پانی دیکھ پتھر آگ میں

اور کر تحریر گرم اس سے غزل اب اے نصیر
تا سخن چیں خاک ہوں جوں شمع جل کر آگ میں

۴۸

حیف تو چنگا نہ داغ اس دل کے رہ کر آگ میں
کوئلہ تو ہاں دہک جاتا ہے اکثر آگ میں

عشق کی دولت دل مضطر کا ہے گھر آگ میں
کیوں نہ ہو اکسیر پارہ، کشتہ ہو کر آگ میں

تن پہ گل کھا کر ہوں میں سرو چراغاں عشق میں
اے چنار باغ اپنی تو جلا کر آگ میں

آئنے میں دیکھ ٹک خال لب گلنار کو
معجزے سے حسن کے چمکے ہے اختر آگ میں

چشم تر لخت دل سوزاں سے آنسو کو بچا
طفل ابتر ڈال دے ہے ہاتھ اکثر آگ میں

مجمر آتش ہمارا سینۂ پرداغ ہے
یوں ہے دل محو تماشا ہو کے خوشتر آگ میں

دیکھتے تھے تختۂ گل ہائے آتش کی بہار
جس طرح یارو خلیل اللہ پیمبر آگ میں

اہل جوہر کیا عجب ہے، ہوں جو سرگرم ستم
آہن فولاد کا بنتا ہے خنجر آگ میں

مصحف رخسار جاناں کے ہے بوسے کا سبب
جو نہیں جلتی ہے تو اے زلف کافر آگ میں

ورنہ ہر زنار دار ہندوے آتش پرست
عاقبت دیکھا ہے یہ، پھنکتا ہے مر کر آگ میں

ہوئے گرفتار قفس اے شعلۂ آواز دیکھ
مت جلا دینا کہیں تو بال اور پر آگ میں

جوں جوں روتا ہوں، بھڑکتی آتشِ دل ہے دوچند
کارِ روغن کر نہ اشکِ دیدۂ تر آگ میں

اے دل اس چاہِ ذقن میں گر کے تو پیرا کیا
بے تامل کود پڑتے ہیں دلاور آگ میں

آتشیں رخ پر ترے دیکھے عرق آلودہ خط
جس نے گر سبزہ کبھو دیکھا نہ ہو تر آگ میں

کوچۂ دلدار تو فردوس ہے پیکِ صبا
اڑ کے پہنچے نامہ بر میرا کبوتر آگ میں

پر کرامت ہے قبائے سرخ میں تیری کمر
ورنہ مو ثابت نہیں رہتا ہے دلبر آگ میں

گھر سے اپنے ہو کے مضطر دوڑتا وہ شعلہ خو
میں جلاتا نقش جب گر کوئی لکھ کر آگ میں

گر پلا دوں زاہدا تجھ کو مے دو آتشہ
پھینک دے تو یک قلم تقوے کا دفتر آگ میں

غرق آبِ شرم ہو سدِ سکندر دیکھ کر
ریختے کا گھر بنا تو وہ سخن ور آگ میں

تن تپِ غم سے تنورِ گرم ہے، کس سے کہوں
کون پڑتا ہے کسی کی، دیدۂ تر، آگ میں

داغ سے پھکتا جگر ہے، آتشِ ہجراں سے دل
اپنی اپنی لو میں جلتے ہیں برابر آگ میں

فی الحقیقت ہے کہ صرّافانِ بازاری، نصیر
سیم و زر کو مول لیتے ہیں تپا کر آگ میں

ہو نہیں سکتی تمیزِ نیک و بد بے امتحان
دانگ کا، سچ ہے، پگھل جاتا ہے زیور آگ میں

۴۹

گو کہ پلکوں کے ہیں سب بال زباں آنکھوں میں
پتلیاں تو بھی ہیں پر لال زباں آنکھوں میں

جس سے ہم لیتے شگون یار کے آنے کا آج
کوئی ایسا نہ کُھلا فال زباں آنکھوں میں

حرفِ ہم چشمی تری چشم سے لاتی نرگس
رکھتی گر یارِ خوش اقبال زباں آنکھوں میں

کثرتِ نشّہ میں لپٹا تو وہ بولے شبِ وصل
تو دہن چھوڑ کے مت ڈال زباں آنکھوں میں

صفتِ یارِ کماندار، کروں شام و سحر
بینی ناوک کی اگر بھال، زباں آنکھوں میں

دل تری چشم کا بیمار ہے، حال اس کا نہ پوچھ
چاہیے کہنے کو احوال، زباں آنکھوں میں

مردماں تم سے کرے بات یہ کیا طفلِ سرشک
نہیں . . . . قال زباں آنکھوں میں

یادِ دیدار میں دلدار کی کرتا میں صرف
کر . . . . سال زباں آنکھوں میں

قطعہ

چاہتا میں نہیں تجھ سے ہوں عجیب الدعوات
بہرِ تعریفِ خط و خال زباں آنکھوں میں

وصفِ آہو نگہاں کے لیے کرتا ہوں طلب
دے خدا تو مجھے فی الحال زباں آنکھوں میں

قطعہ

نکتہ چینانِ سخن نے یہ کہاں پایا منہ
جو بٹھالیں یہ ایں منوالِ زباں آنکھوں میں
تو ہے خلّاقِ معانی ، تجھے آساں ہے نصیر
بالمعنی ورنہ ہے اشکال زباں آنکھوں میں

۵۰

نہ ذکرِ آشنا ، نے قصّہٴ بیگانہ رکھتے ہیں
حدیثِ یار رکھتے ہیں ، یہی افسانہ رکھتے ہیں
چمن میں سرو قد کر جلوہٴ مستانہ رکھتے ہیں
برنگِ طوقِ قمری ہم خطِ پیمانہ رکھتے ہیں
خیال آنکھوں کا تیری جبکہ اے جانانہ رکھتے ہیں
تو جوں نرگس ہر اک انگشت پر پیمانہ رکھتے ہیں
نمایاں زلف کے حلقے میں کر ٹک خالِ عارض کو
کہ ہم صیّاد جتنے دام میں وہ دانہ رکھتے ہیں
بجز آئینہ معشوقوں کی کب ہو زلف پردازی
کہ عکسِ پنجہٴ مژگاں سے دستِ شانہ رکھتے ہیں
بجائے حلقہٴ کاکل نہیں خالِ روے صید افگن
بہ چشمِ دام جائے مردمک یاں دانہ رکھتے ہیں
بسانِ چوب و لھیّارہ ہیں خار و آبلہ پائی
بوادیٴ جنوں انگیز نوبت خانہ رکھتے ہیں

نہیں اشکِ مسلسل یہ گریباں گیر اے ساقی
گلے میں اپنے عاشق سبحۂ صد دانہ رکھتے ہیں

صدائے آشنائی مثلِ ہمدم ہو سو وہ جانے
کہ مثلِ بانسری انگشت ہر ہر خانہ رکھتے ہیں

نہ الجھو اس قدر بے وجہہ سلجھانے میں زلفوں کے
دلِ صد چاک تو ہم بھی برنگِ شانہ رکھتے ہیں

دل اپنا کیوں نہ ہو بحرِ جہاں میں جوں گہر قانع
تلاشِ آب ہے ہم کو ، نہ فکرِ دانہ رکھتے ہیں

نہ کیونکر بزم میں روشن ہو اپنی سب یہ دلسوزی
کہ اُلفت شمع رو سے ہم بھی جوں پروانہ رکھتے ہیں

بہار آئی ہے اب تو اے جنوں ہو سلسلہ جنباں
کہ ہم مدّت سے قصدِ رفتنِ ویرانہ رکھتے ہیں

نگہ ٹک ابرو و چشمِ بتاں پر کیجیو زاہد
کہ یہ محراب مسجد کے تلے مے خانہ رکھتے ہیں

بٹھائیں سرو و شمشاد اپنے سر پر کیوں نہ قمری کو
ترے قد کے ہیں بندے وضع آزادانہ رکھتے ہیں

ٹھکانا کچھ نہ پوچھو ہم سے تم خانہ بدوشوں کا
جہاں جوں بوئے گل ٹھیرے وہیں کاشانہ رکھتے ہیں

ہمیں مت چھیڑ کر دیکھو ، رلاؤ اور جلاؤ تم
کہ طوفاں چشم میں ، سینے میں آتش خانہ رکھتے ہیں

کریں گے بیعتِ دستِ سبو پیرِ مغاں تجھ سے
کہ شوقِ شربِ مے ہے مشربِ رندانہ رکھتے ہیں

نصیرؔ اب ہم کو کیا ہے قصۂ کونین سے مطلب
کہ چشمِ پُرفسونِ یار کا افسانہ رکھتے ہیں

نصیرؔ اس شوخ سے کہنا کہ پیشِ چشم حیرت میں
تصوّر روز و شب تیرا ہم اے جانانہ رکھتے ہیں

۵۱

کبھی جو ذکرِ سرِ زلفِ یار رکھتا ہوں
تو اپنے دل کو بہت مار مار رکھتا ہوں

خیالِ کاکلِ پیچاں چھٹے ہے کب اس کا
یہی تو سلسلۂ روزگار رکھتا ہوں

زبانِ خار ثنا خواں ہے میری صحرا میں
جنوں کے فیض سے یہ افتخار رکھتا ہوں

حباب وار غنیمت ہے فرصتِ یک دم
ہوا پہ زندگیِ مستعار رکھتا ہوں

نہ گرنے دیجیو آنسو کو پنجۂ مژگاں
بساط میں یہ درِ شاہوار رکھتا ہوں

جہاں میں کیوں نہ ہو شہرہ مرے نکلنے کا
کہ میں بھی جوں مہِ نو جسمِ زار رکھتا ہوں

نہیں ہے آہ کا سینے سے لب تلک آنا
جلو میں دل کے یہ اک چوبدار رکھتا ہوں

سوائے نالہ و فریاد و آہ و افغاں کے
نصیرؔ کس سے میں صحبت برار رکھتا ہوں

شبِ فراق انھی سے تو اپنی کٹتی ہے
یہی رفیق میں دو تین چار رکھتا ہوں

۵۲

خیالِ خواب نہیں ، خواہشِ پلنگ نہیں
ترے فراق میں آرام کا بھی ڈھنگ نہیں

کماں بھویں تری ، مژگاں کم از خدنگ نہیں
نگہ کہ مردمِ دیدہ بہ خانہ جنگ نہیں

کیا ہے روزِ ازل سے انھوں نے ترکِ لباس
برہنگی سے ترے عاشقوں کو ننگ نہیں

جنوں کا اب کے ہمارے یہ بے نمک ہے نشور
کہ ساتھ لشکرِ طفلاں تو ہے پہ سنگ نہیں

ترے بغیر کب اس کی یہ رات کٹتی ہے
کہ شمع کا کوئی دلسوز اے پتنگ نہیں

گدائے خاک نشیں ہوں میں تیرے کوچے کا
ہوائے بالش اب اور خواہشِ پلنگ نہیں

لڑے ہے عشق سے دل لے کے آہ کا گدکا
کسی پھکیت کو اب یاد ایک رنگ نہیں

ہماری چشم میں رہ آ کے اے شہِ خوبی
عجب طرح کا تماشا ہے ، کر درنگ نہیں

پٹا پٹی کا ہے خیمہ ترے لیے اِستاد
یہ اس کے بیچ سیاہ و سفید رنگ نہیں

رہے ہے صورتِ دلدار جلوہ گر اس میں
نصیر آئنۂ دل پہ اپنے زنگ نہیں

۵۳

ف ہیں محبت کے یہ آثار سے آنکھیں
ب ہم سے لڑا رخنۂ دیوار سے آنکھیں

آتے ہی خطِ سبز نہ توتے کی طرح پھیر
اے حسنِ نظر باز رخِ یار سے آنکھیں

یں حلقۂ زنجیرِ در اپنی تو شب و روز
ی ہیں لگی کوچۂ دلدار سے آنکھیں

اے جانِ من اپنے دلِ وحشی کی نظر میں
بہتر ہیں تری آہوے تاتار سے آنکھیں

ے ہوئے زنّار ہیں یہ عشقِ بتاں میں
ے شیخ ترے آنسوؤں کے تار سے آنکھیں

سوجھے ہے کہ اک پل نہیں لگنے کی تہ خاک
تا حشر تری حسرتِ دیدار سے آنکھیں

آلودہ دُرِ اشک سے ہیں دامنِ مژگاں
بہتر ہیں نصیر ابرِ گہربار سے آنکھیں

۵۴

ہبا چمن میں کل ایسا وہ یار آنکھوں میں
سے کر گئی اپنی بہار آنکھوں میں

بسا ہے جب سے کہ آ کر وہ یار آنکھوں میں
تصور اس کا ہے لیل و نہار آنکھوں میں

میں شمع کی پروانہ ساں بہ دل سوزی
ہے رات عجب شمع وار آنکھوں میں

نہ میرے اشک کی قدر اس کے آگے نے دُر کی
پھرے ہے کوٹ کے موتی وہ ہار آنکھوں میں
نہ دیکھو کوئی کہ ہیں اشک میری چشم کے بیچ
پھرے ہے یہ گہرِ آبدار آنکھوں میں
کسی دن آ کے دکھائی دے خواب میں یوسف
کہ راتیں کاٹوں ہوں میں بے قرار آنکھوں میں
سبھوں سے دیکھیے وعدے کا گو کیا انکار
یہ ہم سے کر گیا قول و قرار آنکھوں میں
کشش سے دل کی پلک مارتے کہاں ابرو
کرے ہے تیر نگہ کا وہ پار آنکھوں میں
تو دیکھ غصّے کو میرے کہے ہے شوخ نڈر
نصیر تجھ کو میں کرتا ہوں پیاز آنکھوں میں

۵۵

ہند کی پہنچیں اگر لال یمن میں مرچیں
لگ اٹھیں رشک سے یاقوت کے تن میں مرچیں
باغباں بوئیں نہ کیوں جا کے یہ بن میں مرچیں
چٹنی ہو جائیں گی جتنی ہیں چمن میں مرچیں
دل لگانے کا مزا کچھ تو ملے عاشق کو
لون کے ساتھ چھڑک زخمِ کہن میں مرچیں
اس کے تیروں کے ہیں یوں سرخ لہو سے پیکاں
جیسے شاخوں پہ نظر آئیں چمن میں مرچیں
پاے مجنوں کا ہے ٹپکا خلشِ خار سے خوں
کیونکہ لیلیٰ نہ اگیں نجد کے بن میں مرچیں

جس کے ہاتھوں سے ہوا تھا یہ دل اے وائے کباب
ڈال دیں اس نے پس از مرگ کفن میں مرچیں
کب تک آئے گا نہ یار سفری ، دیکھیں تو
کچھ عمل پڑھ کے جلاتا ہوں وطن میں مرچیں
وقتِ دشنام ٹُنکنے کا مزا یاد آتا
ہوتیں شیریں دہنوں کے جو سخن میں مرچیں
چشم سے ہاتھ کے لگتے جو ہوئے اشک رواں
تھیں مگر دستِ بتِ عہد شکن میں مرچیں
روکش اس سیبِ ذقن سے ہے تو اے انبۂ ترش
چیر کر کیوں نہ بھریں تیرے بدن میں مرچیں
خالِ عارض کا ترے کس نے لیا ہے بوسہ
بھردیں کیوں تو نے سیہ میرے دہن میں مرچیں
کلیاں لالے کی تو کب ہیں شرر انگیزِ چمن
کچھ جلی جاتی ہیں آپ اپنی جلن میں مرچیں
نقطے چونے کے جو دے ان پہ تو اے طفلِ حسیں
طائرِ لال سے بہتر ہوں پھبن میں مرچیں
خار آنکھوں میں عدو کی نہ ہو کس وجہہ نصیر
تو نے بوئی ہیں گلستانِ سخن میں مرچیں

۵۶

چاکِ در سے یہ نہیں اس نے دکھائیں آنکھیں
صفِ عشاق سے در پردہ لڑائیں آنکھیں
ہم نے رو رو کے ترے عشق میں اے خانہ خراب
صورتِ حلقۂ گرداب ، بنائیں آنکھیں

دیدۂ نقشِ قدم ایک نہیں ہے پامال
سیکڑوں خاک میں گردوں نے ملائیں آنکھیں

محوِ نظّارہ ترا کیوں نہ ہوں اے غنچہ دہن
فلسِ ماہی کی طرح تن پہ لگائیں آنکھیں

آبلے سرزنشِ خار سے یہ پھوٹے نہیں
اے جنوں ہم نے تری نذر چڑھائیں آنکھیں

خاک ہو کیوں نہ ترے سرمۂ تحریر کو دیکھ
طوطیا اور نیا باندھ کے لائیں آنکھیں

خاک ہے چشمِ مروت کہ بہ یک کاسۂ آب
اے حبابِ لبِ جو تو نے چرائیں آنکھیں

اور کچھ مدِّ نظر اس کو نہیں تھا تجھ سے
تو نے آئینے کو بے وجہ دکھائیں آنکھیں

خالِ رخ دیکھ ترا چادرِ مہتاب میں رات
رشک کیا عقدِ ثریّا نے چھپائیں آنکھیں

شکلِ آئینہ بھلا دیدہ و دانستہ نصیر
ایسے بے دید سے کیوں تو نے لڑائیں آنکھیں

۵۷

دلِ عاشق کو یوں باندھے ہے وہ بے پیر بالوں میں
چھپا رکھتا ہے جوگی جس طرح اکسیر بالوں میں

گرفتارِ بلا دل کیوں نہ ہو اب اے پری چہرہ
یہ کافر بال چھڑکی ہو ہے دامن گیر بالوں میں

چمن میں کان گل کے کھول دینا کہہ کے یہ بلبل
کرے ہے گل پرونے کی وہ لت تدبیر بالوں میں

لپٹ شعلے کی کاڑھے ہے زباں گویا دھواں منہ سے
تماسی کا ہے موئے باف کیا تصویر بالوں میں

گھٹا کالی میں بجلی کوندتی ہے یہ نہیں ، چمکی
طلائی شوخ کے تعویذ کی زنجیر بالوں میں

نہیں سلک گہر ، یہ مانگ میں موتی پروئے ہیں
رجھانے کے لیے رانجھا کے تو نے ہیر بالوں میں

دل صد چاک ہمسر کس طرح تو اس سے ہووے گا
سر دست اپنے واں شانہ رکھے ہے تیر بالوں میں

سمجھ مت ابروئے قاتل یہ ہمدم زلف کی لٹ کو
چھپا رکھی ہے ترک چشم نے شمشیر بالوں میں

غرور حسن سے مت سرکشی کر مو بہ مو ظالم
برنگ شانہ دل تو ہو گیا تسخیر بالوں میں

نصیر اب کون ہے جو اس غزل کو یک قلم لکھتے
اُلجھ جاوے سراسر ، سن کے فکر میر بالوں میں

۵۸

پوچھو ساقی سے کہ کیا سیر تھی کل دریا میں
موج کرتی ہے ذرا پھین کے بل دریا میں (؟)

کل خورشید بھی گرداب جب دیکھا (کذا)
حلقۂ زلف نظر اس نے بدل دریا میں

طرفۃ العین کیا پیش نظر تو نے حباب
عقدۂ زندگی و مرگ کو حل دریا میں

جوشش گریہ سے پتلی کو ہے کیا چشم میں خوف
ہے کہاں مردم آبی کو خلل دریا میں ؟

سر اٹھایا ہے بہت لہرِ بہاری نے حباب
خود رکھ سر پہ ، ذرا تو بھی نکل دریا میں

اپنے عاشق کو کل اس طفلِ فرنگی نے کہا
رکھیو آگے نہ قدم ، دیکھیو دل دریا میں

لجۂ عشق میں دم لے کے لگا ہاتھ نصیر
بازو پیراک کے ہو جاتے ہیں شل دریا میں

۵۹

شب مسی آلودہ دنداں وہ جو دکھلائے کہیں
گوہرِ شب تاب بھی بے تاب ہو جائے کہیں

دل رہے شاداب جس کو ہے خیالِ چشمِ یار
دستۂ نرگس ہے یا رب یہ نہ مرجھائے کہیں

محرمِ رازِ گلِ رنگیں ہے یا رب عندلیب
چھاتی غنچے کی چمن میں جلد گدرائے کہیں

اس کی زلفوں کا تصور مت کیا کر ہم نفس
سانپ کے کاٹے کی شاید پھر چڑھ جائے کہیں

ہاتھ دھو بیٹھے ہیں جب تک زندگی سے ، تب تلک
نقشِ پائے رفتگاں کو کیا کوئی پائے کہیں

سخت بے چینی ہے یا رب اضطرابِ دل کے ہاتھ
میں کہوں ہائے کہیں اور وہ کہیں وائے کہیں

خاکسارِ بوریا دامِ ریا میں کب ہو بند
موج نقشِ بوریا ہرچند لہرائے کہیں

ہاتھ میں تلوار مت رکھنا ہمارے قتل کو
تو نہ لگ جانا میاں غیروں کے بہکائے کہیں

عشق میں پروانۂ جاں سوز کے انگشت پر
شاخِ گل آما نہ کیونکر شمع گل کھائے کہیں
ایک پرچہ اُس طرف سے نامہ بر لایا نہیں
کس طرح سے اپنے دل کو کوئی پرچائے کہیں
اس زمیں میں اور لکھ ایسی غزل اک اے نصیر
کلکِ معنی بند سے مضموں نہ جڑ جائے کہیں

۶۰

فندقِ دستِ نگاریں تُو جو دکھلائے کہیں
پنجۂ مرجاں سے عاشق کیوں نہ مر جائے کہیں
میں ہوں سرگرمِ سخن آگے ترے گر شعلہ رو
شمع کہتی ہے زباں تو میری جل جائے کہیں
خانۂ زنجیر سے اُس کو سدا رہتا ہے کام
یہ دلِ وحشی لگے ہے کس کے سمجھائے کہیں
خاک ہونے پر بھی گردش عاشقوں کے ساتھ ہے
کوئی کوزہ اور کوئی جام بنوائے کہیں
زلف میں تیری جو دیکھے سیکڑوں وابستہ دل
شاخِ سنبل اس روش سے پھر نہ بل کھائے کہیں
اس کمان ابرو کو ہے خانہ بر اندازی سے کام
سہم کر تیرِ مژہ سے کوئی چلّائے کہیں
شیشۂ دل ہے پری رُو اس کو مت رکھ طاق میں
مجھ کو یہ ڈر ہے مبادا ٹھیس لگ جائے کہیں
ایک بوسے کے لیے بے دید سے رخ چار چشم
دیکھ کر مجھ کو ہمیشہ منہ پھرا جائے کہیں

ترس اُس بے ترس کو یا رب نہیں آتا ہے آہ
حیف وہ ترسا بچہ یوں مجھ کو ترسائے کہیں

خلق سے دستِ طمع کھینچا جنھوں نے اے نصیر
کس فراغت سے ہیں بیٹھے پاؤں پھیلائے کہیں

۶۱

مقیّد ہیں جو دامِ حرص کے، پیوستہ لڑتے ہیں
ہم جوں دانۂ تسبیح کب وارستہ لڑتے ہیں

بتاں کی ہے نگاہوں کا دل پُر داغ پر بلوہ
کہ مرغانِ چمن یا رب سرِ گلدستہ لڑتے ہیں

پرا باندھا نہیں مژگاں پہ فوجِ اشک نے ہردم
کہ یہ درانیوں کے آج دستہ دستہ لڑتے ہیں

کہ جیسے کیفیٔ سرشار بدمستی کے عالم میں
سرِ ہر کوچہ و بازار و راہ و رستہ لڑتے ہیں

پھری لے داغِ دل کی اور بنا کر آہ کا گدکا
بہ عشقِ گل رخاں کیا عاشقِ دل خستہ لڑتے ہیں

صبا کا کیوں نہ جی سہمے کہ تجھ سے آج اے بلبل
شعاعِ مہر سے گل ہو کے ترکش بستہ لڑتے ہیں

تری آنکھوں کی ہے ابروے پیوستہ سے کیفیّت
کہ دو آہو یہ کیا شاخیں ملا برجستہ لڑتے ہیں

شتابی لے کے اے ساقی پہنچ اب شیشہ و دارو
کہ کم ظرف آج ہر یک ساغرِ بشکستہ لڑتے ہیں

دلا کس رو سے سر بر کوئی خوبانِ جہاں سے ہو
یہ منہ پر زلف کا رکھ کوچۂ سربستہ لڑتے ہیں

نصیر اب اس طرف سے کر تصور چشم مِیگوں کا
دل اس کی زلف میں اور مالک میں پیوستہ لڑتے ہیں

۶۲

سررشتہ پہ رکھتی نہیں زنّار سے گردن
وابستہ ہے اُلفت کے تری تار سے گردن

رکھتا ہے سرِ غیر کو زانو پہ کر اپنے
یک دست جدا کر مری ، تلوار سے گردن

پتھرا گئیں جوں آئنہ آنکھیں بھی پر اس نے
دیکھا نہ اٹھا کر کبھو دیوار سے گردن

بوسے کا ہمیشہ نہ کر انکار زباں سے
کاہے کو ہلا جانِ من اقرار سے گردن

رکھ ہاتھ وہیں دل پہ لگا لوٹنے ساقی
شیشے کی جو ٹوٹی کسی مے خوار سے گردن

اے غنچہ ذرا سیر تو کر باغِ جہاں کی
رختِ سفری کی نہ جھکا بار سے گردن

دل ہے یہ تری زلف میں اُلجھا کہ بندھی ہے
نخچیر کی فتراک کے ہر تار سے گردن

چنگا نہ کبھی نرگسِ بیمار کو دیکھا
لقوے کے بھری رہتی ہے آزار سے گردن

گلگیر کی تقصیر نہیں کچھ سرِ مو شمع
کٹتی ہے تری افسرِ زرتار سے گردن

ہے ملکِ عدم میں بھی سرافرازیٔ منصور
انگشت نما کیونکہ نہ ہو دار سے گردن

پایا ہے یہ منہ کس نے کہ اقلیمِ وفا میں
موڑے جو کوئی حکمِ جفاکار سے گردن

شب عقدِ ثریّا پہ نکالے ہوئے دندان
ہستی ہے ترے موتیوں کے ہار سے گردن

کیا کون و مکاں میں ہے نصیر اس کا ٹھکانہ
پھیرے جو درِ حیدرِ کرّار سے گردن

٦٣

دیکھے ہے کیا یہ چشم سے آنسو بہا نہیں
عشق اب خدا کے واسطے آنکھیں دکھا نہیں

برباد رفتگانِ محبّت کی خاک ہے
اے قیس دشت میں یہ بگولہ اٹھا نہیں

کیوں مے کے پینے سے کروں انکار ناصحا
زاہد نہیں، ولی نہیں، کچھ پارسا نہیں

وا ہے بسانِ مُہرِ لفافہ ہنوز چشم
قاصد جواب خط کا ہے لے کر پھرا نہیں

ہیہات کیا کہوں کہ وہ کہتا ہے بدگماں
پاؤں کو میرے ہاتھ، پرے ہٹ، لگا نہیں

شیشہ کہے ہے جام سے جھک جھک کے بزم میں
روؤں گا خوب سا، مجھے اتنا ہنسا نہیں

مانندِ غنچہ سر بہ گریباں ہو ٹک دلا
ڈھونڈھے ہے کس کو یار تو تجھ سے جدا نہیں

کرتی ہے قتل دل کو تری چشمِ سرمہ سا
باندھا یہ میں نے آج نیا طوطیا نہیں

جب دل نے چشم سے یہ کہا میں نے آج تک
دیکھے وہ ابروے صنم ِ مہ لقا نہیں

تب چشم نے دکھا کے کہا دل کو کہیے مت
قبلہ تو ہے ولے کوئی قبلہ نما نہیں

کیونکر کہوں کہ سیر کر اے غیرتِ چمن
سینہ مرا تمام گلوں سے بھرا نہیں

آئی بہار لالۂ احمر پہ اے نصیر
افسوس ہے کہ یہ ابھی غنچہ کھلا نہیں

٦۴

ہم پھڑک کر توڑتے ساری قفس کی تیلیاں
پر نہیں اے ہم صفیرو ! اپنے بس کی تیلیاں

بہرِ ایواں اور بنوا چلمن اے پردہ نشیں
ہو گئی بد رنگ ہیں اگلے برس کی تیلیاں

خاک میں نا جنس رہتے ہیں ، نہ اہلِ امتیاز
اے فلک بنتی نہیں جاروب خس کی تیلیاں

لال کا پنجرا بنایا ہے تو عاشق کے لگاؤ
استخواں کی پائے پٹی اور نس کی تیلیاں

ہو گیا ہے ناتواں ایسا ترا بیمار آہ
بن گئی ہیں پسلیاں اس پُر ہوس کی ، تیلیاں

کنکھجورا یہ نہیں ہے ، کیوں ڈراتے ہو مجھے
سینکریں توڑ کر دو چار خس کی تیلیاں

ذوق اتنا شعر گوئی کا عبث کس واسطے
قافیے میں گر نہ تھیں حضرت کے بس کی تیلیاں

قطعہ

آپ ہی منصف ہوں اے صاحب ذرا بہرِ خدا
یار کی چلمن ہو اور ہائے مگس کی تیلیاں
تھے گرفتارِ قفس جو پیشِ مرغانِ چمن
مانعِ پرواز تھیں ان کو قفس کی تیلیاں
عین فصلِ گل میں ہے صیادِ بے پروا نے آہ
دس کے پر کترے تو کیں آنکھوں میں دس کی تتلیاں

مطلع

مورچھل بنوا نہ لے چوری کو خس کی تیلیاں
اے شہِ خوباں یہ دشمن ہیں مگس کی تیلیاں
نخلِ قد کا یہ ترے سایہ ہے اے رشکِ پری
بن گئی ہیں سوکھ کر شاخیں سرس کی تیلیاں
حرصِ دنیا چاہتی ہے یہ کہ سیم و زر کی ہوں
یہ چراغِ خانۂ اہلِ ہوس کی تیلیاں
زینہار اے شوخ تو کاغذ کا گھوڑا لے نہ مول
کب سواری کے ہیں قابل اس فرس کی تیلیاں
دام رکھتا ہے تو اے صیاد لاسا مت بنا
قہر ہیں طائر کے حق میں اس کے بس کی تیلیاں
بہرِ تسکینِ دل اے بلبل، سرشکِ سرخ سے
شاخ ہائے گل بنا بامِ قفس کی تیلیاں

نغمہ داؤد سے ہے ہم صدا تارِ رباب
انگلیوں میں نہیں یہ اس عیسیٰ نفس کی تیلیاں
قاصدا! پوچھے جو حالِ ناتوانی وہ مرا
رکھیو مسند پر بتِ فریاد رس کی تیلیاں

قطعہ

کیوں نہ قائل ہوں مرے دانندۂ جرِّ ثقیل
جب ثناخواں ہوویں مجھ سے مقتبس کی تیلیاں
آج میں وہ ہوں کہ یارو باندھ کر رشتے میں پوٹ
اس میں لٹکاتا ہوں گر ہوں دس برس کی تیلیاں
تجھ کو کیا چننے دے اس کو خاکروبوں کی طرح
پائے گاہِ خلق و میزابِ نجس کی تیلیاں
امتیازِ نیک و بد خود ہو نہ جس کو اے نصیر
اس کے نزدیک ایک ہیں خاشاک و خس کی تیلیاں

۶۵

نیشکر کی کر سکیں کیا ریس خس کی تیلیاں
گانٹھ کا پورا ہے وہ محتاج رس کی تیلیاں
موجہائے بحر سے کیا وہم ہو یارو حباب (کذا)
جب اڑا ڈالیں ہوں برجِ بے اسس کی تیلیاں
لاشۂ عاشق پہ تیرے غم کے مارے جھک گئیں
نہیں جو گہوارے کی اس کے پیش و پس کی تیلیاں
تختۂ کاغذ اٹھا لیتے ہیں جو دانانِ دہر (کذا)

گوٹہ والوں کو بھی دیکھا ہے زری کے تھان میں
لے کے رکھتے ہیں صفائی کو چرس کی تیلیاں
گر تجھے سینا ہے چاکِ جیبِ گل تو عندلیب
توڑنا مت پیچکِ تارِ نفس کی تیلیاں
دیکھ کر سیرِ شہابِ کہکشاں حیراں ہوں میں
چومے ہے خرگاہ چرخِ مندرس کی تیلیاں
عاشقِ لاغر کی تیرے انگلیاں تنکا سی ہیں
کیا کریں تقریر اس سے اپنے کس کی تیلیاں
گل کرے کیا قصدِ ہم چشمی کہ نشتر ہیں صبا
روزنِ گوشِ بتاں خوردہ رس کی تیلیاں
طوطیِ شکّر شکن کھائے نہ کیوں صیّاد زہر
جب کہ ہوویں آہنی اس کے قفس کی تیلیاں
صبح دم چھوڑے ہوئے کرنیں نہیں نکلا یہ مہر
گنبدِ گردوں کے دیکھو ہیں کلس کی تیلیاں
شعلہ زن ہو کر جلا مت اے چراغِ داغِ دل
یک قلم فانوسِ تن کے پیش و پس کی تیلیاں
کون صحرائے سخن سے چن کے باندھے گا نصیر
تجھ سے اہلِ معنی و مضمون رس کی تیلیاں
اور جو تیرے سوا کوئی کہے گا یہ غزل
ہاتھ آئے گی زمینِ ہاتھ رس کی تیلیاں

٦٦

وقتِ نماز ہے ان کا قامت گہ خدنگ و گہ کماں
بن جاتے ہیں اہلِ عبادت گہ خدنگ و گہ کماں

مرد جوانی میں ہے سیدھا، پیری میں جھک جاتا ہے
قوت و ضعف کی ہے یہ علامت گاہ خدنگ و گاہ کماں

٦٧

بادہ کشی کے سکھلاتے ہیں کیا ہی قرینے ساون بھادوں
کیفیت کے، ہم نے جو دیکھا ، دو ہیں مہینے ساون بھادوں

دیکھے نہ ہوں گے آج تلک یہ ایسے کسی نے ساون بھادوں
چشم کی دولت ہم کو رہے ہیں بارہ مہینے ساون بھادوں

چھوٹے ہیں فوارۂ مژگاں روز و شب ان آنکھوں سے
یوں نہ برستے دیکھے ہوں گے مل کے کسی نے ساون بھادوں

ٹانکنے کو بھرتی ہے بجلی اس میں گوٹ تمامی کی
دامنِ ابر کے ٹکڑوں کو جب لگتے ہیں سینے ساون بھادوں

بھولے دم کی آمد و شد ہم یاد کر اس جھولے کی پینگیں
سوجھے ہے بے یار نہ دیں گے آہ یہ جینے ساون بھادوں

کیونکہ نہ یہ دُر بارے تگرگ اے بادہ پرستو ! برسائیں
کانِ گُہر چھٹ زر کے نہیں رکھتے گنجینے ساون بھادوں

کانِ جواہر کیونکہ نہ سمجھے کھیت کو دہقاں اولوں سے
برساتے ہیں موتیوں میں ہیروں کے نگینے ساون بھادوں

ابرِ سیہ میں دیکھی تھی بگلوں کی قطار اس شکل سے ہم نے
یاد دلائے پھر کے ترے دندان و مسی نے ساون بھادوں

کھیت رکھے کی آخر اک دن فرقت دہقاں پسر کی نصیر
کرتے ہیں جوں گندم شق مغلوں کے سینے ساون بھادوں

۶۸

چمن میں گل یہ نہیں کھل کے لکڑے لکڑے ہیں
دلِ فگارِ عنادل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
یہ دیکھنے کا ہے مجنوں کو شوق لیلیٰ کا
کہ روز پردۂ محمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
عیاں ہے مےکدے میں محتسب کی کم ظرفی
پڑے ہوئے جو خُمِ گل کے ٹکڑے ٹکڑے
نصیر دیکھ تو دریا پہ بھی نصیب ہے شرط
کہ پیاس سے لبِ ساحل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

۶۹

سایۂ قامت ترا جس پر پڑا بازار میں
اس کے سر پر اک قیامت تھی بپا بازار میں
خوشۂ انگور پھر کوئی نہ لیتا ہم دمو !
گر دلِ پُر آبلہ میں بیچتا بازار میں
دستگیر اس چور کو کرتے ہیں گھر بیٹھے بتاں
کس نے دیکھا ہے بندھا دزدِ حنا بازار میں
لاش میری قابلِ تشہیر اے قاتل نہیں
اس کو تو کھنچوا نہ اے بہرِ خدا بازار میں
دو قدم تو بھی تو چل ساتھ اس کے اے قاتل ذرا
دیکھ تو کرتی ہے ماتم خلق کیا بازار میں

۷۰

فکرِ انجامِ دلِ دلگیر میں بیٹھا ہوں میں
جس طرح لکھا مری تقدیر میں بیٹھا ہوں میں

کھیے سودا کہ یہ دیتا تو ہے موجِ سراب
آپ آ کر خالہؑ زنجیر میں بیٹھا ہوں میں
تشنگی سے جاں بہ‌لب ہوں گر ہے اس قاتل کو لاؤ
خواہشِ آبِ دمِ شمشیر میں بیٹھا ہوں میں

۷۱

بتی گھٹا ہے کس طرح ؟ بولے وہ زلف اُٹھا کہ یوں
ق چمکتی کیونکہ ہے ؟ ہنس کے یہ پھر کہا کہ یوں
چوری سے اس کے پاؤں تک پہنچی تھی شب کو کس طرح
آ کہیں ہاتھ مت بندھا ، کہہ دے اب اے حنا کہ یوں
ں کو فلک پہ کہکشاں نکلے ہے کیونکہ غیرِ شب ؟
بن جبیں دکھا مجھے اس نے دیا بتا کہ یوں
جیسے کہا کہ عاشقاں رہتے ہیں کیونکہ چاک جیب ؟
اس کو گلِ چمن دکھا ، کہہ کے چلی صبا کہ یوں
گئے بر سرِ خلش لے کے سناں جو خارِ دشت
رنے کلام تب لگا قیسِ برہنہ پا کہ یوں
پوچھے ہے وہ کہ کس طرح شیشہ و جام کا ہے ساتھ ؟
کہہ دے ملا کے چشم سے چشم کو ساقیا کہ یوں
رتے سفر ہیں کس طرح بحرِ جہاں سے اے حباب ؟
یمے کو اپنے لاد کر کر دے یہ عقدہ وا کہ یوں

۷۲

یمِ زلفِ معنبر جو روئے یار سے لوں
تو پھر خطا ہے مری مشک گر تتار سے لوں

قدم رکھے مرے سینے پہ آکے گر وہ نگار
حنا کا کام میں خونِ دلِ فگار سے لوں
اگر ملے ترے ہاتھوں سے اے جنوں فرصت
قصاصِ آبلہ پائی میں نوکِ خار سے لوں
مرے حضور یہ لوٹیں ہیں تیری چھاتی پر
جو پہنچے ہاتھ تو بدلا گلوں کے ہار سے لوں
دلا بجے کہیں گھڑیال ، تا میں گھڑیوں کا
حساب اس شبِ ہجرِ سیاہ کار سے لوں

قطعہ

عجب ہے سیر، کسی دن تو ساتھ باغ میں چل
کہاں تلک میں قدم عجز و انکسار سے لوں
پٹا پٹی کا مرے پاس گر نہ ہو خیمہ
تو یار تیرے لیے ابرِ نوبہار سے لوں
جو مے کشی کا ارادہ ہو کچھ ترے دل میں
چمن میں ساغرِ گل دستِ شاخسار سے لوں
اگر صراحیِ غنچہ میں ہو نہ بادۂ سرخ
تو شیشۂ مے خسِ سروِ جوئبار سے لوں
نہ ہووے مطربِ نغمہ سرا تو اس کا کام
قسم ہے مجھ کو تری عندلیبِ زار سے لوں
لگے نہ ہاتھ جو کوئی رباب و چنگ نواز
تو اپنے دوش پہ رکھ بین کو کنار سے لوں
یہ جی میں ہے کہ نہ دیکھے کوئی بھی پردے کو
کنارِ آبِ رواں چادر آبشار سے لوں

بلائیں لینے سے میرے ہو کر خوشی تیری
بلائیں مہر سے اخلاص دل سے پیار سے لوں
گر اس پہ بھی گل عارض کا تو نہ دے بوسہ
تو پھر میں جبر کروں اپنے اختیار سے لوں
نصیر مدرسۂ عشق میں مطول کا
سبق نہ کیونکہ میں زلف دراز یار سے لوں

۷۴

دم لے اے کوہ کن اب تیشہ زنی خوب نہیں
جان شیریں کو نہ کھو ، کوہ کنی خوب نہیں
ٹک تو ہنس بول ، یہ غنچہ دہنی خوب نہیں
رشک گل اتنی بھی ہاں کم سخنی خوب نہیں
سر پہ قمری کو بٹھایا تو ہے تو نے پر سرو
تیری آزاد وشی بے کفنی خوب نہیں
قابل چشم نمائی ہے تو اے طفل سرشک
ابتر اتنا بھی نہ ہو ناشدنی ، خوب نہیں
فصل گل آنے دے ، دکھلا نہ ابھی سے زنجیر
یہ روش موج نسیم چمنی خوب نہیں
منع ہنسنے سے تو کرتا نہیں اے برق وشو
پھر شرارت سے یہ چشمک زدنی خوب نہیں
ہو سکے تجھ سے تو کر مرغ چمن گل کا علاج
اس کو بیماری اعضا شکنی خوب نہیں
کوئی دم اور بھی اس ابروئے پر خم کو چھو
اصفہانی یہ ابھی تیغ بنی خوب نہیں

چشم سے اس کی نہ کر دعویٰ ہم‌چشمی دیکھ
کہ خطا ایسی غزالِ ختنی خوب نہیں
مار کھائے گا وہ خیاط کہ جس نے تیرے
بند جامے کے لیے ناک پھنی خوب نہیں
منہ کو دیکھ اپنے تو اور اس کے لبِ لعل کو دیکھ
روکشی اس سے عقیقِ یمنی خوب نہیں
ترک چشم بتِ بدکیش خیال اس کا چھوڑ
مرغِ دل سمجھے ہے ناوک فگنی خوب نہیں
شاخِ گل ہے کہ کمر باد سے لچکے ہے تری
اے میاں اتنی بھی نازک بدنی خوب نہیں
میں بھی ہوں بادیہ پیمائے جنوں اے مجنو
اس قدر آگے مرے لاف زنی خوب نہیں
چھلنی کانٹوں سے ہوئے گو مرے تلوے لیکن
دشتِ وحشت کی ابھی خاک چھنی خوب نہیں
زہر کھا جاؤں گا اے ساقیٔ پیمانہ بہ کف
باز آ ، جانے دے ، پیماں شکنی خوب نہیں

۷۴

تیغ کیا رکھتا ہے قاتل ہاتھ میں
لے کسی کا جانِ من دل ہاتھ میں
صورتِ جاناں ہے دل پر اپنے نقش
شیخ رکھتا ہے حمائل ہاتھ میں
ہے یہ عاشق کا بہت نازک مزاج
یہ نہیں رکھنے کے قابل ہاتھ میں

شب پھرے تھا حسن کا دریوزہ گر
جام لے کر بدرِ کامل ہاتھ میں
عاشقوں کا ہے یہی زیور نصیر
طوق گردن میں ، سلاسل ہاتھ میں

۷۵

ہوا سے زلف یک سو ہو تو خالِ رخ دمکتے ہیں
کبھو بدلی گھر آتی ہے ، کبھو تارے چمکتے ہیں
گھر کنپھول کے کانوں میں تیرے کیا چمکتے ہیں
یہ باغِ حسن میں انگور کے خوشے لٹکتے ہیں
شتاب اے راحتِ دل ہائے عشّاقاں نہ آیا تو
کہ چشمِ حلقۂ در سے تری وہ راہ تکتے ہیں
نہیں ہوتا ہے دامن گیر کوئی خار بھی اپنا
بیابانِ جنوں انگیز میں تنہا بھٹکتے ہیں
تصوّر یاں تلک تیرا صفا کیشوں کو رہتا ہے
پلک آئینہ ساں اک دم نہیں اپنی جھپکتے ہیں
ملیں گے آشنایانِ غریقِ بحرِ اُلفت سے
برنگِ موج دونوں آج کچھ بازو پھڑکتے ہیں
ہمارے اس کے باہم ربط برق و ابر جیسا ہے
ہنسے ہے جب وہ اپنے اس گھڑی آنسو ٹپکتے ہیں
کفِ افسوس تجھ بن ساقیا ہر نخل ملتا ہے
ہوا سے صبح گلشن میں نہیں پتّے کھڑکتے ہیں
نصیر ان جامہ زیبوں کے گریباں گیر ہم ہوں گے
سر لوحِ مزارِ عاشقاں دامن جھٹکتے ہیں

۷۶

تری زلفِ سیہ کی لہر چڑھ جاتی ہے گلشن میں
جو ہر موجِ نسیمِ صبح بل کھاتی ہے گلشن میں

خزاں شاید بہ عزمِ جنگ کچھ آتی ہے گلشن میں
زرہ موجِ صبا جو گل کو پہناتی ہے گلشن میں

ہوس نظّارۂ گل کی نہیں اے باغباں ہم کو
محبّت خار کی دامن کشاں لاتی ہے گلشن میں

نہیں تارِ شعاعِ مہر یہ سیپارۂ گل پر
صبا جدول سنہری صبح کھنچواتی ہے گلشن میں

کسی بوٹے سے قد پر تو نے اپنی جان دی ہوتی
روش کیا سرو کی قمری تجھے بھاتی ہے گلشن میں

خزاں نے یک قلم اوراقِ گل کیا کر دیے برہم
تماشے تیری نیرنگی یہ دکھلاتی ہے گلشن میں

نسیمِ صبح چل جا اب گریباں گیر ہے وحشت
ہوا خواہی سے کیا تو مجھ کو سمجھاتی ہے گلشن میں

مری دیوانگی کا غلغلہ مجنوں یہاں تک ہے
کہ موجِ آب جو زنجیر بنواتی ہے گلشن میں

نصیر اس عالمِ مستی میں دیکھا کیا فراغت ہے
کہ شاخِ تاک ہر سو پاؤں پھیلاتی ہے گلشن میں

۷۷

لگا جب عکسِ ابروِ دیکھنے دلدار پانی میں
بہم ہر موج سے چلنے لگی تلوار پانی میں

نہانا مت تو اے رشکِ پری زنہار پانی میں
حباب ایسا نہ ہو شیشہ بنے اک بار پانی میں
سنا اے بحرِ خوبی تیری اٹھکھیلی سے چلنے کی
اڑائی رفتہ رفتہ موج نے رفتار پانی میں
جھلک اس تیرے کفشِ پشتِ ماہی کی اگر دیکھے
کرے قالب تہی ماہی بھی پھر لاچار پانی میں
نہیں لختِ جگر یہ چشم میں پھرتے کہ مردم نے
چراغ اب کرکے روشن چھوڑے ہیں دوچار پانی میں
لبِ دریا پہ دیکھ آ کر تماشا آج ہولی کا
بھنور کالے کے دف باجے ہے موج اے یار پانی میں
کہوں کیا ساتھ غیروں کے تو اس بےدید نے ہمدم
نہانے کے لیے ہرگز نہ کی تکرار پانی میں
کہا میں نے جو اتنا رکھ قدم اس دیدۂ تر پر
لگا کہنے کہ آتی ہے مری پیزار پانی میں
نصیر آساں نہیں یہ بات پانی سخت مشکل ہے
اٹھائی ریختے کی تو نے کیا دیوار پانی میں

۷۸

بتاویں روز و شب رو رو کے چشمِ تر سے ہم جھیلیں
یہ کیا ہے چال تیری دیکھ تو اور غیر مچّھی لیں
کہاں ہے گلجھڑی اس پیچ (کی) کوئی آہ سلجھاوے
چلی جاتی ہیں تیری اب تلک ھیہات (وہ) ڈھیلیں
نہ ڈر دل زلف سے عارض پہ اس کے خال سے کبھو
کہ افسوں پڑھ کے کالی ماش پر کالے کا سر کیلیں

ابھی تلوار رہنے دے گلو پر کھینچتا کیوں ہے
ذرا تو دم لے اے قاتل کہ آبِ تیغ ہم پی لیں

نہ گریاں ماتمِ شبیّر میں جو آنکھ ہو ، پھوٹے
جگر اپنا مشبّک رکھتے ہیں اس غم سے قندیلیں

تمھاری آنکھیں باز آتی نہیں ہے پنجۂ مژگاں
مرے دل پر گری ہیں یوں کہ جیسے گوشت پر چیلیں

برنگِ گل ہزار اک جاں سے چاک اپنا گریباں ہے
ترے ہاتھوں سے اے دستِ جنوں ہم کس طرح سی لیں

ہیں باہر موئے بینی شیخ کے یوں منخروں سے اب
کہ جیسے آشیاں سے سر نکالیں ہیں ابابیلیں

نصیر آتی نہیں ساتھ اشک کے تیری صدائے دل
پروں میں اس کبوتر کے یہ تو نے باندھی ہیں ریلیں

۷۹

مل بیٹھنے یہ دے ہے فلک ایک دم کہاں
کیا جانے تم کہاں ہو کوئی دم کو ہم کہاں

کوچے سے تیرے اٹھ کے بھلا جائیں ہم کہاں
جز نقشِ پا ہے رہبرِ ملکِ عدم کہاں

دامن کشاں پھرے ہے مری خاک سے ہنوز
رکھتا ہے آہ وہ سرِ مرقد قدم کہاں

اس کے صفِ مژہ سے لڑاوے نشان آہ
اے فوجِ اشک جائے ہے لے کر علم کہاں

میرا ہی لختِ دل ہے کہ ہمراہ اشک ہے
ورنہ رہے ہے آب سے آتش بہم کہاں

قطعہ

سب سے جدا ترے خطِ ریحاں کی شان ہے
اس خط کو لکھ سکے ہے زمرّد رقم کہاں
منہ دیکھوں جو کرے یدِ قدرت سے ہمسری
ایسی صفائی ہاتھ کی اور یہ قلم کہاں
کیونکر نہ سقفِ چرخِ کہن تھم رہے اسیر
میرے ستونِ آہ چھٹ اس میں ہے تھم کہاں

۸۰

دستِ خیال سے اب تحریر کھینچتے ہیں
اوراقِ دل پہ تیری تصویر کھینچتے ہیں
چشمک زنی یہ اس کی خورشید سے ہے ہردم
ابروے ماہِ نو پر شمشیر کھینچتے ہیں
ہوتا نہیں اثر کچھ اس ماہ رو کے دل میں
ہرچند نالہ ہاے شب گیر کھینچتے ہیں
مسطر کشیدہ تن ہے رشتے سے کم یہ تیرا
جوں حرفِ لا جو تجھ پر گلگیر کھینچتے ہیں
مجنوں کی خاک سے بھی وحشت نہیں گئی ہے
ہر نقشِ پاے موراں زنجیر کھینچتے ہیں
از بسکہ ضعف سے ہے مثلِ کماں یہ قامت
سینے سے آہ پیہم جوں تیر کھینچتے ہیں
اے شہسوار تو نے فتراک سے نہ باندھا
صحرا میں آہ حسرت نخچیر کھینچتے ہیں

بنیادِ شکلِ ہستی آمادۂ فنا ہے
کیا خاک نقشہ ہائے تعمیر کھینچتے ہیں

کھلتا مرید پر ہے جب جذبۂ محبت
دل کی کشش سے اپنے تب پیر کھینچتے ہیں

تدبیر سے تو کچھ بھی حاصل ہوا نہ یارب
مدت سے انتظارِ تقدیر کھینچتے ہیں

واشد ہوئے ہزاروں دیکھا نصیر غنچے
حسرت ہنوز ہم اک دلگیر کھینچتے ہیں

۸۱

حرم کو شیخ مت جا، ہے بتِ دل خواہ صورت میں
اگر ہے مردِ معنی دیکھ لے اللہ صورت میں

نظر کر اس کی ٹک نیرنگیوں پر چشمِ حیرت سے
کہیں گل ہے کہیں کانٹا، کہیں ہے کاہ صورت میں

صنم کی سطرِ ابرو کاتبِ قدرت نے لکھی ہے
کلیدِ علمِ معنی ہے یہ بسم اللہ صورت میں

سبو و جام پر کم ظرف کرتے ہیں نظر ورنہ
بنے ہیں ایک مٹی کے گدا و شاہ صورت میں

مرا وہ طفلِ ابجد خوان پڑھے کیونکر نہ اب ہجے
بغیر اس قاعدے کے ہو سکے کب راہ صورت میں

جدا دیوار سے کب طاق ہے، کوئی بتاؤ تو
دکھائی دے ہے پر احول کو دو اک ماہ صورت میں

کر اپنے دل کو صیقل اے سکندر تا ہو یہ روشن
صفا سے آئنے کے کب خلل ہے آہ صورت میں

ا ہوگا طرف کعبہ کی جو محرم نہیں اس سے
، حاجی اس کے آمد رفت کی ہے راہ صورت میں
نصیر اس کی ذقن میں بند ہے وہ یوسفِ کنعاں
نکلتی ہے عزیزو دیکھ لو کیا چاہ صورت میں

۸۲

راغ رشتہ الفت سے یار پاتے ہیں
ہ کوچہ رگِ گل میں بہار پاتے ہیں
کیا ہے گریہ بے اختیار نے حیراں
وداعِ طاقتِ صبر و قرار پاتے ہیں
نالِ کبک ہو پنجے میں جس کے عنقا صید
یاں تری کمر ... دار پاتے ہیں
جنوں کے گھر کی یہ زنجیر... ہے دیوانے
ہم اس میں سلسلہ روزگار پاتے ہیں
، کوے کاکلِ سربستہ یہ دلِ صد چاک
لف کشیدہ بہ تن شانہ وار پاتے ہیں
تمام ہوگئے فرسودہ ناخنِ تدبیر
کہ دل میں ہم خلشِ نوکِ خار پاتے ہیں
چمن میں گل کے ہیں اطفال شاخ برخوردار
پالِ شمع کو بے برگ و بار پاتے ہیں
نہ دردِ سر کو ہے سیلاب کے دوا صندل
مفید اس سے عبیرِ غبار پاتے ہیں
، سوے ملکِ عدم کاروان عمر کے ہاتھ
نانِ ابلقِ لیل و نہار پاتے ہیں

مریضِ عشق کی پوچھو نہ بیقراریٔ نبض
کہ پیچ و تاب میں بستر کا تار پاتے ہیں

جہاں ہے خانۂ رنگین و دل فریب نصیر
ظہورِ حسن کے نقش و نگار پاتے ہیں

۸۳

قدم نہ رکھ مری چشمِ پُر آب کے گھر میں
بھرا ہے نوح کا طوفاں حباب کے گھر میں

خیالِ یار ہے چشمِ پُر آب کے گھر میں
ہوئی ہے آئنہ بندی حباب کے گھر میں

نہیں ہے چہرۂ تاباں پہ اس کے خالِ سیاہ
چھپا ہے آ کے زحل آفتاب کے گھر میں

کہے ہے دیکھ کے وہ عکسِ رخ بساغرِ مے
نزولِ ماہ ہوا آفتاب کے گھر میں

نہ ہاتھ رکھ مرے سینے پہ دل نہیں اس میں
رکھا ہے آتشِ سوزاں کو داب کے گھر میں

مدام رند کریں کیوں نہ آستاں بوسی
حرم سے شیخِ مشیخت مآب کے گھر میں

ہمارے دل میں کہاں آبلے ہیں اے ساقی
چنے ہوئے ہیں یہ شیشے شراب کے گھر میں

تڑپ کو دیکھ مرے دل کی برقِ آتش بار
خجل ہو چھپ گئی آخر سحاب کے گھر میں

بندھا ہے کس کی تصوّر گلابی آنکھوں کا
نظر پڑے ہیں جو تختے گلاب کے گھر میں

ستارہ ہالۂ مہ میں ہے اب نہیں ہے خال
ترے حصارِ خطِ مشک ناب کے گھر میں

دلا نہ کیونکہ کروں اختلاط کی باتیں
حجاب کیا ہے اب اس نے حجاب کے گھر میں

سمندِ ناز پہ جس دم چڑھا وہ شاہ سوار
قیامت اک ہوئی برپا رکاب کے گھر میں

نصیر دیکھ تو کیا جلوۂ خدائی ہے
ہمارے اس بتِ خانہ خراب کے گھر میں

۸۴

میں ڈرتا ہوں وہ دل پاؤں سے بے دستور ملتے ہیں
یہ شیشہ ہے اسے کیوں سنگ سے کر چور ملتے ہیں

لبِ شیریں ہم ان کا لب سے تا مقدور ملتے ہیں
رقیباں جوں مگس ہاتھوں کو بیٹھے دور ملتے ہیں

نہ چھیڑ اس دل کو ، ہے یہ نیشِ غم سے زہر آلودہ
قصورِ فہم ہے چٹکی سے جو زنبور ملتے ہیں

پس از مردن بھی تیرے خاکساروں کا یہ رتبہ ہے
کہ لوگ اپنی جبیں سے ان کی خاکِ گور ملتے ہیں

قرانِ آفتاب و ماہ اے ساقی نہیں اچھا
وہ منہ سے دُردِ مے ، ہوکر نشے میں چور ملتے ہیں

پئے قتلِ جہاں دستِ مژہ سے مردمِ دیدہ
دلا شمشیرِ ابروے بتِ مغرور ملتے ہیں

مرا زخمِ جگر وہ ہے کہ سب جراح ہاتھ اپنے
تأسف سے لگا کر مرہمِ کافور ملتے ہیں

سدا مشتاق دیدارِ تجلی ہیں جو اے موسیٰ
وہ گردِ گوشۂ دامانِ کوہِ طور ملتے ہیں
حنا پاؤں سے ملنے دے، ہمیں تو پیستا کیوں ہے
نہیں اس کے سوا کچھ اور ہے منظور ملتے ہیں

قطعہ

بہ آئینِ دگر آئینہ لے کر اپنے ہاتھوں میں
مسی جب شب کو معشوقانِ رشکِ حور ملتے ہیں
تو منہ کو دستِ موجِ دود سے تا صبح دم کالک
خجل ہو کر چراغانِ شبِ دیجور ملتے ہیں
نصیر اک اور بھی ایسی غزل لکھ کر سنا ہم کو
بٹھانا تجھ کو خوب آتا ہے تا مقدور ملتے ہیں
سوادِ ہند میں تو آج خلّاق المعانی ہے
کفِ حسرت سخن سنجانِ نیشاپور ملتے ہیں

۸۵

نہ پوچھو حق پرستاں ہو کے کیا مسرور ملتے ہیں
جبیں سے خاکِ پائے حضرتِ منصور ملتے ہیں

زہے طالع کہ ہم وہ عارضِ پُر نور ملتے ہیں
کفِ حسرت مہ و خورشید ہو مجبور ملتے ہیں

اگر ہے فلسیوں کو مستیٔ وحدت تو پرویں کو
نہیں کیوں وہ سمجھ کر خوشۂ انگور ملتے ہیں

نہ چمکے کیونکہ حسنِ طفل زرگر کیری آنکھوں سے
کہ زرگر زیورِ سیمیں کو ہاں اچور ملتے ہیں

تسخیر کو چشمِ فسوں‌ساز ان کی کیا کم ہے
ر ماش کا پتلا جو وہ سیندور ملتے ہیں

ریاضِ دہر میں غنچوں نے تو رختِ سفر باندھا
ہم اب تک اپنی آنکھیں نرگسِ مخمور ملتے ہیں

گا روغنِ بادام سے کچھ تر دماغ ان کا
ناحق اس کی چشم کے رنجور ملتے ہیں

جفائے نو سے باز آتے ہیں کب صیّاد بے پروا
کہ قینچی سے کتر کر شہپرِ عصفور ملتے ہیں

قطعہ

انسوس اپنے بال و پر سے آہ پروانے
تنہا شمع کے جلنے پہ ہو مجبور ملتے ہیں

سحر تک شام سے بلکہ سرشکِ شمع گریاں بھی
بہ دل سوزی بدن پر شمع کے کافور ملتے ہیں

نصیر اس اپنے دل پر آج جو ہونی تھی سو ہو لی
کلال اغیار اس کے منہ سے ہو مسرور ملتے ہیں

۸۶

اشکِ گلگوں بہارِ گریباں
رگِ گل ہے تارِ گریباں

رہے ہے سدا چاک ماتم‌کدہ میں
تحیّر نہیں اختیارِ گریباں

و ہاتھ دامن تک اس کے نہ پہنچا
جائے کہ قرب و جوارِ گریباں

تری دیکھ آنکھیں خجل ہوگئی نرگس
جھکا چشم کو ہے دوچارِ گریباں
بنے موج رو آستیں گر نچوڑوں
ہو گرداب ہر جا فشارِ گریباں
صبا کب اٹھاتے ہیں جوں نکہتِ گل
سبک روح گردن پہ بارِ گریباں
سپرد ہم نے اب ناصحا کر دیا ہے
بدستِ جنوں کاروبارِ گریباں
جہاں میں ہے خورشید سے صبح روشن
کہ آتا ہے تکمہ بکارِ گریباں
گلے میں ہے چنپا کلی یا کسو کے
ہیں لختِ جگر ہم کنارِ گریباں
لگائی نہیں اس نے گوٹے کی مغزی
ہوئی برق آ کر نثارِ گریباں
نہیں طوق پہنے ہے قمری کہ ہے اب
یہ زیبِ گلو بند و ہارِ گریباں
گلستاں میں یہ معتکف ہے جو اب ہے
سرِ غنچہ صحبت برارِ گریباں
نصیر اب یہاں چشمِ سوزن ہے محرم
ز سر رشتہ ہائے وقارِ گریباں

۸۷

کس رو سے یار قصۂ زلفِ دوتا لکھوں
سودا نہیں مجھے جو میں یہ سلسلا لکھوں

ہے مثلِ شمع زبانِ قلم جلی
قاصد میں سوزِ دل کا اسے حال کیا لکھوں
نہیں مرکنے مجھے کوے یار سے
کیونکر نہ موجِ اشک کو زنجیرِ پا لکھوں
برنگِ غنچہ جو دل ہو تو اے صبا
ہر برگِ گل کو ناخنِ عقدہ کشا لکھوں
کشیدہ صفحۂ دریا ہو موج سے
طغیانیِ سرشک کا گر ماجرا لکھوں
ہے اس کے کاکلِ مشکیں سے مو بہ مو
کس وجہہ دل کے حق میں نہ حرفِ خطا لکھوں
سراغِ منزلِ یارانِ رفتگاں
پھر چشمِ نقشِ پا کو نہ کیوں رہنما لکھوں
ستم سے کیجو مرے ہاتھ تو قلم
ظالم اگر میں شکوۂ جور و جفا لکھوں
وں میں آج سرمہ لگایا ہے اس نے کیا
اے مردماں میں کیونکہ بھلا توتیا لکھوں
ہے روز لشکرِ حرص و ہوا سے جنگ
احوالِ کنجِ فقر کہاں تک سدا لکھوں
یک دست بن گیا ہوں زرہ پوش اے نصیر
اس نقشِ بوریا کی میں تعریف کیا لکھوں

۸۸

عشقِ بتاں سے دل کو ہم کیونکر کریں
ہے خدا کا گھر اسے بیت الصنم کیونکر کریں

چشمِ پُر افسوں کا تیرے دید کم کیونکر کریں
ہوگئے ہیں رام آہو آہ رم کیونکر کریں
دل تو بے تابی سے آتا ہے بھرا لیکن تری
آبرو مدِ نظر ہم چشم نم کیونکر کریں
راستی یہ ہے کہ سرکش سرفرو ہوتے نہیں
سرو و شمشادِ چمن گردن کو خم کیونکر کریں
دودمانِ عشق میں کٹتا ہے سر مانندِ شمع
استقامت شام سے تا صبح دم کیونکر کریں
عالمِ حیرت دکھاتا ہے سراغِ رفتگاں
چشم کو وا صورتِ نقشِ قدم کیونکر کریں
دوستو چوری سے بھی رات ان کو آنا ننگ ہے
پاؤں میں مہندی لگی ہے ، یاں کرم کیونکر کریں
ایک مدت تک رہا ہوں نوخطوں کا میں غلام
لوحِ تربت پر مری مشقِ ستم کیونکر کریں
ہے ابھی کھائی ہوا دنیا کی ہم کو اے حباب
دم میں طے تیری طرح راہِ عدم کیونکر کریں
زلفِ مشکیں گر میں چھیڑوں تو لڑیں خوبانِ ہند
تیغِ ابروے خطا مجھ پر علم کیونکر کریں
ہے شبیہ چشمِ جاناں باغباں انصاف کر
باغ سے نرگس کو مرفوع القلم کیونکر کریں
اس کی پیشانی کو دیکھیں یا صفائے پشتِ پا
ہم زمین و آسماں اے دل بہم کیونکر کریں
سجدہ گاہِ عاشقاں ہے سنگِ در ان کا نصیر
چھوڑ کر اس کو بھلا قصدِ حرم کیونکر کریں

۸۹

تیرِ مژہ لیے ہے اُدھر شہ سوارِ حسن
سہمے ہے جی کہ دل نہ کہیں ہو شکارِ حسن

دامن سے اپنے روے عرق ناک کو نہ پونچھ
ہر قطرۂ عرق ہے دُرِ شاہوارِ حسن

فانوس میں یہ شمع نہیں ، اے پتنگ دیکھ
در پردہ کر رہا ہے شرارت شرارِ حسن

موجِ نگاہِ یار کے آنا نہ سامنے
اے دل بہ مرتضیٰ کہ یہ ہے ذوالفقارِ حسن

قطعہ

کیا زلف سے بہم ترے بالے کے پھول ہیں
جن سے کہ مو بہ مو ہے نمایاں بہارِ حسن

ٹک آئنے میں رشکِ پری آج سیر کر
پھولے ہے زور رنگ سے شامِ دیارِ حسن

اتنا **نصیر** سے نہ بتو کیجیو غرور
دولت یہ عارضی ہے ، نہیں اعتبارِ حسن

۹۰

جور کے ہاتھوں سے تیرے تا لبِ فریاد ہوں
ہوں عجب میں بھی کہ اب تک اے ستم ایجاد ، ہوں

دامِ ہستی سے کوئی دم کو میں اب آزاد ہوں
ہم صفیرو ! کس لیے منّت کشِ صیّاد ہوں

جوں سلیماں وہ تو باندھے ہے ہوا رشکِ پری
اور میں اس کے ہوائے عشق میں برباد ہوں

جب سے ہے آئینِ اُلفت تجھ سے اے آئینہ رو
اور ہی صورت سے محوِ عالمِ روداد ہوں

ابروے جاناں دموں پر ہے کہ ہوں میں تیغِ تیز
اور وہ مژگاں یوں کہے ہے خنجرِ فولاد ہوں

آئنے میں جلوۂ رخسار و قامت کو وہ دیکھ
پھول کر کہتا ہے میں رشکِ گل و شمشاد ہوں

کس سے اب فریاد کیجے تیرے جور و ظلم کی
تجھ سے اے بے داد گر امیدوارِ داد ہوں

گل گریباں چاک اور بلبل ہے سرگرمِ فغاں
یارو اس ماتم کدے میں کس طرح سے شاد ہوں

ہے مرا کارِ نمایاں اہلِ جوہر کے حضور
گو نہیں رکھتا میں یارو دشنۂ فولاد ہوں

دشت گردی مجھ سے اور خارا تراشی سیکھ تو
ہوں خلیفہ قیس کا ، فرہاد کا اُستاد ہوں

ہے مجھے ربطِ دلی اس یارِ جانی سے نصیر
گو وہ بھولا مجھ کو لیکن میں تو رکھتا یاد ہوں

۹۱

خاکساری کے ابھی تو درپۓ تدبیر ہوں
کشتہ ہو کر خاک جب ہوں تب کہیں اکسیر ہوں

چھیڑ کر وہ زلفِ مشکیں موردِ تقصیر ہوں
سربسر میری خطا ہے ، واجب التعزیر ہوں

تجھ سے یہ عقدہ کھلے گا اے نسیمِ صبح دم
غنچے کی مانند اس گلشن میں کیوں دل گیر ہوں

تجھ سے ہی جاری ہے یاں وارستگی کا سلسلہ
موجِ دریا کی طرح کب پائے در زنجیر ہوں

خانہ پر دود سے بہتر ہے حباب آسا یہاں (کذا)
خاک اک دم کے لیے میں صاحبِ توقیر ہوں

کس روش سرسبز ہو طوطی ترا مجھ سے سخن
یعنی میں باغِ جہاں میں ایک خوش تقریر ہوں

کیوں نہ ہو اُس زلف کا دل میں بہرصورت خیال
سورۂ واللیل کی لکھتا جو میں تفسیر ہوں

پاؤں پڑتی ہے سدا زنجیر میرے آن کر
گرچہ دیوانہ ہوں لیکن صاحبِ توقیر ہوں

قطعہ

ابروے قاتل سے پوچھا دل نے یہ تو کیا ہے چیز
وہ لگا کہنے کہاں ہوں اور نہ اب میں تیر ہوں

ہوں بہرصورت دلِ عشّاق کا عقدہ کشا
سر بسر میں ناخنِ سرپنجۂ تقدیر ہوں

گرچہ رکھتا ہو غبار آئینہ رو پر اے نصیر
خاک ہو کر جی میں ہے میں اس کا دامن گیر ہوں

۹۲

کبھو نہ اس رخِ روشن پہ چھائیاں دیکھیں
گھٹائیں چاند پہ سو بار چھائیاں دیکھیں

فتادگی میں جو عزت ہے، سرکشی میں کہاں
کہ نقشِ پا کی یہاں رہنمائیاں دیکھیں

بلائیں لیوے ہے ہاتھوں سے اس کی زلفوں کی
یہ دستِ شانہ کی ہم نے رسائیاں دیکھیں

چمن میں ناخنِ ہر برگِ گل سے بلبل کی
ہزار رنگ سے عقدہ کشائیاں دیکھیں

زبانِ تیشہ بہت کام آئی اے فرہاد
جو عشق نے تری زور آزمائیاں دیکھیں

نظر میں اپنی وہ پھرتی ہیں صورتیں ہیہات
فلک نے خاک میں کیا کیا ملائیاں دیکھیں

کسو نے لی نہ خبر غرقِ بحرِ اُلفت کی
ان آشناؤں کی یہ آشنائیاں دیکھیں

بھاری اُس کی کدورت کی وجہہ کچھ نہ رہی
کہ آئنے نے دلوں کی صفائیاں دیکھیں

ہم اپنا تجھ کو ہواخواہ جانتے تھے صبا
بہاریں تو نے بھی تنہا اُڑائیاں دیکھیں

بیان کس سے کروں اپنی تیرہ بختی کا
اندھیری راتیں وہ اے دل پھر آئیاں دیکھیں

نصیر کیجے وفا کب تلک بقولِ میر
جفائیں دیکھ لیاں بے وفائیاں دیکھیں

۹۳

کس کی نظر میں یار کا خالِ دہاں نہیں
پر مجھ سا خال خال کوئی نکتہ داں نہیں

یہ وجہہ ہے کہ خط ترے رخ پر عیاں نہیں
آتش جو شعلہ زن ہو تو اٹھتا دھواں نہیں

تاثیر اپنی آہ میں کب گل رخاں نہیں
پھل سرو میں غلط ہے کہ لگتا یہاں نہیں
ہر نقشِ پا کو چشمِ حقیقت سے کم نہ دیکھ
غافل کہاں سراغِ عدم رفتگاں نہیں
ہے عرش (سے) بھی رتبۂ اہلِ صفا بلند
زیرِ زمین رتبہ .... آسماں نہیں
شام و شفق کی چشمۂ حیواں پہ ہے نمود
واں لب پہ جلوۂ مسی و رنگِ پاں نہیں
تا استخواں ہے تن میں مرے دیکھ داغِ عشق
اس گھر میں کب چراغ سرِ شمع داں نہیں
تیری طرح سے کھائیے کیوں چرخ اے ہلال
ہم کو فلک سے آرزوے نیم ناں نہیں
دریا میں گھر ہے خضر علیہ السلام کا
عکسِ خط اس کا آئنے کے درمیاں نہیں
زلفِ سیہ میں اس دلِ افگار کو نہ باندھ
سنبل میں لگتے دیکھے گلِ ارغواں نہیں
کب وہ قدم رکھے ہے مری چشمِ تر پہ آہ
اس آب جو پہ جلوۂ سروِ رواں نہیں
تاروں سے جلوہ گر ہے خطِ کہکشانِ چرخ
قطرے عرق کے چینِ جبیں پر وہاں نہیں
تیرِ مژہ سے کر مرے دل کو مشبک آج
بے نور ہے وہ گھر کہ جہاں تابداں نہیں
ہو گفتگو ہماری اور اب اس کی کیونکہ آہ
اس کے دہاں نہیں تو ہماری زباں نہیں

ہم مٹ گئے ہیں صفحۂ ہستی سے اے نگیں
تیری طرح سے خواہش نام و نشاں نہیں

ہنستا نہیں وہ غنچہ دہاں کس لیے نصیرؔ
عقدہ کسی طرح سے یہ کھلتا یہاں نہیں

۹۴

دم واپسیں تلک بھی دم سرد پھر نہ چنداں
نہیں اے حباب لے کر گئے خیمہ سربلنداں

کوئی بے نیاز یاں ہیں کہ اٹھائیں ناز تیرے
دل و جاں نثار کر کے گئے تیرے نیاز منداں

دل و جان و چشم و سینہ ہیں سبھی مکان حاضر
کہ ہر اک پسند کرلیں رہیں آ کے خود پسنداں

ترے تار زلف پیچاں نہیں جور بال باندھے
بنے ہیں در اجابت ہمہ حلقۂ کمنداں

ہے غلط نہیں جو اختر پڑے چمکیں ہیں فلک پر
مرے گریے پر ہنسے ہے یہ نکال رات دنداں

نہیں گرد اس ذقن کے ہوئے جمع خال اے دل
سبھی ایک جا کنوئیں میں گرے آپ چاہ کنداں

ہر اک استخوان اعضا ہے بسان نے انہوں کا
کہ اثر رکھے ہے ہردم یہ نوائے دردمنداں

اسے جانیو نہ ہالہ کبھو ماہ حلقہ کش ہے
کہ ہے آسماں پہ روشن بہ طریق نقشبنداں

نہ ہوا شکستہ خاطر کوئی اب نصیرؔ ہرگز
یہ غزل تو اتنی مشکل نہیں نزد ہوشمنداں

۹۵

نہ کیوں اس دور میں ہو کوئی بے اسباب چکّر میں
کہ ہو بے دانہ جب ہو آسیائے آب چکّر میں

نہایا ہے کہیں دریا میں وہ آتش کا پرکالہ
جو شکلِ شعلۂ جوّالہ ہے گرداب چکّر میں

نہیں ہے بوتۂ زرگر سے کم کچھ سینۂ عاشق
کہ ہے جس میں یہ سیمابِ دلِ بے تاب چکّر میں

مری نظروں میں ہے اس شعلہ خو کے رقص کا عالم
بجا ہے گر رہوں اے دیدۂ پُر آب چکّر میں

ترے چاہِ ذقن کی چاہ ڈانواڈول رکھتی ہے
ہمارا دل نہ کیوں ہو صورتِ دولاب چکّر میں

بگولا تیری تربت پر نہ کیوں جاروب دے مجنوں
کہ ہے مدِّ نظر تیرا اسے آداب، چکّر میں

شبِ فرقت میں کیونکر مجھ کو خواب آئے کہ رکھتا ہے
مرے سر کو خیالِ بالشِ کمخواب چکّر میں

برنگِ طائرِ قبلہ نما یہ مرغِ دل اپنا
ترے ابرو کی ہے کیا دیکھ کر محراب چکّر میں

فقط کیا ہاتھ سے اس گردشِ گردوں کے اے یارو
پۓ یک قرصِ ناں ہے مہرِ عالم تاب چکّر میں

پھرے ہیں جوں بہ فانوسِ خیالی آہ تصویریں
بہ کاخِ چرخ یوں ہے محفلِ احباب چکّر میں

نصیرؔ آتی ہے جن کو ایسی پُر مضموں غزل کہنی
رکھے ہے ان کو فکرِ معنیٔ نایاب چکّر میں

۹۶

گھٹا ہے دل میں تپ عشق کی جلن سے دھواں
کہ جائے آہ ، نکلتا ہے اب دہن سے دھواں

برنگ شمع ہے روشن ہماری دل سوزی
نہ کیونکہ اٹھے ہر اک استخوان تن سے دھواں

جلا ہوں عشق میں مانند شمع فانوسی
عجب نہیں ہے جو اٹھے مرے کفن سے دھواں

سیاہ کیوں نہ فلک ہو کہ میری آہوں کا
لپٹ رہا ہے یہ اس خیمۂ کہن سے دھواں

تمہاری زلف کے ماروں کا یاں جو مدفن ہے
سمجھ نہ سنبل اسے ، نکلے ہے چمن سے دھواں

چمک ہے تکمے کی اودی ترے دوپٹے میں
بہم ہے یا کہ یہ خورشید کی کرن سے دھواں

وہ اشک گرم ہے اپنا ، گرے جو دریا میں
اٹھے حباب کے اک دم میں پیرہن سے دھواں

تمہارے در پہ میں دھونی رما کے بیٹھوں گا
چلے ہو آج کدھر بن کے اس پھبن سے دھواں

جلے ہے آتش لالہ سے دامن کہسار
بھلا نہ کیونکہ اٹھے قبر کوہ کن سے دھواں

نصیر تو نے دھواں دھار یہ پڑھی ہے غزل
کسی طرح نہیں جاتا ہے انجمن سے دھواں

۹۷

نہ پوچھو ان سے کہ کیا دوستی کی رسمیں ہیں
ابھی وہ نام خدا بارھویں برس میں ہیں

خرام کبک لگے ہے نہ جلوۂ طاؤس
عجب ادائیں ترے ناز کے فرس میں ہیں

نگاہ قہر سے یا چشم مہر سے دیکھو
بلا کشان محبّت تمھارے بس میں ہیں

سنے تو لیلی محمل نشیں بھی ہو مجنوں
جگر خراش یہ نالے دل جرس میں ہیں

کوئی میں بن لیے چھوڑوں ہوں آج بوسۂ رخ
ہمیشہ آپ تو مصحف کی کھاتے قسمیں ہیں

کہے ہے وہ مرے مژگاں میں دیکھ لخت جگر
عجب ہے یہ کہ شرور لپٹے خار و خس میں ہیں

وہ کارگر ہے مرا نالۂ حزیں صیّاد
کہ جس سے چاک سدا سینۂ قفس میں ہیں

کہے ہے دل لب شیریں کو چوس کر تیرے
حلاوتیں یہ کہاں نیشکر کے رس میں ہیں

کبھی تو دے ہمیں بوسہ بت تغافل کیش
ہم ایک عمر سے مرتے اسی ہوس میں ہیں

کٹے گی خاک اب ان سے نصیر منزل عشق
قدم کے رکھتے ہی جو فکر پیش و پس میں ہیں

۹۸

دل کو ہمارے کانوں کا موتی یارو وہ دکھلاتے ہیں
یہ نہیں لڑکا، اس کو کیوں لولو سے آ کے ڈراتے ہیں
میرے دلِ پُر داغ سے اپنی چشمِ کبود ملاتے ہیں
کیا جادو ہے یاد انھیں آہو چیتے سے لڑاتے ہیں
مل کے مسی جب لب پر اپنے یارو پان وہ کھاتے ہیں
نافرمان کے تختے میں لالے کی بہار دکھاتے ہیں
عشقِ بتاں میں ہم بہ خدا دل پر نہیں داغ یہ کھاتے ہیں
بت خانہ کہتے ہیں اسے کعبے میں چراغ جلاتے ہیں
گرمیِ تابِ رخ سے عرق خورشید وشاں ٹپکاتے ہیں
میں ہوں حیراں کیا ہے تماشا دھوپ میں مینہ برساتے ہیں
شمع تو کب تربت پر میری روشن کر کے لاتے ہیں
بلکہ گمانِ بد سے یارو گل بھی نہیں وہ چڑھاتے ہیں
بال نہیں زلفوں کے اپنی کنگھی سے سلجھاتے ہیں
ہاتھ میں لے کر بے منتر وہ کالے ناگ کھلاتے ہیں
بیٹھ کہاں جاتا ہے تو اے یارِ قمر طلعت اٹھ کر
آج تجھے ہم ہالہ نشیں آغوش میں اپنی بٹھاتے ہیں
رخ کے تمھارے تل کو میں نے ہاتھ سے گر چھیڑا تو کیا
آپ اتنی تقصیر پہ کیوں کولھو میں مجھے پلواتے ہیں
آمد و شد کوچے میں ہم اس کے کیوں نہ کریں مانندِ نفس
زندگی اپنی جانتے ہیں، اس واسطے آتے جاتے ہیں
عطر قبا میں سامنے میرے غیر سے کیوں لگواتے ہو
سوئے ہوئے فتنے کو ناحق دیکھو آپ جگاتے ہیں

کیسا وصل، کہاں کی فرقت، دونوں سے نہیں واقف ہم
یار کو جب پاتے ہیں اپنے آپ کو بھی نہیں پاتے ہیں

کیا پروا ہے تم کو کسی کی، کوئی ڈوبے یا تیرے
آپ تو اپنے گھر میں بیٹھے گنگا الٹی بہاتے ہیں

رکھ بالائے طاق اپنی محرابِ عبادت تو زاہد
زیرِ خمِ شمشیرِ قاتل عاشق سر کو جھکاتے ہیں

آہ عبث کھینچے ہے اے دل اس کے خیالِ ابرو میں
ہے وہ قبلہ، تیر نہیں قبلہ کی طرف کسو لگاتے ہیں

کوچے تک تو اس کے پہنچا، قصد نہ کر آگے کا دل
(کھڑے سے افزوں اے دلِ ناداں) پاؤں نہیں پھیلاتے ہیں

دیکھو میں کہتا ہوں تم کو رخ سے پسینہ مت پونچھو
شبنم سے گل ہائے چمن گلشن میں نہیں کمھلاتے ہیں

عقل و فراست رخصت ہیں مژدہ ہو تجھے اے خارِ جنوں
آج ہمارے دیر سے تلوے دونوں ہاں کھجلاتے ہیں

آب طلب طفلانِ غنچہ کس سے ہوں شبنم تیرے سوا
چٹکا لگ جاتا ہے جب تب پانی منہ میں چواتے ہیں

لیل و نہار آئینہ اپنی چشم کو کیونکر بند کرے
محوِ سیرِ عالمِ حیرت آنکھ نہیں جھپکاتے ہیں

رنگِ گلِ مضمون و معنی ٹپکے ہے اپنے سخن سے نصیر
دوسری پھر ہم پڑھ کے غزل اس بحر میں آج سناتے ہیں

۹۹

حسن کا اپنے شعلہ رخاں عالم کو کہاں جتاتے ہیں
آئینہ کیا دیکھتے ہیں، پانی میں آگ لگاتے ہیں

تاش کی انگیا آج پہن کر یارو وہ اتراتے ہیں
ہاتھ لگی سونے کی چڑیا کس کے دام میں آتے ہیں

کوچ کی اے گل تیرے خبر ہشیار ہو تجھ کو سناتے ہیں
صبح نہیں غنچے ہیں چٹکتے، کوسِ رحیل بجاتے ہیں

آئینے میں عکس اپنا وہ دیکھ کے کیا فرماتے ہیں
وار بھی ہم ہیں پار بھی ہم ہیں آتے ہیں نہ جاتے ہیں

دیکھتے ہیں جب طائرِ دل شاہینِ نظر کو اڑاتے ہیں
اپنا ہی کرتے ہیں کہنا، باز نہیں وہ آتے ہیں

میرے دلِ صد چاک کو لٹ میں زلف کی وہ لٹکاتے ہیں
بلِ بے کرامت سنبل کو کنگھی کا جھاڑ بناتے ہیں

دیکھ کے کیا ہنستے ہو صاحب ہاں ابھی اشک بہاتے ہیں
بجلی گر چمکاتے ہو تم ؛ ہم اولے برساتے ہیں

کیونکہ نہ ہوں مرہونِ احساں اپنی سیہ بختی کا میں
مجھ کو بجائے سرمہ بتاں دن رات آنکھوں سے لگاتے ہیں

نزع کی حالت میں ہے، چل کر یار شکر لب بوسہ دے
آج ترے بیمار کو، ہم سنتے ہیں، شہد چٹاتے ہیں

آپ کو مجھ سے کیونکہ نہ دیں اے موزونِ گم گشتہ نسبت
اپنے جسمِ زار کو بھی ہم تارِ نفیس بنا پاتے ہیں

دل کا لگانا نادانی ہے، کام نہ ڈالے ان سے خدا
گندم رنگ بتاں ہیں جتنے نلک چنے چبواتے ہیں

خانۂ دل جلتا ہے میرا اب تو رخ سے نقاب اٹھا
آگ جدھر کو لگتی ہے، قرآن ادھر کو دکھاتے ہیں

کیا منہ ہے جو معجزِ عیسیٰ آگے تمھارے دم مارے
ایک ہی اپنی ٹھوکر سے سو مردے آپ جلاتے ہیں
کہہ دو مری مرقد پر ڈالیں آ کے نہ اپنا سایۂ قد
شورِ قیامت برپا کر کے خوابِ عدم سے جگاتے ہیں
آج تلک تیشے کی زباں پر ذکر یہی فرہاد کا ہے
جانِ شیریں جو دیتے ہیں ، جوے شیر وہ لاتے ہیں
دل اپنا تجھے کیونکر دیں اے طفلِ حسنِ نصرانی
ہم ہیں مسلماں کس صورت سے تیرے فریب میں آتے ہیں
کام جنھوں کو لب سے ہے تیرے عیسیٰ کی ہیں امت میں
عشق کمر سے جو رکھتے ہیں ، موسائی کہلاتے ہیں
پیری میں جھڑتے ہیں دنداں ، سوتا ہے کس نیند نصیر
صبح ہوئی ، بیدار ہو اب تو ، تارے چھٹتے جاتے ہیں

۱۰۰

دُر غیر نے ٹالکے ترے چھکن پہ ہزاروں
آنسو نہ گریں کیوں مرے دامن پہ ہزاروں
مو خالِ رخِ یار پہ اے دل نہیں خط کے
ہیں مورچگاں دانۂ خرمن پہ ہزاروں
تیرے جو مسی زیبِ دہن دیکھے تو پڑ جائیں
پانی کے گھڑے غنچۂ سوسن پہ ہزاروں
تو وہ ہے کہ تصویر کش اے ترک ہزاروں (کذا)
حیراں ہیں تجھے دیکھ کے توسن پہ ہزاروں
جوڑے میں تو مت باندھ ستمگر دلِ عشاق
کیوں لے ہے وبال اپنی تو گردن پہ ہزاروں

اے پردہ نشیں رکھ نہ ہوس سیرِ چمن کی
ہیں بوقلموں گل تری چلمن پہ ہزاروں

سمجھیں حرم و دیر جو دل کو، وہ ہنسیں کیوں
نادانیِ ہر شیخ و برہمن پہ ہزاروں

اس لب کے خریدار ہیں کس منہ سے یہ گلبرگ
لوٹے ہیں جو یاقوت کے معدن پہ ہزاروں

مت میرے سوا جھانک کسی کو کہ لگی ہیں
آنکھیں تری دیوار کے روزن پہ ہزاروں

قربانِ رخِ یار ہے کیا ایک مرا دل
جاں دیں ہیں چکوریں مہِ روشن پہ ہزاروں

اک ابروئے پُر خم کے ہوں بوسے کا گنہگار
بل پڑ گئے کیوں آپ کی چتون پہ ہزاروں

فولاد تن از خود نہیں ہوتے کبھی سیدھے
چوٹیں لگی اہرن کی ہیں جوشن پہ ہزاروں

بےفیض ہیں فوّارے کی مانند تونگر
اپنے ہی گُہربار ہیں مخزن پہ ہزاروں

لٹّو ترے جوڑے پہ نہ کیونکر ہو دلِ حور
پریاں ہوں فدا جب ترے جوبن پہ ہزاروں

جھولے میں نہ ساتھ اب کی برس آہ وہ جھولا
ہم نام رکھیں کیونکہ نہ ساون پہ ہزاروں

قطعہ

سوجھے ہے یہ بلبل کہ ترے ایک دن اے وائے
پر اڑتے پھریں گے درِ گلشن پہ ہزاروں

ہے گھات میں صیادِ جفا پیشہ، خبردار!
پھندے ہیں لگے شاخِ نشیمن پہ ہزاروں

کاکل کے نہیں تار ہوا سے ہیں پریشاں
ہر خالِ رخِ دلبرِ پُر فن پہ ہزاروں

تو بوسے کے لینے کا ذرا شوق سے کر قصد
سانپ اپنے دلا کھیلتے ہیں من پہ ہزاروں

صد حیف کہ یاقوت کے ٹکڑے تو ہوں قرباں
اے دل لبِ لعلِ بتِ پُر فن پہ ہزاروں

بوسہ یہ سیہ بخت لیے پردے میں مسی کے
غش کیوں نہ کریں قسمتِ آہن پہ ہزاروں

تو شہرۂ آفاق جو ہے اس لیے یہ لوگ
آئے ہیں نصیرؔ اب ترے مسکن پہ ہزاروں

اک اور غزل پڑھ کے لگا تیر سخن کے
پیہم ہدفِ سینۂ دشمن پہ ہزاروں

۲۰۱

دیکھیں ان ہاتھوں میں گر رنگِ حنا کی مچھلیاں
غرق بحرِ خوں میں ہوں آبِ صفا کی مچھلیاں

صبح گردوں پر چمکتی مہر کی کرنیں نہیں
لگتی ہیں سیلابِ آتش سے طلا کی، مچھلیاں

بھول جائیں تیرنا دریا میں، گر دیکھیں کبھو
بے قراری اس دلِ نالہ سرا کی، مچھلیاں

ماہیِ بے خار ہم نے آج تک دیکھی نہ تھی
ہاں مگر دیکھیں تو تیرے دست و پا کی مچھلیاں

راستی ہے ، ظالم کج وضع ہے پھنچے ہے رنج
خار ماہی گیر کی ہوں کیوں نہ شاکی مچھلیاں

اپنی ماہیت سے واقف اہل عرفاں کیوں نہ ہوں
آدمی ہیں قلزم ذات خدا کی مچھلیاں

جوے خون کشتگاں نے سرخ کردیں ہمدمو
جوہر شمشیر تیز دل ربا کی مچھلیاں

حضرت یونس نے لی تھی بطن ماہی میں پناہ
کیونکہ ہوں نازاں نہ بحر جانگزا کی مچھلیاں

ریگ ماہی کی حقیقت ان کے آگے خاک ہے
ہیں یہ تیرے ہر دو چشم سرمہ سا کی مچھلیاں

بالے کانوں کے لرے گرداب بحر حسن ہیں
دل کو تولبا سمجھیں ہیں ان میں طلا کی مچھلیاں

رتبۂ ادھم ہوا ، کیا چھوڑ کر شاہی ، بلند
لائیں جو دریاے سوزن اس گدا کی مچھلیاں

کیوں نہ حیراں ہوں میں دست اہل ہمت دیکھ
انگلیاں ہیں یا کہ ہیں بحر سخا کی مچھلیاں

پارہ ہاے دل نہیں وابستۂ تار مژہ
تجھ کو دکھلاتا ہوں لعل بے بہا کی مچھلیاں

ان کے آگے یار قلیاں کش یہ پانی بھرتے ہیں
چنبر زنجیر دار خوش نما کی مچھلیاں

شب ہوائیں چھوڑ کر اس طفل آتش باز نے
اپنی صنعت کی دکھائیں اس ادا کی مچھلیاں

یعنی بن پانی لگیں دوشِ ہوا پر تیرنے
ہر طرف کو آتشِ جلوہ نما کی مچھلیاں
آشنائے بحرِ مضمون و معانی ہوں نصیر
طرفہ تر ہیں کیا مری طبعِ رسا کی مچھلیاں

۱۰۲

سدا ہے اس آہ و چشمِ تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
نکل کے دیکھو تم اپنے گھر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہ شعلہ رو ہے سوارِ توسن اور اس کا توسن عرق فشاں ہے
عجب ہے اک سیر دوپہر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
ہنسے ہے کوٹھے پہ میرا یوسف، میں زیرِ دیوار رو رہا ہوں
عزیزو دیکھو مری نظر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
پتنگ کیونکر نہ ہووے حیراں کہ شمع شب کو دکھا رہی ہے
بہ چشمِ گریاں و تاجِ زر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
نہا کے افشاں چنو جبیں پر، نچوڑو بالوں کو بعد اس کے
دکھاؤ عاشق کو اس ہنر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
کہاں ہے جوں شعلہ شاخ پر گل، کدھر ہے فصلِ بہار شبنم
ترے ہے اعجازِ طرفہ تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
کرو نہ دریا پہ سیر کشتی تم، ادھر کو آؤ تو میں دکھاؤں
سرشک ہر نالہ و جگر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
کدھر کو جاؤں نکل کے یارب کہ گرم و سردِ زمانہ مجھ کو
دکھائے ہے شام تک سحر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہ تیغ کھینچے ہوئے ہے سر پر میں سر جھکائے ہوں اشک ریزاں
دکھاؤں اے دل تجھے کدھر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

غضب سے چیں بر جبیں دکھانے، بدن سے ٹپکے بھی ہے پسینہ
عیاں ہے یارو لٹے ہنر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
نصیر لکھی ہے کیا غزل یہ کہ دل تڑپتا ہے سن کے جس کو
بندھے ہے یوں کب کسی بشر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

۱۰۳

نہاں ہے کب چشم ہر بشر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
ہے اس نگہ سے اس اشک تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
دکھا کے تم شہ نشیں میں جلوہ جو دیکھو فوّارے کا تماشہ
تو یوں صدا آئے بام و در سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہ مہروش پشت فیل پر ہے اور اس کی خرطوم آب افشاں
عجب ہے تشبیہ جلوہ گر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہ طفل ترسا جبیں پہ قشقا جو کھینچ سورج کو دیوے پانی
تو کیونکہ دل دیکھنے کو ترسے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
دوپٹہ سر پر ہے بادلے کا، گلاب پاش اس کے ہاتھ میں ہے
نہ کیونکہ چمکے نہ کیونکہ برسے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
تو اپنی پگڑی پہ رکھ کے طرّہ جو کھیلے پچکاریوں سے ہولی
عیاں ہو نیرنگی دگر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہاں وہ غرفے میں تاب رخ ہے، یہاں یہ ابرو مژہ پہ نم ہے
یہ حسن الفت کے ہیں ثمر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
عجب ہے کچھ ماجرا یہ ساقی کہ غل مچایا ہے مے کشوں نے
مدام یاں دیکھ ابر تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
وہ شوخ جھرنے کی سیر کرنے پھسلنے پتھر پہ چڑھ کے بیٹھا
پکاری خلقت ادھر ادھر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

یہ تو نے لکھا ہے وہ دو غزلہ کہ دل تڑپتا ہے سن کے جس کو
عجب ہے مضمونِ تازہ تر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں
نصیر صد آفریں ہے تجھ کو کہ اہلِ معنی پکارتے ہیں
بندھے ہے یوں کب کسی بشر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

۱۰۴

شب آ گیا دمِ بوسہ جو وہ دہاں منہ میں
تو لوزِ پستہ مری بن گئی زباں منہ میں
سمندِ ناز کی خوبی ہے رخ پہ زلف کو چھوڑ
لگام چاہیے ہے اس کے میری جاں منہ میں
سوالِ بوسہ کروں کیا میں یارِ گندم رنگ
کہ تو نے پہلے ہی بھردی ہے کہکشاں منہ میں
فریبِ شعبدہ کھا دل نہ زالِ دنیا کا
بنی ہے دانت لگا کر یہ نوجواں منہ میں
ہزار حیف چلی آتی ہے خزاں بلبل
چمن سے لے کے خس و خارِ آشیاں منہ میں
شکریں لبوں کی تو دشنامِ تلخ میٹھی ہے
کہو تمہارے جو کچھ آئے مہرباں منہ میں
نہ کھینچ دل سے مرے تیر یارِ تیر افگن
کہ طفل چوسے ہے انگشت رکھ کے ہاں منہ میں
ترے مریض کو غش آ گیا ہے چل تو بھی
کہ پانی اس کے چواتے ہیں لوگ یاں منہ میں
خدنگ آہ سے ڈر میری، گوشہ گیر ہوں میں
نہیں ہے اس کو فلک صاحبِ کماں منہ میں (کذا)

سوالِ بوسہ کروں کیا ، وہ کاٹ دے ہے بات
کہ اس کی چلتی ہے قینچی سی ہاں زباں منہ میں

جب اس کی زلف میں دیکھا مرا دلِ صد چاک
لگا ہے کاٹنے ، رکھ شانہ ، انگلیاں منہ میں

نہ کیجے حلقۂ گیسو کو خالِ رخ سے جدا
کہ من کو سانپ بھی رکھتا ہے بے گماں منہ میں

نہ کیونکہ اہلِ صفا سے ڈریں سدا سرکش
بسانِ لقمۂ دریا کے آسماں منہ میں

سحاب بھی کوئی ساقی غضب ہے برق انداز
سدا تگرگ کی رکھتا ہے گولیاں منہ میں

دکھائی چرب زبانی جو شمع نے اپنی
تو رکھ لی کاٹ کے گلگیر نے زباں منہ میں

قطعہ

عزیزو خالِ لبِ یار کے تصوّر میں
شب آ گئی جو مگس اڑ کے ناگہاں منہ میں

تو اس شگون سے ہوا یہ یقیں دمِ بوسہ
مرے وہ آئے گا لعلِ شکرفشاں منہ میں

قطعہ

شبِ فراق میں ہمراہ آہ و نالہ مرا
کلیجہ آ گیا سینے سے جب کہ یاں منہ میں

تو دیکھ کر مجھے یارو غم و تاسف سے
فلک نے رکھ لی پھر انگشتِ کہکشاں منہ میں

قطعہ

جب اس کی زلف سے آئی شمیمِ مشک مجھے
ہوئی ہوس کہ اسے رکھ لوں شانہ ساں منہ میں
تو کیا وہ کہنے لگا شعلہ خو کہ ہے رمضاں
رہے گا صوم نہ پھر کر گیا دھواں منہ میں
نصیر جھڑتے ہیں گل ہائے معنی و مضموں
سخن کا کیا ہے ترے یار گلستاں منہ میں

۱۰۵

جب کہ ہوا محجوب خیالِ ابروِ پُر خمِ جاناں میں
رہ گیا چرخ پہ ماہِ نو منہ ڈال کے اپنے گریباں میں
جلوۂ رخ کا اس کے تصوّر ہے مری چشمِ گریاں میں
کس کو دکھاؤں میں یہ تماشا چمکے ہے بجلی باراں میں
بھر گزک رکھا جو مرا دل اس سیکش نے نمکداں میں
مرچیں سی کچھ لگ آٹھیں ساقی تنِ کباب بریاں میں
کون رفوگر ایسا ہے جو چاک کو دل کے کرے رفو
تار نظر تو چشم پرو۔ سینے کو سوزنِ مژگاں میں
اس کے لبِ پان خوردہ کی گلبرگ ثنا کس منہ سے کرے
لعل نہیں ہوتا ہے پیدا ایسا ملکِ بدخشاں میں
آج بنائے بھووں پہ ہیں تل کاجل کے آہو چشموں نے
نیلوفر کے پھول کھلے حیرت ہے شاخِ غزالاں میں
رخصت اے داماں و گریباں ، مژدہ، لباسِ عریانی
کھینچ کے لایا ہم کو جنوں ہے دشتِ خارِ مغیلاں میں

کہاں ہے یوسف کدھر زلیخا، کیسا مجنوں کیا لیلیٰ
اس کے حسن و عشق کا جلوہ ہے یہ لباسِ انساں میں
تو نہ کرے جب دل میں گزر پھر داغِ محبّت ہیچ ہے یہ
ہم کو چراغِ روشن رکھنا کیا ہے خانۂ ویراں میں
کہا جائے گی اخترِ گردوں شب کر کنیاں ہیرے کی
بالے کے گر موتی چمکے تیری زلفِ پریشاں میں
سر پر اپنے خاک اڑاتے باولے بن کر پھرتے ہیں
ماتم میں مجنوں کے بگولے دیکھو دشت و بیاباں میں
موتیا کے تختے میں دکھلاوے طرفہ بہارِ نافرماں
کیا تحریرِ مسی ہے تیرے سلکِ گوہرِ دنداں میں
روئے کتابی سے ہے تیرے عہدِ جوانی میں کیا عشق
بابِ پنجم طفلی میں بھی ہم پڑھتے تھے گلستاں میں
خندۂ یار اعجاز نما ہے تاب دکھا دے دانتوں کی
آج تلک دیکھے تھے نہ تارے ہم نے برقِ درخشاں میں
آج صدائے قلقل ساقی کیا ہے سبب آتی جو نہیں
پنبہ دہن کیوں شیشۂ مے ہے بزمِ بادہ گساراں میں
گرم ہے بازار ان دنوں ایسا اپنے دل کے پھپھولوں کا
ایک نہیں شیشہ نظر آتا شیشہ گروں کی دوکاں میں
آج ہوائے سیرِ گلستاں اٹھ گئی اپنے دل سے نصیر
دیکھے جو گل ہائے مضامیں ہم نے تیرے دیواں میں

۱۰۶

یا تو صورت ہی دکھا یا رہ ہماری آنکھ میں
بن ترے ہے مردمک کو بے قراری آنکھ میں

دیکھ ہمچشمی نہ کر تو اس کی آنکھوں سے حباب
موجِ دریا دم میں کردے گی کٹاری آنکھ میں
برق چمکے ہے تو چمکے ، ہم کو کیا ساقی کہ اب
کھب رہی ہے اس کے دامن کی کناری آنکھ میں
کیونکہ نسبت دیجیے بے سررشتہ اس کی چشم سے
نام ڈوری کا نہیں آہو کی ساری آنکھ میں
بادۂ گلنار کے پینے کی کیفیت ہے تب
جب تصوّر ہو ترا ابرِ بہاری آنکھ میں
کیوں نہ اس کی آنکھ میں پھیروں سلائی نیل کی
دے رقیبِ روسیہ کاجل تمھاری آنکھ میں
دل نہ کیوں پامال ہو اپنا کہ طفلِ نے سوار
بس رہی ہے تیری طرزِ نے سواری آنکھ میں
لیجو میرے ہاتھ سے ساغر کہ ساقی آ گیا
نشۂ صہبا بوقتِ مے گساری آنکھ میں
آنکھ گلشن میں کرے کیونکر تمھارے روبرو
رکھتی ہے شرم و حیا نرگس بچاری آنکھ میں
چشمِ اربابِ صفاسمجھے ہے بے قدروں کی قدر
خاک سے ہے آئنے کی آب داری آنکھ میں
کیوں نہ میں قرباں ہوں نقاشِ تصور کے نصیر
جس نے تصویر اس کی اب آ کر اتاری آنکھ میں

۱۰۷

دل ایک ہے ابرو ترے دو یار ، کسے دوں
کھینچے ہوئے ہے سر پہ یہ تلوار ، کسے دوں

بوسہ جو طلب اس سے کروں ہوں تو کہے ہے
ہیں اس کے تو کتنے ہی طلبگار ، کسے دوں

آئینہ رخاں اشکِ مسلسل کے ہیں درپے
حیراں ہوں میں یہ موتیوں کا ہار کسے دوں

عاشق ہوں میں داغِ غمِ ہجراں ہے جگر پر
بدنامی کا ٹیکا مرے غفّار کسے دوں

جو منہ میں ترے آئے سو کہہ گھر میں سے مجھ کو
دشنام بتا میں پسِ دیوار کسے دوں

پیکان تو سینے میں رہا یار کہاں دار
پر یہ مجھے کہہ ، ناوک و سوفار کسے دوں

مدّت میں یہ مہ ہالہ نشیں آج ہوا ہے
آغوش سے اپنی تجھے دل دار کسے دوں

ماروں سے تری زلف کے کیا دل کا ہو سودا
جنس ایک ، ہزاروں ہیں خریدار ، کسے دوں

جامے کے تو اے دستِ جنوں اڑ گئے ٹکڑے
بتلا مجھے دستار کے دس تار کسے دوں

گر چشم ہے قاتل تو لب اس کا ہے مسیحا
میں ہاتھ ترا ، کہہ دلِ بیمار ، کسے دوں

کچھ ان دنوں مجھ ہی پہ ترحّم کی نظر ہے
کہتا وہ دل آزار ہے ، آزار کسے دوں

خط خالِ رخِ یار سے کہتا ہے کہ تجھ کو
تو نقطہ ہے میں حلقۂ پرکار ، کسے دوں

دکھلا نہ مجھے ناز و ادا آن و کرشمہ
یہ چار ہیں ، دل ہوں کے میں ناچار ، کسے دوں

خوش آئی نہ مجھ کو یہ تنک ظرفیٔ ساقی
کہتا ہے کہ جامِ مئے گلنار کسے دوں

تو نے ہی کفِ پا مرے غربال کیے ہیں
تہمت یہ میں اے سرزنشِ خار کسے دوں

خوبانِ جہاں گرچہ مرے دل کے ہیں خواہاں
تجھ سا نہیں پر کوئی طرح دار کسے دوں

بِن دیکھے تری چشم بہلتا ہی نہیں دل
میں آہوئے تصویر بھلا یار کسے دوں

قطعہ

بت خانے میں ناقوس ہے، لبیک حرم میں
میں دین و دل اے کافر و دیں دار کسے دوں

آتی مرے کانوں میں ہے یہ غیب سے آواز
کیوں چپکے ہو، کھولو لبِ اظہار کسے دوں

قطعہ

بے حکم ترے اے شجرِ گلشنِ خوبی
حیراں ہوں، سزا ان میں سے اک بار کسے دوں

تنتے ہیں تجھے دیکھ کے شمشاد و صنوبر
سولی یہ بنا قامتِ دلدار کسے دوں

قطعہ

میں کیا کروں قسمت تری ہاں اے دلِ صد چاک
لیتے ہی نہیں آئنہ رخسار، کسے دوں

جو ہے سو بنا کاکلِ برہم کو کہے ہے
شانے کے سوا خدمتِ ناتار کسے دوں

بے جا ہے نصیر اب مجھسے لازم نہیں انکار
دل اس کے سوا کر کے میں اقرار کسے دوں

۱۰۸

نہیں بے وجہہ کچھ ہم اور نرگس زرد ہیں دونوں
ترے مارے ہوئے آنکھوں کے یاں ہمدرد ہیں دونوں

مہ و خورشید کا کیا منہ ہے جو تیرے مقابل ہوں
پری رو تیرے رخساروں کے آگے گرد ہیں دونوں

صفِ مژگاں نہیں ہے چشمِ تر میں خس کے پردے ہیں
دوپہرا اب یہیں کاٹو کہ بنگلے سرد ہیں دونوں

۱۰۹

بام پر کیا وہ نمودار ہوا تیسرے دن
ماہ بھی چھپ کے نکلتا ہے دلا تیسرے دن

پہلی اور دوسری تو ہو چکی اے وعدہ خلاف
اب تو ٹک آ کے کہیں شکل دکھا تیسرے دن

دل پامالِ رہِ عشق نہ ہو کیوں سرسبز
خاک سے دانے کو ہے نشوونما تیسرے دن

ہم نے رکھا ہے ترے واسطے طے کا روزہ
کھانا قسمت میں ہماری ہے لکھا تیسرے دن

آج لکھتے ہیں کہ ہیں پھول ترے کشتے کے
مہندی ہاتھوں میں تو قاتل نہ لگا تیسرے دن

عید کے دن نہ ملا گرچہ وہ ہسم سے لیکن
لگ گیا آ کے گلے سے وہ لجا تیسرے دن

غرقِ دریائے محبت کی نہیں ملتی لاش
ورنہ ڈوبا ہوا ابھرے ہے سنا تیسرے دن

یا تراب آنکھ سے اور دل جو گیا سینے سے
تو چل اس کوچے میں اور پاؤں اٹھا تیسرے دن

مہر کو چڑھتی ہے ہر صبح تبِ لرزہ کیوں
اس کا معمول تو ہے ماہِ لقا تیسرے دن

ہاتھ دن رات کے رونے سے اٹھا دیکھ اے چشم
اہلِ ماتم ہی سنا کرتے ہیں کیا تیسرے دن

عمرِ یک ہفتہ پہ تو باغ میں اے گل مت پھول
رنگ بدلے ہے زمانے کی ہوا تیسرے دن

ہاتھ سے تو قلم اے رشکِ مسیحا رکھ دے
نسخہ بدلے ہیں جہاں کے حکما تیسرے دن

تین دن چشم کے بیمار کا کر اپنے علاج
ہوتی معلوم ہے تاثیرِ دوا تیسرے دن

چار حرف اس بتِ بدخو پہ کہیں بھیج نصیر
آپ سے آپ وہ ہو جائے خفا تیسرے دن

مطلع

جنگجو رکھنا نہ کر تو تیر سیدھے ہاتھ میں
دستِ چپ میں رکھ سپر، شمشیر سیدھے ہاتھ میں

مطلع

جب اہلِ ظرف صراحی و جام لیتے ہیں
تو پہلے ساقیٔ کوثر کا نام لیتے ہیں

اشعار

مرنے سے آگے ہی جو اپنا کفن سیتے ہیں
کیا وہ پوشاک بےؔ زیبِ بدن سیتے ہیں

مار کھائیں گے یہ خیاط کہ جامے کے ترے
بند سیتے ہیں کہاں ، ناگ کے پھن سیتے ہیں

———:o:———

ردیف واؤ

۱

جبکہ تُو وسمے سے اے ابروے جاناں سبز ہو
تیغ کا بھی کشتہ پھر ممکن ہے گر ہاں سبز ہو

ہے عجب پیدا خطِ رخسارِ جاناں سبز ہو
مزرعِ دہقاں نہ یا رب غیرِ باراں سبز ہو

خاک ہو سرسبز دنیا میں سیہ بختِ ازل
آبِ گریہ سے نہ دیکھا نخلِ مژگاں سبز ہو

باندھ وہ تکمہ زمرّد کا بتِ یاقوت لب
پرتوے سے جس کے یہ تیرا گریباں سبز ہو

پشتِ لب پر ہے ترے بے وجہہ یہ خط کی نمود
جائے حیرت ہے اگر لعلِ بدخشاں سبز ہو

عطرِ خس تیرے بدن سے غیر جب آ کر ملے
زہرِ غم سے کیوں نہ دل میرا مری جاں سبز ہو

یادِ زلفِ یار میں دل جب رکھے خط کا خیال
جامۂ کعبہ سیہ ہو یا عزیزاں سبز ہو

سرکشی کرتا ہے جو، وہ پھولتا پھلتا نہیں
راستی ہے گو صبا سروِ گلستاں سبز ہو

گر تجھے ذوقِ شکارِ آہوے دل ہے تو ہاں
چاہیے تیرا لباس اے شاہِ خوباں سبز ہو

۲

گلستاں میں خزاں، اپنے کو گر خونِ رگِ گل ہو
تو حق میں ذوالفقار اُس کے صبا منقارِ بلبل ہو
عروجِ ظاہری سے دل کو نفرت کیوں نہ بالکل ہو
ترقی کے بہم جب شکلِ فوّارہ تنزّل ہو
چمن میں مے کشی کرنے کو گر وہ غیرتِ گل ہو
تو پھر بیضے کی جا انگور سے پیدا بطِ مُل ہو
فلک سر کو جھکاتا جس کے در پر بے تأمل ہو
ہلال اُس کو نہ پھر راکب کا نقشِ نعلِ دُلدل ہو
مقابل اُس کے گلشن میں اگر تیری یہ کاکل ہو
تو سنبل رشک سے پھر مستعد کھانے کو سنبل ہو
نشانہ تیرِ مژگانِ بتاں کا بے تأمل ہو
مرا دل پر نہ یا رب کشتۂ تیغِ تغافل ہو
شبِ وصل اے صنم یہ آرزو ہے بسترِ گل ہو
کہ تو ہو میں ہوں اور کوئی نہ ہو (ہاں) شمع (تب) گل ہو
رواں دریائے خوں مقتول کا جب بے تأمل ہو
خمِ شمشیرِ قاتل کیوں نہ محرابِ درِ پل ہو
جھکا مینائے مے ساغر میں تا اس ابر میں ساقی
بجائے نغمۂ مرغِ چمن، آوازِ قُلقُل ہو
مہ و خور کو کرے دو پلّۂ میزاں فلک یارو
ہمارے گر بتِ زہرہ جبیں کو تولنا تُل
نگیں آسا نہ کیوں ہو صفحۂ گیتی پہ نام اُس کا
نہ رکھے گھر سے باہر جو قدم اہلِ توکّل ہو

ترا دیوانہ گر رشکِ پری ہو سلسلہ جنباں
تو برپا خانۂ زنجیر سے بھر تا فلک غُل ہو
نمک دانِ گزک کی کیا ہے حاجت وقت مے نوشی
کبابِ دل یہ حاضر ہے، کچھ اس میں سے تناول ہو
تمنائے شہادت میں جھکائے سر ہوں اے ساقی
لگا تلوار گردن پر، نہ دم بھر کا تساہل ہو
تذروِ دل کو چھوڑے کیونکہ اس کا پنجۂ مژگاں
دمِ صید افگنی شہباز کا وہ جب کہ چنگل ہو
خیالِ قد میں اس کے آہ و نالہ میں اگر کھینچوں
دو عالم میں ابھی پیش از قیامت اک تزلزل ہو
سراغِ نقشِ پا میں ہے عبث ناقہ کی سرگرداں
بغیر از ہاتھ آئے دل کو تسکیں کیونکہ بالکل ہو
سوادِ چشمِ آہو کو سمجھ تو خیمۂ لیلیٰ
کہ تا مجنوں تجھے صحرا میں کچھ صبر و تحمل ہو
ترا گر قصد کوئے یار میں جانے کا ہے اے دل
تو تنہا مت نکل جب تک نہ سامانِ تجمل ہو
بغیر اشکوں کے تیری کیا نمودِ کرّوفر ہوگی
رکھ اپنے ساتھ دُرانی کے دستے، شاہِ کابل ہو
عبث تو بے ستوں میں جانِ شیریں اپنی دیتا ہے
بجز تقدیر کیا ممکن جو شیریں سے توسّل ہو
نہیں آساں بہت مشکل ہے جوئے شیر کا لانا
یہ کیونکر قوتِ بازو سے تیرے بے تامّل ہو
چھٹی کا دودھ یاد آئے گا اے فرہاد ہاں تجھ کو
نہ دم بھر چھوڑ تیشہ ہاتھ سے یہ کام مشکل ہو

نصیر اس بحر میں ایسی غزل لکھی ہے یہ تو نے
کہ جس کا بزمِ اربابِ سخن میں شور ہو غل ہو

۳

تیرے ابرو کے جو محراب میں جا رکھتا ہو
مردمک چاہیے جوں قبلہ نما رکھتا ہو

چشمِ بد سے آپ ہے ڈر کیا ہے کہ جو سوے فلک
صفِ مژگاں کی طرح دستِ دعا رکھتا ہو

چمنِ دہر میں کیونکر نہ ہوا اس کی بندھے
راہ تجھ سے جو کوئی بادِ صبا رکھتا ہو

ہے وہی وادیٔ مجنوں میں سبک روکہ جو اب
موج سے اشک کی زنجیر بہ پا رکھتا ہو

مور آسا آپ ہے اے چرخ نہ مَل پاؤں تلے
دل میں جو تختِ سلیماں کی ہوا رکھتا ہو

حلقۂ زلف میں کیونکر نہ گرفتار ہو دل
تو جو اے صید فگن دامِ بلا رکھتا ہو

جی لگے کیونکہ بھلا گھر میں ترے عاشق کا
چار خانے کی جو تو ہر میں قبا رکھتا ہو

آبرو خاک ہو دریا کی بھی آنکھوں میں
جامِ گرداب جو مانندِ گدا رکھتا ہو

ایسے بلتوں کی باتوں پہ نہ جانا تو نصیر
روز عاشق کو جو باتوں میں لگا رکھتا ہو

۴

لٹ چھوڑ کے کاکل کی مست دوش تلک دیکھو
ہو جائے گی ہاں مجھ کو سودا کی لٹک ، دیکھو

تم ساغرِ مے پی کر مت راہ گزک دیکھو
حاضر ہے کبابِ دل ٹک اس کا نمک دیکھو

آج اپنی کمر کی تم تنہا نہ لچک دیکھو
آہو ہے یہ دل اس پر چیتے کی لپک دیکھو

تاب اُس کے نہ لاؤ گے اے ہم نفساں رخ کی
خورشیدِ درخشاں کی پانی میں جھلک دیکھو

اب کیا ہے غبار اپنا برباد ہوا کب کا
ناحق کی کدورت ہے دامن کو جھٹک دیکھو

کیوں زلف اٹھاتے ہو اپنے رخِ تاباں سے
کالی ہے گھٹا اس میں بجلی کی چمک دیکھو

گلبرگ نہیں یارو اُس کے لبِ پاں خوردہ
دو لعل کے ٹکڑے ہیں رنگت کی چٹک دیکھو

سچ کہہ دو تمہیں کس نے آغوش میں کھینچا ہے
کیوں مجھ سے مکرتے ہو چولی کی مسک دیکھو

دیکھو گے کہ میں کیسا پھر شور مچاتا ہوں
تم اب کے نمک میرے زخموں پہ چھڑک دیکھو

بالے کے دکھا موتی وہ زلف میں کہتے ہیں
کیا رلت ہے ساون کی تاروں کی چھٹک دیکھو

بھرتی ہے حضور اُس کے ماہی کی تڑپ پانی
بینی کے ذرا اپنی نتھنے کی پھڑک دیکھو

برق اپنی ابھی چھاتی ہاں رشک سے کُوٹے گی
محرم پہ نہ تم ٹانکو گوٹے کی دھنک ، دیکھو

زیر و زبر اک پل میں کرتے ہو دو عالم کو
کہتا ہوں نہ دکھلاؤ مژگاں کی جھپک ، دیکھو

رہتا ہے تمھارا ہی اے آنکھو! مجھے کھٹکا
ناوک نہیں برچھی ہے اُس کی نہ پلک دیکھو

ایسی نہ پھڑک ہوگی خود مرغِ قفس کی بھی
رکھ ہاتھ تو سینے پر اس دل کی دھڑک دیکھو

ہے لالۂ حمرا پر شاخِ گلِ نافرماں
عارض پہ ذرا اپنے گیسو کی لٹک دیکھو

گلگشت چمن کیا ہے لو ہاتھ میں آئینہ
اس اپنے خطِ رخ کے سبزے کی لہک دیکھو

ہم خواب کروں گا میں تصویرِ نہالی کو
پہلو سے مرے شب کو تم آج سرک دیکھو

اندیشۂ رہزن ہے ، درکار نہ رہبر ہے
کچھ فرق نہیں اس میں بے شبہہ و شک دیکھو

اے حضرتِ دل اُس کی لو مانگ کا تم رستہ
کس سوچ میں ہو بیٹھے ، سیدھے ہی سڑک دیکھو

یارو وہ مرے گھر میں آتے ہوئے رکتا ہے
ہرچند مٹاتا ہوں مٹتا نہیں شک ، دیکھو

ایسا مری جانب سے کچھ غیر نے پھونکا ہے
جاتی ہی نہیں اُس کی کم بخت جھجک دیکھو

موبافِ نصیر اُس کی ہے تاش کا چوٹی میں
مت موجِ دخاں دیکھو شعلے کی بھڑک دیکھو

۵

سرخیٔ پان سے شہادت ہو نہ کیوں پان ہم کو
تیغِ آغشتہ بہ خوں ہے لبِ جاناں ہم کو
سببِ گریہ ہے اُس کا لبِ خنداں ہم کو
برق دکھلانے ہے کیفیتِ باراں ہم کو
بن ترے باغ میں ہے مرگ کا ساماں ہم کو
برگِ گل جو ہے سو ہے خنجرِ برّاں ہم کو
کیونکہ پھر اُس کی کمر ہووے نمایاں ہم کو
جب نظر آئے نہ اپنی ہی رگِ جاں ہم کو
رخ ترا کم نہیں کعبے سے ہے جاناں ہم کو
عوضِ چشمۂ زمزم ہے زنخداں ہم کو
اہلِ تجرید کو اک تار کا رکھنا بھی ہے ننگ
کیا دکھاتی ہے تو سوزن تنِ عریاں ہم کو
غرق ہونے کا خطر کیوں نہ ہو اے قلزمِ حسن
ہے تری چینِ جبیں موجۂ طوفاں ہم کو
اس کو کیا دیکھیں ترے مطلعِ ابرو کے حضور
کب ہلالی کا پسند آئے ہے دیواں ہم کو
نہ کریں چرخ کے انجم پہ نظر ساری رات
چن کے ماتھے پہ دکھا دو اگر افشاں ہم کو
لے کے گلشن میں پہنچ شیشۂ مے اے ساقی
شاخِ گل تیر ہے اور غنچہ ہے پیکاں ہم کو
ساغرِ چشم کی مژگاں سے سمجھو کیفیت
گرد آتا ہے نظر حلقۂ مستاں ہم کو

بھولتے کب ہیں ترے روئے مخطّط کی یاد
للہ الحمد کیا حافظِ قرآں ہم کو
فصلِ گل آنے تو دے موجِ نسیمِ چمنی
کیوں ابھی سے تو ہوئی سلسلہ جنباں ہم کو

قطعہ

خواب میں اُن کے لبوں کے جو لیے تھے بوسے
سو وہ بیدار ہو چمکانے لگے ہاں ہم کو
ہم نشیں قسمتِ برگشتہ نے جانے نہ دیے
اب اگلنے ہی پڑے لعلِ بدخشاں ہم کو
جانتے تھے اسے اک خاک کا پتلا یارو
کچھ نہ معلوم تھی ماہیّتِ انساں
کی ہے استادِ ازل نے یہ رباعی موزوں
چار عنصر سے کھلے معنیٔ پنہاں ہم کو
اپنا اندازِ سخن سب سے نرالا ہے نصیر
اپنا استاد سمجھتے ہیں زباں داں ہم کو

۶

(ماہ و خور چاہیے کیا) اے شہِ خوباں ہم کو
بس ہیں آنکھوں کے یہ دو پلّۂ میزاں ہم کو
چھٹ گیا ہاتھ سے ہے گوشۂ داماں اُس کا
کر بریدہ گلو اے تیغِ گریباں ہم کو
پشتِ لب پر نہ کہو خط کہ نظر آتا ہے
برسرِ تنگِ شکر لشکرِ موراں ہم کو

خوش نما پھر نہ لگے ابر میں بگلوں کی قطار
ہنس کے دکھلاؤ مسی زیب جو دنداں ہم کو

راستی ہے کہ ترے روبرو اے قامتِ یار
نخلِ ماتم لگے ہے سروِ گلستاں ہم کو

نظرِ مہر سے دیکھو ادھر اے مہر وشاں
مہ جبینوں سے محبّت نہیں چنداں ہم کو

سیبِ فردوس کی بن میں کبھو دیکھی نہیں شاخ
ہاتھ ٹک رکھ کے دکھا زیرِ زنخداں ہم کو

کون کہتا ہے ترے رخ پہ ہیں داغِ چیچک
یہ شبِ وصل دکھا سیرِ چراغاں ہم کو

جنسِ دل کا تری زلفوں سے کیا تھا سودا
شب نظر آنے لگے خوابِ پریشاں ہم کو

گر یہی دامِ بلا ہے تو بتِ رشکِ پری
چھوڑتی کب ہے تری کاکلِ پیچاں ہم کو

اس کماں دار کی مژگاں پہ نہ کیوں ہو قرباں
ایک ہی پل میں کیا شیرِ نیستاں ہم کو

پوچھنے والوں کو کیا کہیے کہ دھوکے میں نہیں
کفر و اسلام حقیقت میں ہیں یکساں ہم کو

اہلِ مسجد نے جو کافر ہمیں سمجھا تو کیا
ساکنِ دیر سمجھتے ہیں مسلماں ہم کو

اپنے کیوں دل کی نہ ہو قدر کہ صاحب نظراں
کسرتِ خاکیِ تن میں ہے بہ از جاں ہم کو

اس میں موئے کمرِ یار کا رہتا ہے خیال
ہے یہ قسمت سے ملا دُرِ نجف ہاں ہم کو

گل نے شبنم سے کہا مارے خوشی کے تو پھول
نہیں ماتم کدہ سے کم یہ گلستاں ہم کو

کس سے انصاف طلب ہوں کہ خدا نے ہے دیا
لب خنداں تجھے اور دیدۂ گریاں ہم کو

۷

یہ کس کے واسطے ہوتا ہے چشم تر چھڑکاؤ
جو گھر میں شام سے کرتی ہے تا سحر چھڑکاؤ

نہ دیکھا ہم نے مکدّر دل مصفّا کو
کہ آئنے کا نہیں چاہتا ہے گھر چھڑکاؤ

یہ وہ ہے دیدۂ تر جو مژہ سے چھکے ہے
کرے ہے گنبد چرخ کبود پر چھڑکاؤ

ترا یہ خشک ہے ہر کوچۂ رگ اعضا
عجب نہیں جو کرے آب نیشتر چھڑکاؤ

کب اس سے فیض ہو جاری جو ہو تنگ مایہ
کرے ہے آپ سے اپنی کہاں گہر چھڑکاؤ

۸

عدم کی راہ ہے باریک ، یارو سوچ کر دیکھو
جو سمجھو زندگی کو ہیچ تو اس کی کمر دیکھو

نہ تم رنگ مسی میں اپنے دنداں جلوہ گر دیکھو
کھلی ہے نیلوفر میں موتیا ، ٹک غور کر دیکھو

گل لخت جگر ہے اک قلم مژگاں سے وابستہ
یہ ڈالی نذر کو لایا ہوں میں ، تم اک نظر دیکھو

نہ چھیڑو ذکر تم اس کے دہن کا اے نوا سنجو
چمن میں قافیہ غنچوں کا ہوگا تنگ تر دیکھو

خیالِ لعلِ لب اُس کا ہی آخر اپنے کام آیا
رگِ یاقوت سے ہم نے سیا چاکِ جگر ، دیکھو

قطار ابرِ سیہ میں دیکھتے تم کیا ہو بگلوں کی
تمھاری مانگ میں ہے جلوہ گر سلکِ گُہر دیکھو

کوئی کیا خاک رکھے چشمِ اُلفت ہم نشینوں سے
نمک چھڑکے ہے شبنم زخمِ گل پر ہر سحر دیکھو

اسے ہالہ نہ سمجھو اُس کے رخ پر دیکھ کر بالا
یہ ڈوبا ہے بھنور میں آج خجلت سے قمر دیکھو

کہاں اے حق پرستو ہے سرِ منصور سولی پر
نہالِ عشق لایا ہے بہ ایں صورت ثمر دیکھو

جدا اے ہمدمو کیجے نہ کیونکر بند بند اُس کا
گرہ رکھتا ہے دل میں اُن لبوں سے نیشکر دیکھو

تمھاری تابِ رخ سے ہے ہمارے دل کی کیفیت
یہ فانوسِ خیالی ہے ، چراغ اس میں تو دھر دیکھو

یہ آئینہ بھی ماتم دار ہے شاید سکندر کا
جو اس صورت سے رہتا ہے ہمیشہ چشم تر دیکھو

عدم میں بھی شہیدوں کا تمھارے آہ ماتم ہے
زمیں سے گل نکلتے ہیں گریباں چاک کر دیکھو

نہیں جائے تبسم غافلو یہ گلشنِ ہستی
برنگِ غنچہ باندھو دوش پر رختِ سفر دیکھو

ہم اس صورت سے دنیا سے گئے ہیں چشمِ تر لے کر
کہ روتا ابرِ رحمت ہے ہماری خاک پر دیکھو

یہی کہتی تھی پروانوں سے شب کو شمع رو رو کر
وبالِ گردن آخر ہو گیا یہ تاجِ زر دیکھو
نصیر اب اس زمیں میں یک قلم مضمونِ تازہ سے
غزل اک اور لکھ کر تم بہ اندازِ دگر دیکھو

۹

کرے ہے گریہ پیدا آہ کا یارو اثر دیکھو
ملے ہے نخل کو پانی تو لاتا ہے ثمر دیکھو
کبھی ہے وہ عرق مت اس رخِ گلنار پر دیکھو
کیا ہے آب و آتش کو بہم میرا ہنر دیکھو
صفا کیشوں کی صحبت کا ہے یارو یہ اثر دیکھو
چراغِ چشمِ ماہی آب میں ہے جلوہ گر دیکھو
نہیں یارو یہ خالِ آسماں رنگ اس کے چہرے پر
نمایاں چشمۂ خورشید میں ہے نیلوفر دیکھو
کسی دن خاک میں ہم آبرو اس کی ملا دیں گے
ہمارے اشک سے کرتا ہے ہم چشمی گہر دیکھو
رگِ لعلِ بدخشاں کی ہے جس صورت نموداری
عیاں ہے جامۂ کلگوں سے یوں اس کی کمر دیکھو
کرے ہے قتل جلوہ ہم کو اس دستِ نگاریں کا
شفق میں پنجۂ خورشید آتا ہے نظر دیکھو
جھڑے پیرے سے دلداں غافلو بیدار ہو اب تو
کہ تارے چھپ گئے اور ہو گیا وقتِ سحر دیکھو
سدا روشن نگاہوں کی یہاں ہے زیرِ پا منزل
کہ ہے استادگی میں شمع سرگرمِ سفر دیکھو

خیالِ بوسۂ لب اُس کا یارو ہم کو کافی ہے
کہ وقتِ نزع مت دو شربتِ قند و شکر دیکھو
نہ کیونکر چشمۂ فیض اس سے جاری ہووے اے یارو
بنی ہے روزنِ کشتی ہماری چشمِ تر دیکھو
تمنّا عشق کی یارو عبث رکھتے ہو پیری میں
کہیں افسردہ خاکستر میں ہوتا ہے شرر دیکھو
خیال اُس زلفِ پیچاں کا چھڑایا تیرہ بختی نے
عزیزو زندگی کیا خاک کرتا ہوں بسر دیکھو
قیامت کی ہے برپا اس دلِ سوزاں نے مژگاں پر
کہ خورشید ایک نیزے پر ہوا ہے جلوہ گر دیکھو
کسے ہے شادیِ بے غم میسّر باغِ دنیا میں
جبینِ گل پہ شبنم ہی گرے ہے سربسر، دیکھو
سنو اے حضرتِ دل کیا نصیر اب عرض کرتا ہے
کہ راہِ عشق میں یہ سود ہے اور یہ ضرر دیکھو
طلب ہے آبِ حیواں کی تو اُس لب پر نظر رکھیو
جو مرنے پر کمر باندھی ہے تو اُس کی کمر دیکھو

۱۰

دے گزرے ہے سر شمع کہیں ہیں جگر اس کو
پروانے سے اُلفت ہے قضا اس قدر اس کو
اپنا دلِ پُر داغ ہے رشکِ پرِ طاؤس
ہر رنگ میں دیکھوں ہوں برنگِ دگر اس کو
خیمہ جو نکالے ہے حبابِ لبِ دریا
ہے اپنے مکر کوچ کی ہمدم خبر اس کو

دل آہِ شرربار سے واقف نہیں اپنا
صحبت ہے دمِ سرد سے بادِ سحر اس کو
جوں شیشۂ ساعت ہے مرا آبلۂ پا
دیکھتا ہوں جو آلودۂ گردِ سفر اس کو
ہوتی ہے خلش گر جو تری ناوکِ مژگاں
کچھ ان دلوں پر لگ گئے ہیں کیا مگر اس کو
سیکھا ہے بہت طفلِ سرشک اب یہ نکلنا
رکھ دامنِ مژگاں میں تو اے چشمِ تر اس کو
ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو اک روز کہیں ہاں
لگ جائے کسی مردمِ بد کی نظر اس کو
مت یار کی تو چینِ جبیں دیکھ نصیر اب
غواص یہاں کہتے ہیں موجِ خطر اس کو

۱۱

وسمہ ابرو پہ بتو آج لگاتے کیوں ہو
زہر میں میرے لیے تیغ بجھاتے کیوں ہو
صید ہے مرغِ دل آگے ہی کرو چشم کو بند
سو رہو رات کو شاہیں کو جگاتے کیوں ہو
شررِ فندقِ پا مجھ کو دکھاتے کیوں ہو
رفتہ رفتہ سرِ بازار جلاتے کیوں ہو
نورِ دیدہ تمھیں سمجھوں ہوں میں طفلانِ سرشک
دیکھو سر پر مرے طوفان اٹھاتے کیوں ہو
مثلِ نے میں ابھی فریاد کروں گا ، دیکھو
ہمدمو! چھیڑ کے ، دم ناک میں لاتے کیوں ہو

آپ کے قد کو کہاں سرو نے دی ہے تشبیہ
اس گنہگار کو سولی پہ چڑھاتے کیوں ہو

ہوں گرفتارِ قفس اے رفقائے پرواز
جاؤ آگے ، مجھے آواز سناتے کیوں ہو

کون کہتا ہے نہ آنکھوں میں لگاؤ سرمہ
تولیا مجھ پہ لیا باندھ کے لاتے کیوں ہو

ابھی سو ٹکڑے کروں گا میں گریباں اپنا
تم مرے ہاتھ سے دامن کو چھڑاتے کیوں ہو

موسمِ گل ہے جنوں خیز ، میں دیوانہ ہوں
تا صحر چاک گریباں یہ سلاتے کیوں ہو

گر تصوّر نہیں اس کے دُرِ دنداں کا نصیر
چشم سے شام و سحر اشک بہاتے کیوں ہو

۱۲

کیا کہیے ناصحا دلِ وحشت گزیدہ کو
لایا ہے کھینچ مجھ سے یہ دامن کشیدہ کو

نخلِ مژہ کی چھاؤں میں لوٹے تھا طفلِ اشک
دیکھوں ہوں یا میں خاک میں اس نورِ دیدہ کو

اس گل نے جامِ مے جو دیا مجھ کو باغ میں
سمجھا ہلالِ عید میں شاخِ خمیدہ کو

بے وجہہ خط نہیں ترے نکلا ہے منہ پہ یار
رکھ زیرِ دام طائرِ رنگِ پریدہ کو

مژگاں پہ لختِ دل یہ نہیں تیرے روبرو
لایا ہوں نذر شاخِ گلِ نو دمیدہ کو

رکھا جنوں نے حلقۂ ماتم میں قید کر
جوں گرد باد مجھ سے گریباں دریدہ کو
حلقہ یہ تیری چشم ِ پر افسوں کا دشت میں
دام ِ بلا ہوا ہے غزال ِ رمیدہ کو
واشد نہیں ہے غنچۂ تصویر کی طرح
کیا جانے کیا ہوا دل ِ آفت رسیدہ کو
پہنچے ہے اس کو کب دُر ِ شہوار اے نصیر
دامن میں لیجو قطرۂ اشک ِ چکیدہ کو

۱۳

زندگی بن ترے کیا خاک قمر طلعت ہو
کہکشاں کی لیے برچھی جو شب ِ فرقت ہو
....
راستی ہے اسے پھر دار کی کیا حاجت ہے
زہر کھا جب ترے مہجور نے کی رحلت ہو
کیوں نہ سبزہ کف ِ افسوس سر ِ تربت ہو
دل میں سوراخ ہیں ابنائے زماں کے ہاتھوں
خاک جوں دانۂ تسبیح بہم الفت ہو
جو گنہگار ترا شیفتۂ قامت ہو
کیوں نہ سبزہ کف ِ افسوس سر ِ تربت ہو
ناتوانی کا ہے احساں کہ بنا ہوں میں ہلال
شہر میں کیوں نہ نکلنے کی مرے شہرت ہو
تو نہ ہو اپنے جو بیمار کے بالیں پہ تو کیوں
آب ِ شمشیر دم ِ نزع آسے شربت ہو

گر دکھاؤں تجھے محرابِ خمِ ابروے یار
زاہدِ گوشہ نشیں طاق تری طاقت ہو
روکشی آئنہ کرتا تو ہے تجھ سے لیکن
میں اسی سوچ میں ہوں دیکھیے کیا صورت ہو
کیوں نہ حیراں ہوں خط و خال ترے رخ پر دیکھ
طوطی و زاغ سے جب ایک جگہ صحبت ہو
دیکھ لوں کھول کے آنکھیں تجھے مانندِ حباب
بحرِ ہستی میں مجھے گر کوئی دم فرصت ہو
ہمسری یہ دلِ صد چاک کرے کس منہ سے
شانۂ زلف ترا جب کہ یدِ قدرت ہو
تجھ سے نرگس کو عبث دعوئ ہم چشمی ہے
نہ کرے سامنے آنکھیں جو ذرا غیرت ہو
مے پرستی کی نصیر اس گھڑی کیفیت ہے
جب کہ معشوقِ گل اندام ہو اور خلوت ہو

۱۴

واہ کیا خوب کہ تم یوں تو نہ الفت سمجھو
دل کرے چاہِ زنخداں میں تو چاہت سمجھو
اے بتو حسن کو قاروں کی نہ دولت سمجھو
عارضی مال ہے یہ ، اس کو غنیمت سمجھو
کمرِ یار ہے اے ہیچ مدالو ! رگِ جاں
دیکھو اب اس کو نہ دو بال سے نسبت سمجھو
دردِ فرقت ہے بس آؤ نہ کرو مجھ سے جھانجھ
یاں تلک پہنچی ہے غم سے مری نوبت سمجھو

ہے وہ نزدیک ، کرو دیدۂ بینا پیدا
غافلو آپ سے تم دور اُسے مت سمجھو

آنے کو ہے پریشاں نظری کا لپکا
اور ہوتی ہے میاں ، چشم مروت ، سمجھو

پاؤں زنجیر سدا پھر نہ پڑے دیوالو
کوچہ گردی کو جو تم موجب ذلت سمجھو

نکتہ چینو جو دکھا دوں لب پاں خوردۂ یار
برگ گل دیکھو ، نہ یاقوت کی رنگت سمجھو

زلف بے وجہہ گلے پڑتی ہے کب حضرت دل
اس کو تم اپنے نصیبوں ہی کی شامت سمجھو

عوض بوسۂ لب ، یار اگر دے گالی
چاہیے تلخی دشنام کو شربت سمجھو

یارو آئین وفا یہ نہیں ، کیجے شکوہ
زہر بھی گر تمھیں دیوے تو حلاوت سمجھو

نہ کرو سنگ زنی خاک پہ اس کی ، لڑکو
بعد مردن تو ذرا قیس کی عزت سمجھو

شمع بالین مزار اس کے نہیں ہے تو نہ ہو
چشم آہو کو چراغ سر تربت سمجھو

کہہ دے یاران سخن فہم سے تو آج نصیر
ہے یہ انداز سخن اس کی فصاحت سمجھو

صاف جوں جوہر آئینہ ہے مضموں روشن
شعر وہ کیا ہے کہ تم جس کو بہ دقت سمجھو

۱۵

چھیڑے رقیب گر ترے جامے کے بند کو
کیجے جدا پھر اُس کے وہیں بند بند کو
پھینکے ہے تاک کر ترے بام بلند کو
تارِ نگہ کی مردمِ دیدہ کمند کو
یہ تخمِ سرزمینِ محبت ہے دوستاں
تشبیہ خالِ یار سے مت دو سپند کو
چھٹتا نہیں ہے آئنہ ہیہات ہاتھ سے
لپکا بُرا پڑا ہے یہ اُس خود پسند کو
تُرکی تمام ابلقِ ایام کی ہوئی
چھیڑا جو تو نے ناز و ادا کے سمند کو
چاہے تو ایک ہو سے پہلے دل کو دخل کیا
اے مہجبیں میں پیچوں ہوں اُس سے دوچند کو
غنچے پہ اوس پڑ گئی یک دست صبح دم
شبنم کے، دیکھ کر ترے اس سینہ بند کو
اختر نہیں یہ شب کو مرے تیرِ آہ نے
چھلنی کیا ہے سینۂ چرخِ بلند کو
منت کشِ طبیب ہوں کس واسطے نصیر
ہے درد ہی میں چین، دلِ دردمند کو

۱۶

ڈھونڈتا پھرتا ہے جو اُس مہرِ عالم تاب کو
ہو گیا شاید رتوندا دیدۂ مہتاب کو

خواب راحت اڑ گیا آنکھوں سے اُس بےخواب بن
رات کیا رکھا سرھانے بالشِ کم خواب کو
ہو گیا ہے ان دنوں روپوش وہ آئینہ رو
چین کس صورت سے آوے اس دلِ بے تاب کو
چڑھ گیا یہ نشہ ہم کو ساقیا دریا پہ کل
ہالۂ مہتاب سمجھا حلقۂ گرداب کو
سیر دکھلائی ہمیں کیا عالمِ ناسوت کی
رکھ کے اُس مطرب پسر نے تار پر مضراب کو
تفتِ دل سے اشک کیا مژگاں پہ ٹھہریں یوں کہ یہ
سوئی کے ناکے سے آتش نے نکالا آب کو
اڑ گیا بے تابیٔ دل دیکھ کر وہ شعلہ رو
قائم النار اب کیا ہے پارۂ سیماب کو
تھم گیا جوں ابرِ بے موسم جھڑی یہ باندھ کر
لگ گئی کس کی نظر اس دیدۂ پُر آب کو
کیوں نہ خم مارے زمیں پر یہ یلِ گردوں نصیر
پیس ڈالا ہے اُٹھا کر رستم و سہراب کو

۱۷

قمریاں صدقے ہوں کیا گردِ قدِ رعنائے سرو
آب جو بھی باغ میں دھو دھو پیے ہے پائے سرو
گر ترے بوٹا سے قد کو دیکھ کر گل کھائے سرو
رشکِ صد سروِ خراماں یک قلم بن جائے سرو
زور کیفیت دکھائی ہم کو ساقی ابر میں
کم نہیں طاؤس سے کچھ جلوۂ مینائے سرو

کیا اکڑ سکتا ہے ظالم تیری سج دھج کے حضور
خوب سا سیدھا بنے گر دیکھ کر بل کھائے سرو

صفحۂ گلشن پہ ہے اک مصرعِ بحر طویل
قامتِ موزوں کو تیرے خاک منہ دکھلائے سرو

لکھ غزل اک اور بھی سرسبز ایسی اے نصیر
چشم قمری کی نظر سے باغ میں گر جائے سرو

۱۸

یاد میں اس قد کی روؤں گر میں زیرِ پائے سرو
طوقِ قمری حلقۂ گرداب ہو بالائے سرو

چشمِ ساغر سے چمن میں کر نظر بالائے سرو
ساقیا قمری نہیں ہے پنبۂ مینائے سرو

تشنگی سے یہ چمن نے اپنی کاڑھی ہے زباں
ہے کہاں ابرِ بہاری میں قدِ رعنائے سرو

عشق کے ہاتھوں سے کچھ پہنا نہیں قمری نے طوق
موجِ آب جو بھی ہے زنجیر ہائے پائے سرو

چشمِ عاشق ہے عجب رنگیں مکاں دیکھے جو تو
خواہشِ گلشن اٹھا دے دل سے اور پروائے سرو

نیلوفر ہے مردمک ، ہیں لختِ دل لالے کے پھول
آب جو سیلِ سرشک اور ہر مژہ ہے جائے سرو

زلف و قامت کا ترے ہے دیکھنے والا نصیر
بیدِ مجنوں ہر سے مجنوں اور لہ ہے شیدائے سرو

۱۹

رخ سے سرکا زلف ہو گا شورِ محشر رات کو
آج تک نکلا نہیں خورشیدِ انور رات کو
ہو قمر تو اے فلک ہالہ کے اندر رات کو
اور نہ ہو آغوش میں اے وائے دلبر رات کو
جبکہ خاکستر ہوا پروانہ جل کر رات کو
شعلۂ شمعِ لگن دھنتا رہا سر رات کو
ہو سکے کس منہ سے تیرے رخ سے ہمسر رات کو
چاند اک مکڑی کا جالا ہے فلک پر رات کو
تم نے یہ افشاں چنی اپنی جبیں پر رات کو
آنکھیں کھولے رہ گئے گردوں پہ اختر رات کو
کرکے تیرے رخ سے ہمچشمی فلک پر رات کو
قید رہتا ہے قمر ہالے کے اندر رات کو
دیکھو مت افشاں چنو اپنی جبیں پر رات کو
کھائیں گے ہیرے کی کنیاں ماہ و اختر رات کو
کیا کہوں میں بن ترے اے ساقی پیماں شکن
حلقۂ ماتم یہاں تھا دورِ ساغر رات کو
سو رہے دن کو نہ کیونکر زاہدِ خلوت نشیں
آشیاں سے نکلے ہے خفّاش اکثر رات کو
کیوں نہ ہو رنگ مسی سے یار کے دانتوں کی تاب
کرمکِ شب تاب چمکے ہے مقرّر رات کو
خواب میں کس شعلہ خو سے تھا میں یارب ہم کنار
کھل گئیں آنکھیں تو پایا گرم بستر رات کو

تو نہیں ہوتی ہے جب اے مشعلِ آہِ رسا
میں نہیں پاتا ہوں اپنا جسمِ لاغر رات کو

دل کی شامت تھی جو لیتے بوسۂ عارض ترا
چھپ کے جاتا ہے تہہِ زلفِ معنبر رات کو

حسن روز افزوں کے شعلے سے مجھے لگتا ہے ڈر
چور کو پکڑے ہیں مہتابی سے اکثر رات کو

کاش مل جائے کہیں وہ تا یہ ہم پوچھیں نصیرؔ
دن کو رہتا ہے کہاں تو، کون سے گھر رات کو

کو بہ کو پھرتا ہے ہو کر مہر سرگرمِ تلاش
ڈھونڈتا ہے در بدر ماہِ منوّر رات کو

۲۰

تا قیامت نہ مریں گے لبِ جاناں ہم تو
کہ سمجھتے ہیں تجھے چشمۂ حیواں ہم تو

واقف اک بوسۂ رخ سے نہیں جاناں ہم تو
جھوٹ پر تیرے اٹھا جائیں گے قرآں ہم تو

رگِ گل کیونکر کہیں اے کمرِ یار تجھے
کہ سمجھتے ہیں یہاں اپنی رگِ جاں ہم تو

اے تمنائے شبِ وصل ترے ہاتھوں سے
رہتے ہیں صبح نمط چاک گریباں ہم تو

دیکھ ٹک آ کے تماشا کہ تنِ زار پہ آہ
کیا کہے گل بن گئے ہیں سروِ چراغاں ہم تو

زلفِ پر خم کا ترے دل میں یہاں تک ہے خیال
رات کو دیکھتے ہیں خوابِ پریشاں ہم تو

لاکھ تو مجھ سے مکدر ہو، نہ چھوڑیں گے ولے
خاک ہو کر بھی ترا گوشۂ داماں ہم تو

کیا کہیں تو ہی نہیں آپ سے چھپتا ورنہ
نکہتِ گل کی طرح رکھتے ہیں پنہاں ہم تو

اب یہ رنگِ مسی و پان جو دکھادو تو کبھو
لعل و نیلم کے جہاں میں نہ ہوں خواہاں ہم تو

اے کماں دار، شکار افگن و ناوک انداز
ترے ہاتھوں سے بنے شیرِ نیستاں ہم تو

ہوسِ خیمہ نشینی کریں کیا خاک حباب
کہ یہاں تیری طرح دم کے ہیں مہماں ہم تو

تو ہی منہ موڑ گیا آہ دمِ کشتن یاں
ورنہ موجود تھے اے خنجرِ مژگاں ہم تو

رخِ گلنار وہ دیکھ آئنے میں کہتے تھے
آب میں آگ لگانے کو ہیں طوفاں ہم تو

کیوں نہ غل خانۂ زنجیر سے برپا ہو نصیر
بعد مجنوں کے ہیں یاں سلسلہ جنباں ہم تو

کوچۂ یار میں ہر اشک رواں کی دولت
ساتھ پھرتے ہیں لیے لشکرِ طفلاں ہم تو

پاس یہ عشقِ بتِ پردہ نشیں کا ہے نصیر
نکہتِ گل کی روش رہتے ہیں پنہاں ہم تو

۲۱

علم لے آہ اور آنکھوں سے فوجِ اشک جاری ہو
ترے عاشق کی جس جانب کو اے ظالم سواری ہو

ی ہے ہم صفیران چمن یاں عشق کا آخر
کہ ہردم حق میں بلبل کے یہ برگ گل کٹاری ہو
اعت نیم ناں پر ماہ نو کرتا نہیں ہرگز
فلک سے رفتہ رفتہ چاہتا ہے یہ کہ ساری ہو
وا دے اپنے چہرے سے اگر وہ شمع رو برقع
برنگ شعلۂ فانوس دل کو بے قراری ہو
ے ہے سوزن خار مغیلاں قیس اے لیلی
نہ کیونکر دامن صحرا پہ خاصی بخیہ کاری ہو
، اب رفتار کس سے جان من تو نے اڑائی ہے
کہ پامال خرام ناز کبک کوہساری ہو
کبھی ہے زلف برہم اور کبھی وہ یار ہے درہم
جو کچھ ہونا ہو یارب دل کے حق میں ایکباری ہو
صوّر میں ترے اس خال عارض کے عجب کیا ہے
سحر سے شام تک عاشق کو کر اختر شماری ہو
نصیر اس دور میں تب سیر کرنے کی ہے کیفیت
چمن ہو ، جام مے ہو ، خیمۂ ابر بہاری ہو

۲۲

کہتا ہے اور کیا دل ناشاد آرزو
نے کی ہے ترے ستم ایجاد آرزو
لاتی ہے کھینچ کر ترے کوچے میں آرزو
جوں نے مجھے بہ نالہ و فریاد آرزو
نج قفس تو بیضۂ فولاد ہوگیا
بر چمن کی خاک ہو صیاد ، آرزو

پابندِ سرکشی روشِ سرو میں نہیں
وارستگی کی ہے دلِ آزاد آرزو

صحرا نوردگانِ جنوں تیرے ہاتھ سے
جوں گردباد ہوگئے برباد آرزو

ثمرہ ملا نہ گلشنِ ہستی سے کچھ مجھے
بر آئی خاک یاں تری شمشاد آرزو

تصویر اُس کی صفحۂ دل پر نصیر کھینچ
رکھتا تھا جس کے لکھنے کی بہزاد آرزو

۲۳

چرخ کا نیش مہِ نو سے ہے کالا بچھو
بچھوؤں سے ہے زمیں کے یہ نرالا بچھو

آنکھ اک پل نہیں سوزش سے ہے لگتی ہیہات
بن گیا حق میں مرے پاؤں کا چھالا بچھو

کس کا منہ ہے جو کوئی بوسۂ عارض لیوے
زلف ناگن ہے، ترے کان کا بالا بچھو

ڈر گیا دیکھتے ہی شب کو بتِ سنگیں دل
موم کا ہم نے بنا کر جو نکالا بچھو

دل بھی دیکھا تو بڑا دشمنِ جانی ہے کوئی
جس نے پہلو میں مرے داغ کا پالا بچھو

نیش زن غم ہے سدا دل میں مرے فرقت سے
نہیں کھاتا یہ مری آہ کا بھالا بچھو

راستی یوں ہے کہ تھا ایک حسودِ کج بحث
سو وہ اب جوتیوں سے مار ہی ڈالا بچھو

...وے ہے سانپ کا کاٹا تو اور اُس کا رووے
...وئی ایسا ہمیں اب یار دکھا لا بچھو
زہر کی گانٹھ وہ اب آبلۂ دل ہے نصیر
الحذر، دیکھ جسے مالگرے ہے کالا بچھو

۲۴

...یکھیے اس باغ کا اب کی اجارہ ہو نہ ہو
...ں دل پُر داغ میں اُس کا گذارا ہو نہ ہو
اے صبا کیا پوچھتی ہے تو شعاعِ مہر کو
گوشِ گل پر صبح دم یہ گوشوارا ہو نہ ہو
...وچۂ سربستۂ زلفِ بتاں میں دیکھنا
... دلِ سرگشتہ واں شامت کا مارا ہو نہ ہو
شب نہیں ٹوٹے ہیں اختر دیکھنا اے مہ جبیں
آہِ آتش بار کا اپنی شرارا ہو نہ ہو
...ں غنیمت ہے کوئی دم کی یہ صحبت ہم نشیں
...ہ سے پھر ملنا خدا جانے ہمارا ہو نہ ہو
اے بتِ کافر ترا دل جو نہیں ہوتا ہے موم
ہم نے پہچانا کہیں یہ سنگِ خارا ہو نہ ہو
...وں حباب اس بحرِ ہستی میں ہیں ہم خانہ بدوش
...س نے دیکھا ہے کوئی دم کا گذارا ہو نہ ہو
آستانِ یار بھی ہم کو ہے تختِ سلطنت
شوکتِ اسکندر و اقبال و دارا ہو نہ ہو
...شمِ بد دور آج تم وہ غیرتِ خورشید ہو
... کوئی مفتوں اب کیونکر تمھارا ہو نہ ہو

رو و زلف و خال و خط کو کہتی ہے یہ خلق دیکھ
یہ قمر یہ کہکشاں یہ قطب تارا ہو نہ ہو
ہم متاعِ دل کو اک بوسے پہ بیچیں گے نصیر
پھر خدا جانے کہ سودا یہ دوبارا ہو نہ ہو

۲۵

ہم کو کیا شب کو ہیں گو رشکِ چراغاں جگنو
شبِ تاریک مسی ہے، ترے دنداں جگنو
چمک اس میں نہیں اے زہرہ جبیں ہیرے کی
تیرے جگنو سے ہے یہ دست و گریباں جگنو
کٹ گئی ہے وہی باتوں میں یہ کیفیت رات
اپنی آنکھوں میں لگے اخترِ تاباں جگنو
بوٹیاں ہیں ترے کمخواب کے پاجامے پر
یا چمکتے ہیں پڑے یہ تہہِ داماں جگنو
مژۂ تر پہ مرے یوں ہے یہ اشکوں کی نمود
جیسے برسات میں ہوتے ہیں نمایاں جگنو
چند قطرے نظر آتے یہ نہیں شبنم کے
ورقِ گل پہ صبا کرتی ہے افشاں جگنو
سر بہ سر زلف ہے کچھ رات نہیں ساون کی
ہیں یہ موتی ترے کانوں کے بھی جاناں جگنو
لقرئی کب ترے محرم کی بنت پر ہیں حباب
جو ہے محرم سو کہے اے دلِ حیراں جگنو
شمع رو رات کٹی لوٹتے انگاروں پر
تجھ بِن آتے تھے نظر اخگرِ سوزاں جگنو

سر پہ کیا اُس کے ہے بسمے کا دوپٹہ اودا
دیکھتا ہوں شبِ دیجور میں رخشاں جگنو
عرق آلودہ رخِ یار نہیں دیکھ نصیر
چھا گئے ہیں طَرفِ صحنِ گلستاں جگنو

۲۶

لعل کو دیکھو نہ تم گلبرگِ تر دیکھا کرو
رنگِ پاں سے اپنے لب کو سرخ کر دیکھا کرو
سرمہ آنکھوں میں لگا کر تم ادھر دیکھا کرو
ہم پہ تازہ توتیا مت باندھ کر دیکھا کرو
غیر کی صورت نہ اُٹھ کر تم سحر دیکھا کرو
ہاتھ اپنے یا مرا منہ آن کر دیکھا کرو
مت جنازہ دیکھ ....
ابتداً اور انتہائے دوش پر دیکھا کرو
دیکھو اے آنکھو نہ چھوڑو دیکھنا اُس زلف کا
عمر کرنی ہے ابھی مجھ کو بسر دیکھا کرو
چشم پر رکھا کرو اُس کو اُٹھا جوں برگِ گل
گر کسی کا خاک پر لختِ جگر دیکھا کرو
دل نہیں اُڑنے کا مثلِ طائرِ رنگِ حنا
مرغِ دست آموز کے مت بال و پر دیکھا کرو
ہنستے ہنستے ہی تمام اے عاقلو ہوتا ہے کام
ہستیٔ موہوم کو مثلِ شرر دیکھا کرو
کوچۂ ظلمات مت سمجھو، وہ ہے راہِ عدم
سالک کو اُس کی نہ یارو سربسر دیکھا کرو

عیبِ غمازی کو صاف اپنے یہ سمجھے ہے ہنر
آئنے کو تم بہ آئینِ دگر دیکھا کرو

اس کے آنے کے لیے کھلواؤں اب میں کس سے فال
آنسوؤں کا تار یوں مت باندھ کر دیکھا کرو

پنجۂ مژگاں میں تم اے مردمانِ چشمِ تر
استخارہ لے کے تسبیحِ گہر دیکھا کرو

یہ تو میں کہتا نہیں اے حضرتِ دل آپ کو
تم کسی صورت سے ہرگز مت ادھر دیکھا کرو

گر طلب ہے آبِ حیواں کی تو لب کو دیکھیے
زندگی کو ہیچ سمجھو تو کمر دیکھا کرو

دیکھتا ہے گر تمھیں تو اس کی آنکھوں کو نصیر
دو جہاں سے کر کے تم قطعِ نظر دیکھا کرو

۲۷

انگشت نما کیوں نہ وہ مانندِ حنا ہو
خوں جس کا نگارا ترے ہاتھوں نے کیا ہو

جس کو تری کاکل سے سروکار رہا ہو
کالا بھی جو کاٹے تو اثر پھر اسے کیا ہو

جوں شمع نہ کیوں زیرِ قدم اس کے ہو منزل
جو سر سے یہاں گرم روِ راہِ فنا ہو

قامت ہے دوتا بارِ غمِ عشق سے جس کا
شکلِ مہِ نو کیوں نہ وہ انگشت نما ہو

مژگاں کو ہزار آب دے چشموں سے تو اے چشم
جو ہو شجرِ سوختہ وہ کیوں کہ ہرا ہو

کیونکر نہ اسے مزرعِ دنیا سے ہو حاصل
دانے کی طرح خاک میں جو کوئی ملا ہو

تو ہم کو دکھاتا ہے مہِ نو کو عبث چرخ
ناخن جو تراشیدہ ہو کب عقدہ‌کشا ہو

میں طالبِ دل محوِ رخِ آئینہ دلدار (کذا)
کعبے کو وہ کیا سمجھے جو صورت میں رہا ہو

ہے زلفِ زنخداں کی دکھائی ہے مری جاں (کذا)
مار اس کو کنویں میں دو گرا تم جسے چاہو

اس نے تو ڈبایا ہے مجھے اس نے جلایا
ہو خانہ خراب آنکھ کا اور دل کا برا ہو

کہتا ہوں جو کچھ میں وہی سمجھے گا مری بات
اس قاعدۂ عشق سے واقف جو ہوا ہو

بے لب ہے ترا، لام ہے زلف، اور الف قد
نازل دلِ عشاق پہ کیونکر نہ بلا ہو

اس بحر میں اک اور نصیر اب وہ غزل پڑھ
رنگینیٔ الفاظ ہو، مضمون نیا ہو

۲۸

اس کا قدِ دلجو چمن آرا جو صبا ہو
پھر کیونکہ نہ تعظیم کو ہر سرو کھڑا ہو

جس ذرے سے روکش تری تابِ کفِ پا ہو
یک دست وہ جوں آئنہ خورشید نما ہو

ہر تار سے ہے آہ کے وابستہ مرا دل
قانونِ محبت اسے تم کہتے بجا ہو

آگاہ نہ ہو کیوں دلِ خوں گشتہ سے میرے
سر پنجہ ترا جب کہ ہم آغوشِ حنا ہو
اُس کاکلِ مشکیں میں اُلجھتا ہے یہ شانہ
کیونکر نہ بندھے جس سے کہ سرزد یہ خطا ہو
کام اُس کو ہو کیا چشمۂ حیواں سے پھر خضر
بوسہ لبِ دلدار کا جس نے کہ لیا ہو
دل کیوں نہ پھر اک آن میں اُس کا ہو گرفتار
جب یار ترے بر میں دو دامی کی قبا ہو
غنچہ کہوں یا درجِ گہر تیرے دہن کو
عقدہ کسی صورت سے بتا کیونکہ یہ وا ہو
گلشن سے کرے کیوں نہ سفر قافلۂ گل
غنچے کا چٹکنا بھی جو آوازِ درا ہو
سر رکھ قدمِ شمع پہ پروانے نے دی جان
عاشق اُسے کہتے ہیں جو اس طرح فدا ہو
کیا خاک ہوا باندھے وہ پھر بحرِ جہاں میں
مانندِ حباب ایک نفس میں جو ہوا ہو
جوں صفحۂ باطل نظر آتا ہے ہمیں صاف
کس منہ سے مقابل ترے آئینہ بھلا ہو
کیوں عشق کے کشور کا نہ سلطاں کہیں اُس کو
تیشہ سرِ فرہاد پہ جب بالِ ہما ہو
اس بات میں تو فرق سرِ مو نہ سمجھنا
سچ ہے کہ تعجب ہمیں کیونکر نہ بھلا ہو
چھٹ زلف و رخِ یار یہ ہم نے نہیں دیکھا
ہندو کے کہیں روبرو قرآن دھرا ہو

بیٹھا ہو رہِ عشق میں جم کر جو نصیرؔ آہ
جوں نقشِ قدم کیونکہ نہ وہ راہنما ہو

۲۹

خیالِ زلف چھٹ دل کو مرے آرام کیونکر ہو
بسیرا آشیاں میں مرغ کا جز شام کیونکر ہو

فروغِ داغِ دل چھٹ زلف عنبر فام کیونکر ہو
چراغِ کعبہ روشن بے سوادِ شام کیونکر ہو

دکھا دے خالِ رخ تا مرغِ دل گیسو میں پھنس جاوے
نہ ہو گر دام میں دانہ اسیرِ دام کیونکر ہو

نہ ہو ہنگامِ مے نوشی جو عکس انداز رخ تیرا
تو شکلِ آفتابِ خاوری پھر جام کیونکر ہو

سدا لیتی ہے بوسہ زلف تیرے مصحفِ رخ کا
یہ ہندوے سیہ دل منکرِ اسلام کیونکر ہو

نہ ہوں گر جوں نگیں بخت اُلٹے سیدھے روسیاہوں کے
تو روشن صفحۂ گیتی پہ یارو نام کیونکر ہو

خریداروں میں زلف اُس کی نہ ہو گر گانٹھ کی پوری
سرِ بازار جنسِ دل کا پھر نیلام کیونکر ہو

دہان و چشم پر اُس ترکِ غارت گر کے مرتا ہے
غذا دل کی سوائے پستہ و بادام کیونکر ہو

برنگ مردمک خانہ نشیں ہوں تو بھی پھرتا ہوں
رہائی تجھ سے مجھ کو گردشِ ایّام کیونکر ہو

نصیرِ ناتواں جوں نقشِ پا پامالِ حسرت ہے
میسّر دیکھنا تیرا بتِ خود کام کیونکر ہو

۳۰

کام کیوں چشم کا مژگاں سے لیا چاہتے ہو
کاہ سے تم کششِ کاہ ربا چاہتے ہو

آپ تو زہر میں شکّر کا مزا چاہتے ہو
گالیاں دیتے ہو اور ہم سے دعا چاہتے ہو

ہمدمو اس کے خطِ سبز سے کیا چاہتے ہو
شاید اس کھیت میں تم کھیت رہا چاہتے ہو

جنبشِ لب سے مجھے آپ کے ، مضموں یہ کھلا
کچھ مرے حق میں نئی بات کہا چاہتے ہو

جان و دل صبر و خرد ہم تو تمھیں دے بیٹھے
اور کیا جی میں ہے ، فرمائیے کیا چاہتے ہو

خانۂ دل سے ہو بیزار تو حاضر ہے یہ چشم
تم اگر سیپ کے بنگلے میں رہا چاہتے ہو

زاہدو ! رشتۂ تسبیح بنو تم بہ خدا
دل میں اس بت کے اگر راہ کیا چاہتے ہو

نخلِ مژگاں سے نہ کاوش کرو طفلانِ سرشک
جس کے سایے میں پلو اس کا ہرا چاہتے ہو

دوستو دل کا لگانا ہے نہایت ہی برا
آؤ جانے دو اگر اپنا بھلا چاہتے ہو

فرصت اک دم کی ہے اے غافلو مانندِ حباب
بحرِ ہستی میں عبث نشو و نما چاہتے ہو

کیوں نہ ہو زلف کو سررشتۂ الفت تم سے
تم بھی تو حضرتِ دل اس کو بلا چاہتے ہو

وجہہ معلوم تو ہو چیں بہ جبیں ہونے کی
سچ کہو جی میں ہے کیا، کس سے لڑا چاہتے ہو
کیوں نہ ہم آپ کا آئینہ رخاں منہ دیکھیں
تم بھی تو دل سے بہ آئینِ صفا چاہتے ہو
ہم بھی ہمدرد ہیں، کیوں ہم سے مکرتے ہو تم
صاف کہہ دو کہیں کچھ منہ سے کہا چاہتے ہو
رنگ چہرے کا یہ بے وجہہ نہیں زرد نصیر
یا ہو رنجور، کسی شخص کو یا چاہتے ہو

۳۱

مت آہ دکھا زلفِ سیہ فام کسی کو
کافر کہیں کر داخلِ اسلام کسی کو
اے پستہ دہن اس کی ابھی پھوڑوں گا آنکھیں
دیجے نہ مرے روبرو بادام کسی کو
بے وجہہ یہ دن رات کا رونا نہیں اچھا
اے دیدۂ تر کیجے نہ بدنام کسی کو
کر ذبح اسیرانِ قفس کو کہیں صیّاد
پرواز کی طاقت نہیں تا بام کسی کو
کشتے کے تو اپنے نہ قدم رکھ سرِ مدفن
ٹک زیرِ زمیں کرنے دے آرام کسی کو
انصاف تو کر دل میں ٹک اے ساقی کم ظرف
خالی کوئی دیتا ہے بھلا جام کسی کو؟
ہاتھوں سے نہیں اس کے یہاں صورتِ آرام
اس چرخ سے یا رب نہ پڑے کام کسی کو

گردش میں مہ وخور کو رکھے ہے پئے دو قرص
گر صبح کسی کو ہے تو پھر شام کسی کو

فوارہ نمط اچھلیں ہیں سب اہلِ خزانہ
آتا نہیں اندیشۂ انجام کسی کو

دیتا ہے تو دے بوسۂ رخسار ولیکن
دشنام نہ دے اے بتِ خودکام کسی کو

مانندِ لگیں گھر میں قدم گاڑ کے بیٹھے
دنیا میں ہو گر آرزوئے نام کسی کو

غیر از درمِ داغ کبھی مزرعِ الفت
حاصل نہ ہوا تجھ سے تو اک دام کسی کو

واللہ نصیر اور ہی ڈھب کے یہ بتاں ہیں
زنہار نہ تم بھیجیو پیغام کسی کو

۳۲

اے حباب اپنی نہ اسپک ابھی لدوالے تو
کوئی دم اور بھی دنیا کی ہوا کھالے تو

ہم سے چاہے تو زمیں ہند کی لپوالے تو
پربتِ ملک فرنگ اپنے دکھا بالے تو

ڈر دلا الفتِ خالِ بتِ جادوگر سے
مکھی بن کر کبھی آڑ جانے کا بنگالے تو

خانۂ چشم میں رہنے دے اسے ابرِ مژہ
ورنہ سو نیزہ چڑھانے کا اسے پالے تو

دل کا سودا تو یہ خط کش نہیں اے زلفِ بتاں
کون کہتا ہے نہ دو چار کو ڈسوا لے تو

ہمرہان منزلِ مقصود کو پہنچے کب کے
چلنے دے ہم کو بھی ٹک پاؤں کے اے چھالے تو
رشکِ گل کو مرے، گھر تک تو مرے پہنچادے
وہ ابھی راہ میں ہے جلد آسے لا لے تو
رنگِ چشمِ بتِ کافر نے تو مجروح کیا
نیزہ بازی نہ دکھا سرمے کے دنبالے تو
بوسہ مانگا لبِ شیریں کا تو کیا قہر ہوا
ایسا حلوہ بھی نہیں ہے جو مجھے کھا لے تو
ہرِ پروانہ سے شب بزم میں کہتی تھی یہ شمع
گر ہواخواہ ہمارا ہے تو پنکھا لے تو
ہالہ ٔ چشم میں آتا ہے وہ اے مردمِ چشم
جلد اب لے کہیں اس گھر کے ذرا جالے تو
طاقِ ابرو میں ٹک اس شیشہ ٔ دل کو رکھ دے
جھومتا جاتا ہے اب اے مرے متوالے تو
بات یہ خانہ خرابی کی ہے، خاموش نصیر
روز اُس کے پسِ دیوار نہ کر نالے تو

۴۳

روز و شب یار کے جپتی نہیں کیوں نام کو تو
اے زباں منہ میں بنی ہے مرے کس کام کو تو
زلف کو کھول کے کوٹھے پہ نہ چڑھ شام کو تو
جانور لیں ہیں بسیرا، نہ بچھا دام کو تو
ہستی اے آدمِ خاکی ہے تری نقش بر آب
جوں حباب آنکھ نہ کھول اپنی کہ ہے نام کو تو

دولتِ حسنِ خداداد پہ مت سالب بٹھا
اے صنم رخ سے ہٹا زلفِ سیہ فام کو تو

دیکھ لیں زلف و رخِ یار تو اے شیخ ابھی
برہمن کفر کو دے چھوڑ ، اور اسلام کو تو

چرخ میں آپ زمیں پر یہ فلک ہے اے دل
اس میں ڈھونڈے ہے کہاں گوشۂ آرام کو تو

مجھ کو بن اس کے چمن میں عبث اے فصلِ بہار
غنچہ و گل کے دکھاتی ہے خم و جام کو تو

کم ہیں کیا ماہیِ دریا ترے تن پر یہ فلوس
تو بھی رکھتی ہے ہوائے درم و دام کو تو

دانہ ساں ہاتھ سے خلق اس کے پسی جاتی ہے
آسیا جان دلا گردشِ ایّام کو تو

غزل اس بحر میں تحریر کر اک اور نصیر
سیکھ طرزِ سخنِ سعدی و خیّام کو تو

۳۴

عہدِ پیری میں جوانی کے نہ لے نام کو تو
زاہدا صبح ہوئی، یاد نہ کر شام کو تو

ہم نشیں دیکھے جو چشمِ بت خود کام کو تو
سنگ سے پھوڑے ابھی دیدۂ بادام کو تو

زلف سے کر نہ جدا اس دلِ ناکام کو تو
شاخ سے توڑ نہ ظالم ثمرِ خام کو تو

محتسب تجھ کو کرے چشم نمائی ساغر
منہ ہے تیرا جو کہے ساقیِ گلفام کو تو

رخ پہ بے وجہہ نمودار ہے خط ، ناز نہ کر
سوچ ٹک دل میں اسی آغاز کے انجام کو تو

بیعت دست و سبو کون کرے تجھ سے یہاں
ہر گھڑی بادہ پرستی کے نہ لے جام کو تو

سمجھ اس مے کدۂ دہر میں اے پیر مغاں
حلقۂ ماتم جمشید خط جام کو تو

تجھ کو بھیجا بھی ہواخواہ بنا کر اپنا
سرسری اس سے صبا کہیو نہ پیغام کو تو

یہ سیہ بخت الجھتا ہے تری کاکل سے
سر پہ اتنا نہ چڑھا شانۂ حجّام کو تو

مجھ کو کچھ نرگس شہلا سے نہیں ہے مطلب
نہ دکھا گل بدن اس عاشق ناکام کو تو

چشم کا تیرے تصوّر ہے مری چشم میں یوں
جوں ملا دیکھتے ہے بادام سے بادام کو تو

جوں نگیں گھر سے دلا اپنے نہ رکھ باہر پاؤں
صفحۂ دہر میں چاہے ہے اگر نام کو تو

دیکھیے اس چشم پہ گر ابروے پُر خم کو نصیر
توڑ دے ...... شاخ گل بادام کو تو

۳۵

مخلصی دل کو کہاں گیسوے دلدار سے ہو
مہرۂ مار جدا کب دہن مار سے ہو

دل پُر داغ بہم یوں نگہ یار سے ہو
جیسے وابستہ کوئی دستۂ گل ، تار سے ہو

پارۂ سنگ ہے وہ ، چشمۂ حیوان ہے یہ
منہ ہے کیا لعل کا ، روکش جو لبِ یار سے ہو
کبک و طوطی کے اڑیں کیوں نہ بھلے دیکھ کے ہوش
وہ ہو رفتار سے شرمندہ ، یہ گفتار سے ہو
غنچہ ساں کھولے وہ کیا تیرے دہن کا عقدہ
جو کہ واقف نہ یہاں مخزنِ اسرار سے ہو
طوقِ زنجیر کرے حلقۂ گرداب آسے
موجِ دریا جو مقابل تری رفتار سے ہو
کیوں یہ دل لب کو ترے چھوڑ کرے منّتِ چشم
کام عیسیٰ کا تعجّب ہے کہ بیمار سے ہو
خاک سے اس کی نہ روئیدہ ہو کیونکر نرگس
کشتہ جو کوئی تری حسرتِ دیدار سے ہو
خالِ زلف اس کے تہِ زلف نہ چمکیں کیونکر
روشنی تاروں کی کیونکر نہ لبِ یار سے ہو
کون یہ چاکِ گریباں سیے گل کا بلبل
گر رفو ہو تو موے سوزنِ منقار سے ہو
چشمِ دل صاف گر آئینہ صفت ہو تو نصیر
صورتِ یار عیاں ہر در و دیوار سے ہو

۳۶

تم روے عرق ناک سے کاکل کو ملا دو
ناگن ہے یہ پیاسی تم آسے اوس چٹا دو
غنچوں کو چمن میں دہن اپنا یہ دکھا دو
کچھ سال نہیں ، چٹکیوں میں ان کو اڑا دو

تم بحر ہو ، میں خس ہوں ٹھکانے سے لگا دو
اے آنسوؤ کوچے کی طرف اس کے بہا دو

غصے میں ہوا پر ہے نہ داغ اس کو دکھا دو
آندھی میں تم اے حضرت دل آگ لگا دو

سو ٹکڑے ہمارے دل پرخوں کے نہ کیوں ہوں
تم غیر کو محفل میں جب اک پان بنا دو

ہم سرہو چھری بند کے خمیازہ نو کھینچ (کذا)
انگڑائی ذرا لے کے کمر اپنی دکھا دو

شمشیر علم کی جو نہیں قاتل نے ہمارے
بولی یہ شہادت کہ خطر دل سے اٹھا دو

بھرتے ہو دم عشق تو اشکوں سے وضو کر
محراب عبادت ہے ، یہیں سر کو جھکا دو

بگلوں کی قطار ابر سیہ میں نہیں دیکھی
دندان مسی زیب ذرا ہنس کے دکھا دو

مدت ہوئی میں کنج قفس میں ہوں تڑپتا
مرغان ہم آواز ، ٹک آواز سنا دو

اے آنکھو اجازت نہ دو اشکوں کو مژہ تک
سو نیزے ڈبانے کو تو پانی نہ چڑھا دو

جاتے ہو تو آنے کا بھی اقرار تو کیجے
گر منہ سے نہیں بولتے ، گردن ہی ہلا دو

اس دل سے الجھتی ہیں بہم آپ کی زلفیں
شانے سے کہو یا تمھی جھگڑا یہ چکا دو

صورت سے مری گرچہ وہ بیزار ہے لیکن
یارو مرے نقشے کو کسی ڈھب سے جما دو

ہم جنس کو ہم جنس سے ہوتی ہے محبت
دیوار سے اس کی مری تصویر لگا دو
لو تم کو مبارک ہو ، وہ آتا ہے نصیر آج
جھاڑو کہیں پلکوں سے بہ آئینِ صفا دو
گر فرشِ گلیم آپ کے گھر میں نہیں مشفق
تو آنکھیں ہی پاؤں کے تلے اس کے بچھا دو

۳۷

بہارِ حسن کب جاتی ہے خط رخسار پر رکھو
نگہبانی کو کانٹے باغ کی دیوار پر رکھو
سوائے ہے تمہیں مجنونِ صحرا گرد سے الفت
ذرا کان آہوؤ ! زنجیر کی جھنکار پر رکھو
بنایا جنتری کا تار ہے اس کو تپِ غم نے
ذرا انگشت نبضِ عاشقِ بیمار پر رکھو
نہ تاکو دخت رز قابل نہیں ہے منہ لگانے کے
نظر اے زاہدو ایسی نہ تم مردار پر رکھو
دلِ صد چاک میرا لالۂ احمر سے کیا کم ہے
گلِ صد برگ کو اپنے نہ تم دستار پر رکھو
اڑا دی لیند میری ، باز آیا بالشِ پر سے
مرا اے دوستو سر زانوے دلدار پر رکھو
یہ اٹھکیلی سے چلنا موجِ دریا جانتی کب ہے
خیال اے حضرتِ دل یار کی رفتار پر رکھو
سوائے مصحفِ رخ کب لیا ہے زلف کا بوسہ
نہ تہمت کفر کی ہاں اپنے اس دیندار پر رکھو

مرا لخت جگر ہے پارۂ یاقوت رمانی
اسے طاق دکان جوہری بازار پر رکھو
بجز آہ جگر آنسو بہاؤ تم نہ اے آنکھو
سفر اس قافلے کا قافلہ سالار پر رکھو
نصیر اچھا نہیں ہے خار صحرا سے خلش کرنا
کرو مت ریس مجنوں کی نہ پاؤں خار پر رکھو

۳۸

مت ستا اے زلف اتنا عاشق دل گیر کو
سرکشی یہ چھوڑ کافر ، مان اپنے پیر کو
دیجے دل میں کیوں جگہ اس آہ بے تاثیر کو
جس میں پیکاں بھی نہ ہو رکھنا ہے کیا اس تیر کو
غنچہ ساں واشد نہیں گو اپنے دل کو اے صبا
ہم نے یہ عقدہ نہ سونپا پنجۂ تدبیر کو
ناوک مژگاں نے اک عالم کو زخمی کر دیا
ترک چشم یار چھوڑ اب تو کمان و تیر کو
محو ہیں آسودگان مدفن روئے زمیں
چشم نقش پا سے دیکھو عالم تصویر کو
گوشۂ ابرو میں اپنے خال کی مت وجہہ پوچھ
چاہیے آسائش تہہ پل ہووے ماہی گیر کو
کوئی دیوانہ نظر میں اپنی اب چڑھتا نہیں
لاگ ہے مجنوں سے چشم حلقۂ زنجیر کو
ہے بجا تار رگ گردن سرود عاشقاں
جس سے سررشتہ ہے تیری ناخن شمشیر کو

شب کو منہ سے شعلۂ آتش نکالے ہے سدا
کھیل کیا اے شمعِ محفل یاد ہے گلگیر کو

ڈوب جاوے رشک سے خورشید دریا میں نصیر
صبح دم دیکھے جو اس کے حسنِ عالمگیر کو

۳۹

مت لپیٹو زلف کو ، دل کو مرے آرام دو
بر سرِ گورِ غریباں پھولنے تک شام دو

خم مرے منہ سے لگا دے ساقیا اس ابر میں
مجھ سے دریا نوش کو کیا ہوں گے یعنی جام دو

چشمِ جادوگر نے آخر کر دیا وحشی مجھے
ہاتھ میں نرگس دو میرے ، یا گلِ بادام دو

دیکھتا کیا ہے حنائی اپنے ہاتھوں کو میاں
دم میں کر دیتی ہے تیری تیغ خون آشام دو

یہ گرفتاری معیشت کی نہ پوچھ اے ہم نشیں
سرزمینِ زلف میں اپنے بھی ہیں گے دام دو

وقت رخصت کے لگا کہنے یہ قاصد مجھ سے آہ
سب کے خط لے کر چلا ہوں تم بھی کچھ پیغام دو

کام میں ان کے زمانہ ڈالے ہے یہ تفرقہ
جس جگہ مل بیٹھتے ہیں بخت نافرجام دو

پھر چڑھا وکھنا عبث ہے اس کمینے کو نصیر
اس کے کچھ بھاویں نہیں ، ناخوش ہو یا اِلزام دو

جوں بسرِ نو لیم نان کے واسطے پیرے ہے خلق
قرصِ مہر و مہ رکھے ہے چرخِ مینا فام دو

۴۰

بے تابیٔ دل کس طرح یارو ہماری دور ہو
کشتہ گر سیماب ہو تو بے قراری دور ہو
چہرے سے اُس کے زلف لٹک کر ایک باری دور ہو
شہرت مہ شب گرد کی جتنی ہے ساری دور ہو
دیکھا ہے زیرِ زلف ہاں دن کو وہ روئے پُر عرق
ہنگامِ شب کس طرح سے اختر شماری دور ہو
سو ٹکڑے مثلِ گل کرے گر جیب کے دستِ جنوں
خیّاطِ عقل و ہوش کی سب بخیہ کاری دور ہو
ہے فی الحقیقت بحر میں ہستی حبابِ بحر کی
کیا چشمِ خاک آلودہ سے رنگوں کی دھاری دور ہو
کیفیّتِ ساغر کشی باقی نہیں اس دور میں
بے یار کیونکر مے پئیں ، ابرِ بہاری دور ہو
ہے قطرہ افشاں دم بہ دم اس پر جبینِ پُر عرق
شمشیرِ ابرو کی تری کیا آب داری دور ہو
اُس کے دُرِ دنداں کا ہے ان کو تصوّر روز و شب
اے مردماں چشموں سے کب یہ اشکباری دور ہو
شانے سے چوٹی یار کی اُلجھی تو یہ اُس نے کہا
کیوں مار کھایا چاہے ہے، شامت کی ماری دور ہو
کرتے تو ہو تم حسن پر اپنے گھمنڈ اے گل رخاں
ایسا نہ ہو یہ عارضی دولت تمہاری دور ہو
آئنہ ساں کیا خاک ہوں روشن ضمیر اہلِ صفا
دل سے ان کے تو ذرا اے خاکساری دور ہو

نزدیک اُس کے اے نصیرؔ اس واسطے جاتا نہیں
ڈر ہے نہ جھنجھلا کر کہیں وہ ایک باری دور ہو

۴۱

خواہش ہے یار کی، نہ حمائل کی آرزو
باہیں گلے میں ڈالیے، ہے دل کی آرزو
موجِ صبا سے کیونکہ مقید ہو بوے گل
وابستہ کب رکھے ہے سلاسل کی آرزو
صیاد صحنِ باغ میں ٹک رکھ دے ہاتھ سے
کنجِ قفس میں ہے یہ عنادل کی آرزو
مر مر گئے ہیں فرقتِ شیریں وشاں میں آہ
نکلے ہے خاک اُن کے یہاں دل کی آرزو
جوں نقشِ پا ہوں خاک نشیں کوے یار میں
ہے مجھ کو خاک قطعِ منازل کی آرزو
اے موجِ بحرِ عشق پہنچنے دے واں تلک
ہے ہم کو بوسۂ لبِ ساحل کی آرزو
مجنوں کو لائی دامنِ صحرا سے گھیر کر
لیلٰی کے چاکِ پردۂ محمل کی آرزو
کوچے میں اُس کے جامِ گدائی لیے پھروں
یک چند ہے یہی مہِ کامل کی آرزو
بیٹھے ہیں کوے یار میں جوں شکلِ نقشِ پا
اُن کو نہیں ہے قطعِ منازل کی آرزو
واشد برنگِ غنچہ ہو کیا باغِ دہر میں
نکلی نہیں نصیرؔ کے اب دل کی آرزو

۴۲

نہ اس وجہہ آئینہ پر آن دیکھو
یہ ڈر ہے نہ ہو جاؤ حیران ، دیکھو
نہیں دیکھنی یارو جو صبحِ قیامت
مرا آ کے چاکِ گریبان دیکھو
بلا سر پہ لاؤ نہ شانہ زدوں کی
دکھاؤ نہ زلفِ پریشان ، دیکھو
الجھنا نہ صحرا میں وحشت زدو ! تم
خلش پر ہے خارِ مغیلان دیکھو
نہ جاؤ مرے دل کے نالوں پہ ہرگز
تم اپنی طرف اب مری جان دیکھو
ڈبو دیں نہ عالم کو اک پل میں ، ہرگہ
اٹھایا ہے چشموں نے طوفان دیکھو

قطعہ

نہ جاؤ چمن میں کہ داغوں سے یکسر
یہ سینہ ہے رشکِ گلستان دیکھو
اگر سیرِ دریا کو دل چاہتا ہے
یہی چشمۂ چشمِ گریان دیکھو
نصیحت اب کسی سے نہ دل کو لگانا
کبھی جی کا ہووے گا نقصان ، دیکھو

۴۳

ہزاروں پھرتے یہاں غنچہ لب ، نہ ایک نہ دو
رکھے ہے پر کوئی تیری سی چھب ؟ نہ ایک نہ دو

دل اپنا قید سے اس زلف کی چھٹے کھولکر
ہزاروں پیچھے پڑے ہیں کڈھب ، نہ ایک نہ دو
بلا سے اور بھی ہوئے جو ہم تو سہتے بانٹ
پھنسے ہم اس گھڑی یارو کہ جب نہ ایک نہ دو
کہا کہ ایک لے بوسہ ، میں دو لگا لینے
تو غصے ہو کے کہا ، چل بے اب نہ ایک نہ دو
اسیر و خستہ و مجروح و ناتواں و خراب
ہوئے ہیں کتنے ہمارے لقب ، نہ ایک نہ دو
نصیر یار سے صحبت برآر ہو کھولکر
بلاویں ایک کو ، ہم دوڑیں سب ، نہ ایک نہ دو

مطلع

سب سے ملاؤ ابرو ہم سے نفاق رکھو
اس دوستی کو اپنی بالائے طاق رکھو

—:o:—

ردیف ہ

۱

اشک ریزاں کیوں نہ ہو چشمِ پر آبِ فاختہ
اڑ گیا ہے سرو کی فرقت میں خوابِ فاختہ

داغِ فرقت کیا دلِ ناداں کو دینا تھا مرے
زاغ ہو افسوس یا رب .... فاختہ

کودکِ صیادِ بے پروا! پر و بازو نہ نوچ
ہوں گے ان پر چند اوراقِ کتابِ فاختہ

مرغِ دست آموز شکلِ طائرِ رنگِ حنا
تو بنا اس کو نہ لے سر پر عذابِ فاختہ

ہو گیا بدمست وہ پیتے ہی سرو باغِ حسن
.... شرابِ فاختہ

مے کشی کرتا ہے گر گلشن میں تو اے سروِ ناز
چاہیے بہرِ گزک تجھ کو کبابِ فاختہ

عشق دارِ سرو پر کھینچے تو پھر کیا ہے عجب
ہو ابوالمنصور گر یارو خطابِ فاختہ

ہے تمنا اس کی مدفن ہو بہ زیرِ پائے سرو
مت صبا برباد کر مشتِ ترابِ فاختہ

ہو گئی زنجیرِ پائے سرو موجِ آبِ جو
بل بے تاثیرِ دعائے مستجابِ فاختہ

ہے وبالِ گردن اس کا طوق ہی بس چھوڑ دے
رحم کر صیاد بر حالِ خرابِ فاختہ

صورتِ سیماب ہے نظارہ سروِ چمن
کب ٹھہرتا ہے دلِ پُراضطرابِ فاختہ

عاقبت کام آئے گا عشقِ مجازی اے نصیر
دیکھ کر ہنستا ہے کیوں حالِ خرابِ فاختہ

برگِ شمشادِ چمن بن جائے گا روزِ حساب
دفترِ اعمال میں فردِ حسابِ فاختہ

جب کہ عشقِ سرو ہووے مانعِ شرم اے نصیر
پردے پھر کیا چاہیے روے نقابِ فاختہ

۲

زلف جانے ہے وہ پیچوں کے ہنر تین سے ساٹھ
بند کُشتی کے دلا یاد تو کر تین سے ساٹھ

مرغِ دل شب کو ترے چاہِ ذقن میں ڈوبا
ڈول کھینچو تو بہ ہنگامِ سحر تین سے ساٹھ

چاہیے وقتِ شکار افگنی دستہ پورا
تیر ترکش میں رکھ اے تُرکِ پسر تین سے ساٹھ

گو اطبا کے ہیں نزدیک (بتیس اب) مشہور
گرمیٔ عشق سے کم تر ہیں وہ ہر تین سے ساٹھ

کام کچھ تن کی رگوں سے نہیں مجنوں کو سنا
کر نظر ان پہ نہ تو، ہیں وہ اگر تین سے ساٹھ

استخواں کھائے ہما کیوں نہ پسِ مرگ اُن کے
گن کے لیلیٰ کے سگ سین بسر تین سے ساٹھ (؟)

ایک نشتر سے مژہ کے کوئی نکلے ہے کام
یاں رگیں تن کی ہیں فصّاد پسر ! تین سے ساتھ

گر صنم تجھ کو مرے ہم چشمی کا دعویٰ ہو تو لا
کوہنیں تیری کنہیّا ہیں کدھر تین سے ساتھ

ایک بوسہ دے ، بلا سے لڑے روزہ ٹوٹے
اس کے بدلے میں کھلاؤں گا بشر تین سے ساتھ

خط میں لکھا ہے دلا اس نے مجھے لفظِ سقر
پائیں اس لفظ کو کیا ، گر ہوں بشر تین سے ساتھ

بعدِ یک سال ملے گا وہ ، اشارہ ہے یہ
گن لے تو ہوتے ہیں اعدادِ 'سقر' تین سے ساتھ

چشمِ آئینۂ دل صاف نہ جب تک ہو نصیر
عرش کے برج کب آتے ہیں نظر تین سے ساتھ

۳

پروین تو ہے اے رشکِ قمر نور کا خوشہ
میں تاک کے کیونکر کہوں انگور کا خوشہ

اس غیرتِ شمشاد کے اشکوں نے دکھایا
نخلِ مژۂ عاشقِ رنجور کا خوشہ

تو بے ثمر آہِ دلِ عاشق کو سمجھ مت
جز شعلہ نہیں ہے شجرِ طور کا خوشہ

اللہ رے کیا حسن کی گرمی ہے نمودار
تبخالے بنے میرے لبِ حور کا خوشہ

جھمکے کو ترے کان میں دل دیکھ کہے ہے
ہے گلشنِ حسنِ بتِ مغرور کا خوشہ

ہر آبلہ زود نہوں دل کی مرے گرد
لایا ہوں تری نذر کو کافور کا خوشہ
قطرے ترے ابرو پہ عرق کے ہیں کئی جمع
آہو کی ہے یا شاخ میں طنبور کا خوشہ

۴

زیب تن ہے خاک کوچے یار چم کر تہ بہ تہ
ہم گدا کیا دلق پہنیں سی کے اس پر تہ بہ تہ
شب نہیں اختر مشبک خیمۂ افلاک سے
تیر آہ عاشقاں پھوٹے ہیں بن کر تہ بہ تہ
گر وہ یاں تک آئے تو لخت جگر اور اشک سے
زیر پا اس کے بچھاؤں لعل و گوہر تہ بہ تہ
وہ مژہ دل اور جگر کے یوں ہے اب پردے کے پار
ڈوب کر کرتی ہے سوزن جس طرح گھر تہ بہ تہ
خون سے کشتوں کے اپنے دست و پا یکدست رنگ
کیوں حنا لگوانے ہے تو اے ستم گر تہ بہ تہ
بے ثباتی باغ میں غنچوں نے گل کی دیکھ کر
دوش پر رخت سفر بالعطا ہے کس کر تہ بہ تہ
بستر گل پر وہ سوئے غیر کو جب لے گئے ساتھ
کیوں نہ میں لوٹوں بچھا کر آہ اخگر تہ بہ تہ
گاہ رخ پر ہے، کبھی دامن پہ یوں اشک رواں
بیٹھتا پھرتا ہے بھوکا جوں کبوتر تہ بہ تہ
دھکیلتی پر غور کہ اس چرخ ملمع ساز نے
کیا چڑھائے ہیں ورق مونے کے لے کر تہ بہ تہ

گر قدم رنجہ کرو یاں تک تو پھر اشکوں سے ہم
آپ کی خاطر بچھائیں فرشِ گوہر تہ بہ تہ

طائرِ دل اڑ سکے کیا اے بتِ صیّاد وش
تو نے تارِ زلف سے باندھے ہیں شہپر تہ بہ تہ

صد ہزار افسوس اے بلبل کہ تو جیتی رہے
اور اس غم سے نہ کھائے داغ دل پر تہ بہ تہ

یک قلم بادِ خزاں نے برہم و درہم کیے
جتنے برگِ گل تھے جوں اوراقِ دفتر تہ بہ تہ

شیشۂ دل عشق کی آتش سے شق ہوگا نصیر
کر گلِ حکمت بسانِ کیمیا گر تہ بہ تہ

۵

پیکاں ہو جب اس تیر کا آفاق میں غنچہ
پھر کھٹکے نہ کیوں دیدۂ عشّاق میں غنچہ

مدہوش ہوں ، بتلا مجھے اے ساقیِ گلفام
شیشہ ہے کہ میخانے کے ہے طاق میں غنچہ

منہ کھول کے دیتی ہے صبا دانۂ شبنم
ہو کیوں نہ ثنا خوانیِ رزاق میں غنچہ

رہتا تھا مراقب ہو سحر سر بہ گریباں
زاہد نمط اس گلشنِ خلّاق میں غنچہ

وہ فندق پا دیکھ کے ساقی یہ ہوا محو
لکھنے لگا صورت کشیِ ساق میں غنچہ

گلشن میں صراحی مئے گلگوں کی لگے ہے
ساقی لگہ یارِ خوش اخلاق میں غنچہ

رخت سفری دوش پہ بے جا نہیں باندھا
جوں گل ہے کیا زندگیِ شاق میں غنچہ
ہم سر ترے جوڑے سے گلِ نیلوفری کا
کب ہے ورقِ مانی مشتاق میں غنچہ
اس بات پہ اے یار گل اندام نہ تو پھول
میرا ہے دہن گلشنِ آفاق میں غنچہ
داغ اپنے بھی سینے کا ہے جوں لالۂ احمر
ہے سرخ پھپھولا دلِ عشاق میں غنچہ
سمجھے ہے نصیر اس کو عبث تکمۂ یاقوت
ہے جیبِ دلارامِ پُر اشفاق میں غنچہ

٦

چلتا ہے جب وہ ناز سے رکھ کر کمر پہ ہاتھ
دھرتا کبھی ہوں دل پہ، کبھی میں جگر پہ ہاتھ
مژگاں نہ دھر سکے مرے لختِ جگر پہ ہاتھ
رکھ تو ہی طفلِ اشک بہادر شرر پہ ہاتھ
مستانہ وار اینڈ کے انگڑائی تم نہ لو
مارے گی شاخِ تاکِ چمن اپنے سر پہ ہاتھ
خط اپنے پشتِ لب پہ نہ رکھو کہ فوجِ مور
ایسا نہ ہو کہ ڈال دے تنگِ شکر پہ ہاتھ
دل اس کے یوں ہے پنجۂ مژگاں میں، جس طرح
صیاد کا پڑے ہے کبھی جانور پہ ہاتھ
اے مردماں یہ نوح کے طوفاں کا ہے تنور
مژگاں عبث رکھے ہے مری چشمِ تر پہ ہاتھ

تیغِ نگاہِ یار سے ہوتا یہ دل دو نیم
گر روکتا نہ داغِ جگر کے سپر پہ ہاتھ

دامن کی تیر سے وہ ہے قیامت جھلک کہ مہر
لاتا ہے چاک کرنے کو جیبِ سحر پہ ہاتھ

سونا تو ساتھ سیم تنوں کے کہاں نصیب
ہو جائے زر بھی خاک جو ڈالوں میں زر پہ ہاتھ

درباں نے بیٹھنے نہ دیا مثلِ نقشِ پا
آخر اٹھے ہیں جھاڑ کے ہم اس کے در پہ ہاتھ

اے دل عجب نہیں ہے اگر سایہ ڈال دے
مارِ سیاہِ زلفِ بحیہ سیم بر پہ ہاتھ

پر چھیڑنا محال ہے بالے کی کونج کا
عقرب کے رکھ سکے کوئی کیا نیشتر پہ ہاتھ

میں دیکھتا ہوں خواب میں شب کو کہ ہے مرا
پستانِ رشکِ حورِ بتِ عشوہ گر پہ ہاتھ

قسمت تو دیکھو کھل گئی جب آنکھ ہمدمو
آیا نظر انار کی شاخِ شجر پہ ہاتھ

آیا نظر جو حلقۂ ناف اس کا وقتِ غسل
ڈر کر رکھا حباب نے کیا چشمِ تر پہ ہاتھ

غوّاصِ بحر کی بھی ہے چکّر میں عقل دیکھ
تو ہی لگا شناورِ دل اس بھنور پہ ہاتھ

میں نے جو خط لکھا اسے خطِ شکستہ سے
مارا ہے خط کو پھینک سرِ نامہ بر پہ ہاتھ

خوفِ تموزِ مہرِ قیامت نہ کر نصیر
ہووے گا پنجتن کا دو عالم کے سر پہ ہاتھ

۴

نہاں ہے جب سے ترے دل میں عشق کا شعلہ
عتاب دیدۂ تر سے کہیں بجھا شعلہ

غذائے شعلہ ہوں میں ، ہے مری غذا شعلہ
جلا دے خانۂ دل تا نہ عشق کا شعلہ

پری رخوں کے نے کیا حسن کا بھلا شعلہ
کہ شمع طور کا رکھتا ہے دغدغا شعلہ

رکھے ہے دیکھو تو خاصیت حنا شعلہ
بنا ہے فندق انگشت شمع کیسا شعلہ

دکھاتا موج دخاں سے ہے سیر کیا شعلہ
کہ منہ سے اپنے نکالے ہے اژدہا شعلہ

نہ کیونکہ شمع کا ہو مایل فنا شعلہ
کہ تجھ کو سمجھے ہے کلگیر شکل لا شعلہ

فروغ حسن رخ یار ، زیر زلف نہیں
دکھاتی برق کا پردے میں ہے گھٹا شعلہ

یہ کس کی برق نگہ بر سر شرارت ہے
اٹھا جو آتش سوزاں کا کانپتا شعلہ

چمن میں شاخ گل ارغواں نہ کیوں کٹ جائے
قبائے سرخ پہن کر وہ بن گیا شعلہ

فزوں ہو آتش دل تجھ سے خاک اے دم سرد
بلند اور بھی بھڑکائے ہے ہوا ، شعلہ

ہوائیاں رخ مہتاب پر نہ کیونکہ اڑیں
شب اپنی آہ کا کترے ہے گل بنا شعلہ

دکھائیں خاک نشیں خاک اپنی نشو و نما
کہ خار و خس کا کب اُٹھتا ہے تا سما شعلہ
علم کی سیر کی ہستی سے لگ رہی ہے جو لو
کرے ہے آپ کو ہنس ہنس کے کیا فنا شعلہ
کلاوے کا تری چوٹی میں ہے کہاں موباف
زبانِ مار سے ہے یہ لپٹ رہا شعلہ
برنگِ موجۂ دریا ملے کفِ افسوس
سنے اگر مرے گریے کا ماجرا شعلہ
ترے حضور نہیں تابِ دم زدن گلگیر
زباں دراز اگرچہ ہے شمع کا شعلہ
رکھا پتنگ نے میدانِ عشق میں جو قدم
سنانِ نیزۂ شمعِ لگن بنا شعلہ
رہی نہ طور پہ موسیٰ کو تابِ نظّارہ
ہوا جو حق کی تجلّی کا رونما شعلہ
مئے دو آتشہ تو لے بھرے ہے کیا ہے عجب
دہانِ شیشہ سے نکلے جو ساقیا شعلہ
کرے جو موجِ دخاں کام تازیانے کا
سمندِ برق نمط ہو چراغ پا شعلہ
دل اپنا کیوں نہ ہو ممنونِ دستگیری آہ
کہ آگ میں بھی سمندر کا ہے عصا شعلہ
سرِ مزارِ جگر تفتگاں گزر مت کر
ہنوز عشق کی آتش کا ہے بپا شعلہ
پس از فنا نہ مرے استخوانِ سوختہ کھا
اٹھے گا دل سے ترے دیکھ اے ہما شعلہ

قطعہ

تم اپنے رخ کے تو ہو مایلِ نظّارۂ عکس
جو آئنے میں دکھاتا ہے برملا شعلہ

مرے بھی اشک میں ہر ہے خواصِ روغنِ نفت
گرے جو بحر میں ، پیدا ہو جابجا شعلہ

پڑا ہے عکس یہ کس شمع رو کا دریا میں
جو آب میں بھی ہے پیدا طلسم کا شعلہ

شب اپنے بر میں تن میں صورتِ فانوس (کذا)
دکھائے ہے مجھے ہر ایک بُلبلا شعلہ

تو اپنے نالے پہ مت بھول ، چھکے بیٹھی رہ
برائے عشقِ مجازی یہ ہے سنا شعلہ

جلا ہی دے گا ترے آشیاں کو اے بلبل
چمن میں آتشِ گل کا اگر اٹھا شعلہ

کر اختیار جہاں میں نصیر شیوۂ عجز
سرِ غرور سے کیا تو اگر بنا شعلہ

فتادگانِ فروتن سے ڈرتے ہیں سرکش
سوائے خاک کسی سے نہیں دبا شعلہ

۸

شرابِ عشق سے دل کا مرے معمور ہے شیشہ
برنگِ ساغرِ خورشید یہ پُر نور ہے شیشہ

کہاں ہے بالگِ قُلقل کیفیت میں چور ہے شیشہ
اناالحق کہہ رہا ہے ، حضرتِ منصور ہے شیشہ

بتا مجھ کو کہ کیا اے ساقیِ مخمور ہے شیشہ
پری کا دل کہوں میں یا کہ چشمِ حور ہے شیشہ

تجلّی گہ نہ کیوں ہو میکدہ ، پُر نور ہے شیشہ
یدِ بیضائے موسٰی ، جامِ شمعِ طور ہے شیشہ

پسِ مردن بھی مجھ کو مے کشو کب دور ہے شیشہ
سرِ بالینِ مرقد جائے شمعِ گور ہے شیشہ

ہمیں محروم اپنے دور میں تو ساقیا مت رکھ
سبوے مے ہے بھر ساغر ، دھرا کیوں دور ہے شیشہ

نہیں ہے قابلِ بادہ کشی یہ گلشنِ ہستی
کہ جامِ گل بھی ٹوٹا ، غنچے کا بھی چور ہے شیشہ

یہاں تک کیونکہ آئے آبلہ پائی کے ہاتھوں سے
بغل میں لا اٹھا کر ، ساقیا مجبور ہے شیشہ

لبِ کاسۂ رندانِ ساغر کش کو کھینچے ہے
یہ رکھتا مے کدے میں جذبۂ کافور ہے شیشہ

نہ کیونکر عالمِ مستی میں وہ میری بغل تاکے
دلِ پُرآبلہ کا خوشۂ انگور ہے شیشہ

بھرا ہے نورِ حق اس میں ، مئے گلرنگ ہے اس میں
مقابل ہو مرے دل سے یہ کیا مقدور ہے شیشہ

تمیزِ نیک و بد جس کو نہ ہو ، وہ خاک پہچانے
دلِ اہلِ صفا کا ساقیا مشہور ہے شیشہ

نہیں ہے بن ترے کچھ محفلِ عشرت میں کیفیت
کہاں کا جام ہے ، کیسا اے بت مخمور ہے شیشہ

مئے گلگوں کا ساغر آفتابِ روزِ محشر ہے
کجا آوازِ قلقل پھونکتا یہ صور ہے شیشہ

نصیر اپنی بغل میں دل کو پنہاں رکھو تو بہتر ہے
اسے سنگِ جفا سے توڑنا منظور ہے شیشہ

۹

ہم نے نظروں میں جو تولا تو ہے پتھر شیشہ
ہے کہاں دل کی نزاکت کے برابر شیشہ

توڑ دل کا نہ مرے مار کے پتھر شیشہ
سنگ دل! ہم نے بنایا ہے یہ مرمر شیشہ

یک قلم محو ہو جی سے مرے تا حرفِ دوئی
مے وحدت کا پلا ساقیِ کوثر، شیشہ

جانِ من دیکھ لگایا ہے یہ مینا بازار
ہم نے ہر آبلۂ دل کو بنا کر شیشہ

یہ حبابِ مئے گل رنگ نہیں زیبِ گلُو
تکمۂ لعل ہے باندھے ہوئے دلبر شیشہ

شعلۂ آہِ جگر سوز جو نکلے ہے سدا
آتشی ہے مرے دل کا یہ مقرر شیشہ

ساقیا یہ بھی لکھے گا کوئی ساقی نامہ
موجِ صہبا سے بنایا ہے جو مسطر شیشہ

پوچھتا کیا ہے غمِ دوریِ جاناں میں نصیر
ہے کہاں پاس مرے بادہ و ساغر شیشہ

چشم میں بھر کے ان اشکوں کو میں پی جاتا ہوں
شیشۂ مے سے مجھے ہے یہی بہتر شیشہ

۱۰

دل کو اس داغ سے داغی نہ سمجھ تو شیشہ
سر بہ محراب رکھا ہے تہِ پہلو شیشہ

آنکھ کچھ تجھ سے لڑاتا ہے پری رو شیشہ
موجِ صہبا سے جو بھڑکاوے ہے ابرو شیشہ

ابر ہے ، باغ ہے اور عالمِ کیفیت ہے
ساقیا بادۂ گل رنگ سے بھر تو شیشہ

شورِ قلقل نہیں اے سروِ خراماں تجھ بن
روشِ فاختہ کرتا ہے بس کُوکُو شیشہ

اٹھ گیا جام تو محفل سے تہی کر پہلو
دیکھیے بیٹھے ہے اب کون سے پہلو شیشہ

منہ لگانے سے ہوا ہے یہ مصاحب اتنا
کیونکہ زانو سے بھڑا بیٹھے ہے زانو شیشہ

چشمِ میگوں کے تصور میں سدا لیلیٰ کے
وقت میں قیس کے تھا دیدۂ آہو شیشہ

کس نے سکھلائی ہے یہ بادہ پرستی کی چال
لے کے جاتا ہے کہاں ہاتھ میں گل رو شیشہ

سامنے موج لیے بھرتی ہے مینائے حباب
روشِ تازہ سے رکھا ہے لبِ جو شیشہ

چشمِ مستِ بتِ بے باک کی گردش سے نصیر
اک طرف جام پڑا لوٹے ہے ، یک سُو شیشہ

۱۱

کیا خوش ہو ایسے کلبۂ ماتم سے قافلہ
جاتا سدا عدم کو ہے، عالم سے قافلہ
رختِ سفر جو باندھا تھا مجنوں نے دوش پر
پُر نم رہا ہے بارشِ شبنم سے قافلہ
نکلیں ترے تصوّرِ رخ میں نہ کیونکہ اشک
چلتا ہے نورِ نیّرِ اعظم سے قافلہ
افسوس ہے کہ آبلہ‌پائی کے ہاتھ سے
ہم قافلے سے رہ گئے اور ہم سے قافلہ
یارانِ رفتگانِ عدم کی سدا ہے یاد
کب بھولتا ہے اس دلِ پُر غم سے قافلہ
روتی ہے شمع دیکھ پتنگوں کو کہہ کے یہ
وابستہ ہے یہ آہ مرے دم سے قافلہ
نکلا نہ آج تک دلِ آشفتگاں کا آہ
اس سرزمینِ کاکلِ پُر خم سے قافلہ
لختِ جگر نہیں یہ، شہیدانِ عشق کا
نکلا ہے میرے دیدۂ پُر نم سے قافلہ
سیرِ حبابِ خیمہ نشیں کر لے اے نصیر
لوزے گا پھر یہ دم میں سرِ یم سے قافلہ

۱۲

لگنے دیتی نہیں اس گل کی جدائی دیدہ
ہو گیا بادِ صبا کا تو ہوائی دیدہ

فرصتِ زندگی اک دم ہے جو دریا میں حباب
بند کر لے ہے وہیں دے کے دکھائی دیدہ
صبح خورشید جہاں تاب کا اے اہلِ نظر
کوچۂ یار میں ہے جامِ گدائی دیدہ
روشناسی نہ ہو کس وجہہ تری محفل میں
آئنے کا بھی تو رکھتا ہے صفائی دیدہ
ہوں میں وہ بادیہ پیما کہ لیا قیس نے موند
دشت میں ، دیکھ مری آبلہ پائی ، دیدہ
آنکھ پروانے سے در پردہ لڑاتی ہے شمع
دامِ اُلفت سے کوئی دے ہے رہائی دیدہ
لے کے مژگاں کے علم دیدہ و دانستہ نصیر
کشورِ عشق میں ڈالے ہے لڑائی دیدہ

۱۳

جیسے کہ تہِ خاک سکندر کی لگی آنکھ
پتھرا کے نہ آئینۂ ششدر کی لگی آنکھ
اُس ناف سے کیا اس دلِ مضطر کی لگی آنکھ
رہتی ہے بھنور ہی سے شناور کی لگی آنکھ
جس ڈر سے کہ خط ہم نے نہ قاصد کو دیا تھا
سو وہ ہی ہوا اُس سے کبوتر کی لگی آنکھ
جاں بر کوئی دم تجھ سے ہوں کیا خنجرِ قاتل
خونخوار ترے حلقۂ جوہر کی لگی آنکھ
کہتے ہیں جسے ساغرِ صہبائے حقیقت
سو اہلِ نظر ساقیٔ کوثر کی لگی آنکھ

دیکھا ہے ترے تکمۂ الماس کو شاید
تا صبح نہیں شام سے اختر کی لگی آنکھ

آنکھیں ترے مشتاق کی شب لگ گئیں چھت سے
کوٹھے پہ جو تجھ سے مہِ انور کی لگی آنکھ

تو بُرقعِ مینا میں ہے، کیونکہ پہ نہ تاکے
ہے دخترِ رز تجھ سے تو ساغر کی لگی آنکھ

دیکھا جو مرے رشکِ چمن کو تو نہ اک پل
داغِ جگرِ لالۂ احمر کی لگی آنکھ

حق میں دلِ سودا زدہ کے حلقۂ زنجیر
اُس حلقۂ گیسوے معنبر کی لگی آنکھ

زلف اُس کی بلا ہے کوئی، جو خوف کے مارے
کہسار کے دامن میں نہ اژدر کی لگی آنکھ

تھے منزلِ گم کردۂ اسلام جو بے دین
سو راہنما اُن کو پیمبر کی لگی آنکھ

ہم کیونکہ کہیں پشت پہ تھی مُہرِ نبوّت
تائید کو تھی خالقِ اکبر کی لگی آنکھ

اللہ رے رتبہ کفِ پا سے جو نبیؐ کے
رہتی ہے سدا چرخِ مدور کی لگی آنکھ

دل ٹوٹ گیا دیکھتے ہی جس کو نصیر آہ
جادو بھری ایسی مجھے دلبر کی لگی آنکھ

ہر شعر میں باندھی ہے نصیر آنکھ وہ تو نے
آہو کی یہاں جس کو نہ دلبر کی لگی آنکھ

محفل میں غرض آج جو دیکھا تو جھپکتے
آگے ترے ہر ایک سخن ور کی لگی آنکھ

۱۴

کس شوخ کے دندانِ مصفا سے لڑی آنکھ
اشکوں سے نکالے ہے جو موتی کی لڑی آنکھ

دین و دل و ایمان سے ہاتھ اُس نے اٹھایا
اے کافرِ بدکیش تری جس پہ پڑی آنکھ

پروانے سے ، چاکِ در فانوس سے ، شب شمع
کس رشتۂ اُلفت سے لڑاتی تھی کھڑی آنکھ

یہ چشم نہ تھی تجھ سے ہمیں اے شبِ ہجراں
کم بخت ہماری نہ لگی کوئی گھڑی آنکھ

لختِ جگر اپنے سرِ مژگاں یہ نہیں ہیں
لائی ہے تری نذر کو پھولوں کی چھڑی آنکھ

تیری سی کہاں چشمِ فسوں ساز ہے اُس کی
گو آہوے صحرا کی ہے اے شوخ بڑی آنکھ

یہ گریۂ شام و سحری خوب نہیں ہے
بن اُس کے دلا یاد نہ ساون کی جھڑی آنکھ

تو وہ ہے کہ آنکھوں کو تری دیکھ چمن میں
نرگس کی تہِ خاک خجالت سے گڑی آنکھ

قربان کرے نیلم و یاقوتِ یمن کو
دیکھے جو مسی کی ترے ہونٹوں پہ دھڑی آنکھ

پہنچے ہے سلیمانی اسے کوئی نگیں اب ؟
اے رشکِ پری کیوں نہ یہ خاتم میں جڑی آنکھ

ہرگز مہِ شب تاب نصیر اس کو نہ کہنا
یہ زرگرِ گردوں نے ہے چاندی کی گھڑی آنکھ

درد اس کے کیا چشم کا شاید جو یہ بالا (کذا)
شبیر کے روضے پہ چڑھانے کو بڑی آنکھ

۱۵

اخگرِ گل پر سحر کیا ٹھہرے شبنم کی گرہ
قطرۂ سیماب کی آتش پہ کب جمتی گرہ

گلشنِ گیتی میں گردوں پنجۂ خورشید سے
غنچہ ساں کھولے ہے کب دلہائے عالم کی گرہ

شانہ ساں دلبستگی مت رکھ دلِ صد چاک تو
اک وبالِ جاں ہے اس کی زلفِ پُر خم کی گرہ

قطرے سے دیکھا تو منت کش نہیں بحر حباب
ناخنِ موج آپ کھولے ہے دلِ یم کی گرہ

ہے برس گانٹھ آج کس غنچہ دہن کی باغ میں
جو صبا تارِ رگِ گل میں ہے شبنم کی گرہ

وا نہیں ہونے کی مردم پنجۂ مژگاں سے بھی
تر نظر آتی ہے اشکِ دیدۂ نم کی گرہ

دستِ محرم کو ہے محرم تک ترے ہی دسترس
کس کی چھاتی ہے جو کھولے بندِ محرم کی گرہ

تجھ بِن اے ہمدم ہمارا کون اب دم ساز ہے
دشمنِ ہستی بسانِ شیشہ ہے دم کی گرہ

دل نے کھایا دیکھتے ہی پھر سرِ لو پیچ تاب
کھول کر جوڑے کی اس نے جبکہ محکم کی گرہ

اس سے چھٹنے کا نہیں سررشتۂ الفت نصیر
ہم نے وا ہوتی نہیں دیکھی ہے شبنم کی گرہ

۱۶

غنچے کی کھولے ناخنِ موجِ صبا گرہ
هیہات میرے دل کی نہ ہو تجھ سے وا گرہ

کب چھوڑتا ہوں وعدہ فراموش تجھ کو آج
جب تک کہ تو نہ دے سرِ بندِ قبا گرہ

ہے اس سے چشمِ عقدہ کشائی عبث کہ سب
چرخِ کبود سر سے ہے لے تا بہ پا گرہ

دریا دلوں کی خاک کسی سے نظر ہے صاف
چشمِ صدف میں ہے گہرِ بے بہا گرہ

اپنا کبوتر ایک گرہ باز ہے یہ اشک
چھتری پہ جو مژہ کی کرے ہے صدا گرہ

آگے نہیں ہے تیرے ذرا تابِ گفتگو
لکنت سے ہے زباں پہ مرے مدعا گرہ

رکھتے نہیں ہیں بحرِ جہاں میں حباب وار
دل میں کسی کے ساتھ یہ اہلِ فنا گرہ

جوڑا وبالِ گردنِ عشاق ہے ترا
لائی ہے سر پہ از سرِ نو پھر بلا گرہ

حیراں برنگِ غنچۂ تصویر ہوں نصیر
کھولیں گے میری حضرتِ مشکل کشا گرہ

۱۷

ہوا ہے تیرے ہاتھوں سے جنوں فاش اس قدر پردہ
نہ دامن میں ہے کچھ باقی، نہ آتا ہے نظر پردہ

مکانِ چشم حاضر ہے ، نہ کر اے سیم بر پردہ
صفِ مژگاں کی چلمن چھوڑ دے کر سیر در پردہ

سرِ رہ اک پری آج اپنے رخ پر چھوڑ کر پردہ
ہمارے دل کو یارو لے گئی فی الفور در پردہ

وہ حسنِ بے حجاب اس کا ہے ہر جا جلوہ گر لیکن
تری آنکھوں پہ غفلت کا پڑا ہے بے خبر پردہ

عجب در پردہ ہے تاثیر کچھ فریادِ عاشق میں
رہے ہے گوش گل کر نالۂ بلبل سے در پردہ

ہوئی جب آمد اس کی تب کہا یہ چشم سے دل نے
کہ اے خانہ خراب اب درمیاں سے دور کر پردہ

بھرم اس گل کے آگے رہ گیا گلشن میں غنچے کا
کہ رکھتی ہے خموشی بات کا یاں سر بہ سر پردہ

مقابل ابرِ دریا بار کچھ بے وجہ آیا ہے
مرے رونے کا تو رکھ لیجیو اے چشمِ تر پردہ

نکالا اس نے سر پردے سے کیا ہمدم کہ عاشق کا
ملا تارِ رگِ جاں دل لگا کاہے کو سرپردہ (کذا)

تہ و بالا نہ کیجو کاوشِ مژگاں سے عالم کو
اٹھانا مت کہیں چہرے سے اے رشکِ قمر پردہ

عیاں ہو عکسِ روئے یار پھر آئینۂ دل میں
کدورت کا جو اٹھ جائے بہ آئینِ دگر پردہ

جدا جانے نصیر اب کس سے صحبت اس کو رہتی ہے
کہ اس کے دو پہ رہتا ہے پڑا آنکھوں پر پردہ

۱۸

شب سرِ شمع کہاں ہے گزرِ پروانہ
شکلِ منصور ہے سولی پہ سرِ پروانہ

آنکھ کیونکر نہ لڑاوے کہ رکھے ہے رشتہ
چاکِ فانوس سے تارِ نظرِ پروانہ

شمع اک آپ ہی ہے تیرے ہواخواہوں میں
کون پنکھا ہے جھلے غیرِ پرِ پروانہ

شمع رو خوب جلا اُس کو تو کیا سمجھے ہے
ہے یہ اپنا دلِ سوزاں پدرِ پروانہ

سود ہے عاشقِ دل سوختہ کو جل جانا
جان دینے میں نہیں ہے ضررِ پروانہ

شمع کس منہ سے یہ کہتی ہے کہاں میرے سوا
کون دل سوز ہے یاں ہم سفرِ پروانہ

آگ سررشتۂ اُلفت کو ترے لگ جاوے
کہ نہ لی آہ جلا کر خبرِ پروانہ

ناوکِ عشق سے یہ کیونکہ نہ رو کش ہو نصیر
شمع کا داغِ جگر ہے سپرِ پروانہ

۱۹

ٹک دیکھو اِدھر چشمِ ترحّم سے زیادہ
تا چشم ہو بوسے کی ہمیں تم سے زیادہ

ہر خال کی جب ہو چمک انجم سے زیادہ
پھر حسن میں کس منہ سے ہو مہِ تم سے زیادہ

کس بات کی ہو چشم ہمیں تم سے زیادہ
دیکھا نہ کبھی چشمِ ترحّم سے زیادہ

رہنے دو کوئی دم گلِ خنداں کو چمن میں
بجلی کا نہ لو کام تبسّم سے زیادہ

اے ابرِ مژہ اب تو برسنے سے اٹھا ہاتھ
دامن کا مرے پاٹ ہے قلزم سے زیادہ

ٹک کھول کے موتی شکنِ زلف میں دکھلا
آرایشِ شب تا کہ ہو انجم سے زیادہ

جوں غنچہ مرا منہ نہ صبا چھیڑ کے کھلوا
ہے لطف خموشی میں تکلّم سے زیادہ

گل ہوش نہ ہو تا یہ مری آہ فلک تک
ہو مشتعل اب آتشِ ہیزم سے زیادہ

کیوں چشم میں دل کو نہ رکھوں اپنے کہ بہتر
جا کوئی فلاطوں کی نہیں خم سے زیادہ

وہ چینِ جبیں موجۂ طوفاں سے نہیں کم
دل کیوں نہ ڈرے اُس کے تلاطم سے زیادہ

کیا بوسۂ رخ لوں کہ یہ بالے کی ترے گوج
ہے نیش زنی میں مجھے کژدم سے زیادہ

کیوں درپۂ کشتن ہے تو اے فکرِ معیشت
سینہ تو مرا چاک ہے گندم سے زیادہ

خونریزیٔ عالم سے تری چشم کو ہے کام
ڈرتا ہوں میں اس قاتلِ مردم سے زیادہ

بس کر ستم ایجاد کہ عالم میں قیامت
برپا ہے ترے دستِ تظلّم سے زیادہ

اب تک تری کاوش نہ گئی ابلقِ ایّام
روندے ہے مری خاک کو کیوں سم سے زیادہ

اس خاک کو آئینہ سدا منہ سے ملے ہے
رتبے میں یہ ہے خاکِ تیمّم سے زیادہ

کوچے کی نصیر اس کے مجھے خاک نشینی
ہے تختِ جم و مسندِ قاقم سے زیادہ

۲۰

عیبِ خود بینی سے ہے تقصیرِ پشتِ آئنہ
ہے بہر صورت روا تعزیرِ پشتِ آئنہ

ہو ترا گر عکسِ خط تحریرِ پشتِ آئنہ
بول اٹھے طوطیِ تصویرِ پشتِ آئنہ

یہ کسی صورت سے دریا برد ہو سکتی نہیں
سدِّ اسکندر ہے یاں تعمیرِ پشتِ آئنہ

معجز سیماب کا کشتہ نہ کیوں ہو دیکھ کر
جوں یدِ بیضا ہے یاں توقیرِ پشتِ آئنہ

واں صفائے سینہ سے مو پشت پر ظاہر نہیں
جوہرِ آئینہ ہے زنجیرِ پشتِ آئنہ

رفتہ رفتہ یار کے زانو تلک پہنچا دیا
آفریں ہے تجھ کو اے تدبیرِ پشتِ آئنہ

آئنہ ہے عیبِ غمّازی سے غرقِ آبِ شرم
ہے بہ از روشن دلی تحقیرِ پشتِ آئنہ

روشناسِ آئینہ دل سے ہوں، ہو کر سر بجیب
میں کوئی ہوتا ہوں دامن گیرِ پشتِ آئنہ

اس زمیں میں اک غزل اب اور پڑھتا ہوں نصیر
یک قلم ہے تحت میں جاگیرِ پشتِ آئنہ

۲۱

کون ہو سکتا ہے دامن گیرِ پشتِ آئنہ
ابروے تصویر ہے شمشیرِ پشتِ آئنہ

لوحِ تربت جب کہ ہو تعمیرِ پشتِ آئنہ
محوِ ہستی خاک ہو تصویرِ پشتِ آئنہ

پیچ و تاب جعد تیرا دیکھ کر اے سادہ رو
ہم پہ ثابت ہو گئی زنجیرِ پشتِ آئنہ

دیکھ کر کیفیّتِ خشتِ درِ مے خانہ، خاک
دیدۂ مے کش میں ہو توقیرِ پشتِ آئنہ

پیکرِ تصویر کو دیکھا نہ روگرداں کبھی
ہو سلیماں قابلِ تسخیرِ پشتِ آئنہ

پشت دستِ یار کا رکھتے ہیں جو دل میں خیال
کیا زباں پر لائیں وہ تقریرِ پشتِ آئنہ

سینۂ پُر نور تیرا لوحِ سیمیں ہے یہاں
تو ہی کہہ کس منہ سے ہو تشہیرِ پشتِ آئنہ

خاکساری کیمیا ہے، دیکھ ٹک انصاف سے
رنگِ قلعی خاک ہے اکسیرِ پشتِ آئنہ

زاہدا صورت پرستی حق پرستی کی ہے وجہ
ہم کریں کس شکل سے تکفیرِ پشتِ آئنہ

فردِ باطل کی طرح سے صاف مرفوع القلم
کیوں نہ ہو یہ فرد بے تحریرِ پشتِ آئنہ

چشم بینا کر کے پیدا دیکھ لے صورت نصیرؔ
صاف کہتا ہوں نہیں تقصیرِ پشتِ آئنہ

۲۲

نہ منہ لگا اسے کیا ہے نگار آئینہ
ہے سادہ لوح تو پتھر پہ مار آئینہ

جو دیکھے اس گلِ رخ کی بہار آئینہ
تو ہر روش سے گلے کا ہو ہار آئینہ

کرے ہے رخ سے ترے روکشی یہ منہ دیکھو
غریقِ بحرِ خجالت ہے یار آئینہ

نہیں ملے ہے یہ بے وجہہ اپنے منہ پر خاک
سمجھتا آپ کو ہے خاکسار آئینہ

سمجھتے ہیچ ہیں جو صاف شکلِ ہستی کو
نظر میں ان کے ہے لوحِ مزار آئینہ

خطاب کیونکہ نہ اس کا ہو روشن الدولہ
کہ تجھ سے ہے شہِ خوباں دوچار آئینہ

چمک رہا ہے عروسانِ باغ کا جوبن
دکھا دے صبح دم اے آبشار آئینہ

بہ چشمِ اہلِ صفا اس کی کھل گئی قلعی
عجب نہیں ہے جو ہو شرمسار آئینہ

بتاں یہ تم نے سکھایا ہے ....
کب آنکھ جھپکے ہے لیل و نہار آئینہ

بہ چشمِ غور جو دیکھا تو یہ ہوا ....
حلب میں خاک رکھے تھا وقار آئینہ

غرض کہ عکسِ خطِ یار سے ....
بنا ہے بادشہ سبزوار آئینہ
صفائی قلب بظاہر ....
مری نگاہ میں ....

....
ثبات بھی ہے جو ہو سنگ وار آئینہ
نصیر صاف یہ کھلتا نہیں خدا جانے
رکھے ہے کس کی طرف سے غبار آئینہ

۲۳

صورتِ گرداب ہے چشمِ پُر آبِ آئنہ
جوہر و ہت خالہ ہے موج و حبابِ آئنہ
صبح اٹھتا ہے وہ شب کا مستِ خواب آلودِ ناز
دیکھ کر دستِ دعائے مستجابِ آئنہ
مدرسے میں حسن کے کیونکر نہ ہووے درسِ عشق
کم ز "بیضاوی" نہیں ہے کچھ کتابِ آئنہ
حلقۂ کاکل کے سائے سے ترے اے رشکِ مہ
کیا تعجّب ہے بنے گر آفتابِ آئنہ
حاضر الخدمت رہے ہیں خوبرویانِ جہاں
ہے سحر صدق و صفا سے کیا جنابِ آئنہ
طاق زیبِ آئینہ ہے یا خود پرست (کذا)
عکسِ ابرو یہ ترا محرابِ بابِ آئنہ
خاکساری بھی ترا جوہر ہے اے اہلِ صفا
کیوں نہ خاکستر سے نکلے آب و تابِ آئنہ

صاف طینت ہے بقولِ مصرعِ عارف نصیر
کیا ہے گر ہو روشن الدولہ خطابِ آئنہ

۲۴

کس کو دکھلاؤں یہ دل کا ہے جو تن میں آئنہ
یہ تو میرے ساتھ جائے گا کفن میں آئنہ

عکسِ رو اس کا ہے زلفِ پر شکن میں آئنہ
بال باندھا چور ہے دیکھو ختن میں آئنہ

چہرۂ رشکِ پری تو بھی قیامت ہے جھلم
آئنے میں ہے چمن اور ہے چمن میں آئنہ

کیوں نہ حیراں ہوں کہ عکسِ رخ ہے یا ہے یہ لگا
حلقۂ زلفِ بتِ پیماں شکن میں آئنہ

طالبِ دیدار ایسا ہوں کہ آنکھیں بھی مری
ہوگئیں رو رو کے عشقِ سیم تن میں آئنہ

آپ وہ اپنے پہ کیا محوِ تماشا ہوگیا
ہاتھ سے چھوٹا نہ اک دم انجمن میں آئنہ

جس پہ سب مفتوں تھے اس نے دل کو مفتوں کر لیا
سحر پردازی کے ہے استاد فن میں آئنہ

کوئی تو پردہ نشیں درپردہ کرتا ہے سنگار
مہر کا اے دل جو ہے چرخِ کہن میں آئنہ

اے نصیر اک لطف ہے جب شعر کہنے کا کہ ہوں
معنی و مضموں کے گل باغِ سخن میں آئنہ

۲۵

رکھ لختِ دل کو اشکِ مسلسل مدام ساتھ
تسبیح کے رہے ہے ہمیشہ امام ساتھ

لے غیر کو نہ راہ میں اے خوش خرام ساتھ
اتنا تو کر لحاظ کہ ہے یہ غلام ساتھ

ناطاقتی کے ہاتھ سے کب کا گرا تھا یہ
پر اس عصائے آہ نے رکھا ہے تھام ساتھ

جوں ہے پتنگ کا ترے سر پر وبال شمع
سب جگ ہے یہ ملے گا تجھے انتقام ساتھ

یارانِ رفتگانِ عدم بی یہ تھک گئے
جوں نقشِ پا چلا نہ کوئی ایک گام ساتھ

داغِ جگر ہے آبلہ دل کے متصل
ساقی بجا ہے گرچہ ہو شیشے کے جام ساتھ

پڑھتا ہوں دم کی آمد و شد میں نمازِ عشق
زاہد ادا کروں ہوں رکوع و قیام ساتھ

ابروے یار دیکھ نہ کس وجہہ عید ہو
لایا ہے مژدہ عیش کا ماہِ صیام ساتھ

دل تو ڈبویا دیدہ و دانستہ چشم نے
اک آشنا بھی وقت پہ آیا نہ کام ساتھ

لیلیٰ سنش بہ چشمِ حقیقت ذرا تو دیکھ
آنسو کہاں ہے دل کے مرے صبح و شام ساتھ

یعنی کہ تیرے عشق میں مجنوں ہوا ہے دل
طفلانِ سنگ زن کا ہے یہ اژدہام ساتھ

تسبیح کے تو پیچ میں آنا نہ اے نصیر
زاہد تو مکر کا لیے پھرتا ہے دام ساتھ

۲٦

یہ مہ و خور در تنورِ آسمانِ سوختہ
گردہ اک آبی ہے اور دیگر ہے نانِ سوختہ
آخرش تاجِ زر آلودہ ہوا سر کا وبال
رات کہتی تھی ہو گریاں شمعِ جانِ سوختہ
عشق کی آتش شرارت کے پھوڑے ہم سے پاؤں
بل کوئی جاتا ہے مثلِ ریسمانِ سوختہ
لگ رہی ہے آگ دل میں کر مدد اے چشمِ تر
دیدہ و دانستہ دیکھے ہے مکانِ سوختہ
دیکھ کر کہتا ہے وہ عاشق کا دستِ داغدار
شاخِ گل ہے یا ہے چوبِ گلستانِ سوختہ
گھر جلا دیکھے تماشا بوالہوس کب اے نصیر
یہ ہمیں ہیں اے میاں۔ اک خانمانِ سوختہ

۲۷

ابرو سے اس کے دیکھ نہ پھر ہے دلا گناہ
قبلہ کی سمت پاؤں نہ کر، ہے بڑا گناہ
میں صاف دل سے آئنہ ساں محوِ دید ہوں
کس شکل سے کرے ہے تو ثابت مرا گناہ
محرابِ تیغِ یار میں یوں سر جھکا نہ دل
ہے بے وضو نماز کا پڑھنا لکھا گناہ

یک دست باندھتا ہے تجھے کس لیے نگار
اس کا کیا ہے دزدِ حنا تو نے کیا گناہ

چھیڑا ہے میں نے کاکلِ مشکیں کو تیرے کب
بے وجہہ مت الجھ کہ مری کچھ خطا گناہ

اس مہ جبیں کے مصحفِ رخ پر رکھے ہے پاؤں
ثابت دوچند ہے سرِ زلفِ دوتا گناہ

پیجے شرابِ عشق نہ کیوں زاہدا مدام
مشرب میں اپنے کچھ نہیں اس بات کا گناہ

مت پھر تو صبح و شام پے قتلِ مردماں
اے ترکِ چشمِ یار نہ رکھ یہ روا گناہ

کیوں اس کے پیچ میں ہے تو شامت زدوں کی طرح
کیا تو نے اس کا آہ اب ایسا کیا گناہ

یکسر مٹا بھی شوخ سے اے دل خیالِ زلف
مارِ سیاہ کا ہے نہیں مارنا گناہ

رکھ پنجتن کی ذات سے تو شش جہت میں کام
بخشالیں گے نصیر یہ روزِ جزا گناہ

۲۸

رکھ دوں اگر بروئے بتانِ فرنگ ہاتھ
پیدا کرے مرا یدِ بیضا کا رنگ ہاتھ

قبضے پہ تیغ کے نہ رکھ اے خالہ جنگ ہاتھ
مرتا ہے گر شہید تو مہندی میں رنگ ہاتھ

عشقِ بتانِ سنگ دلاں چھوٹتا نہیں
گیا کیجے آ گیا ہے مرا زیرِ سنگ ہاتھ

تجھ سے کریں گے بیعتِ دستِ سبو جو ہم
پیرِ مغاں اُٹھائیں گے پینے سے بنگ ہاتھ
جامِ حیات دیکھ کے بولا وہ بادہ نوش
دریا لگا ہے زور ترے جل ترنگ ہاتھ
تیری طرح سے غنچۂ گل تنگ دل نہیں
گو ہاتھ سے زمانے کے اپنا ہے تنگ ہاتھ
گلگیر منہ پسار رہا ہے تری طرف
نزدیک ہائے شمع نہ لے جا پتنگ ہاتھ
حیرت یہ ہے کہ اُس لبِ شیریں پہ خال دیکھ
بیٹھی ہے منہ اُٹھا کے مگس بے درنگ ہاتھ
دستِ گرہ کشا سے بھی سمجھوں تجھے بڑا
چھوٹے جو تجھ سے آئنۂ دل کا زنگ ہاتھ
جاگے نہ اپنے طالعِ خوابیدہ ، حیف ہے
ماریں نہ کیونکہ سر سے بتِ شوخ و شنگ ہاتھ
مدت کے بعد وصل کی شب ہاتھ آئی ہے
کھینچا ولے نہ تو نے بچھا کر پلنگ ہاتھ
کر اس زمیں میں فکرِ غزل اور اے نصیر
ہرگز اُٹھا نہ لکھنے سے تو ہو کے تنگ ہاتھ

۲۹

تیرا حنائی دیکھ بتِ شوخ و شنگ ہاتھ
لکھنے کا لگ گیا ہے مخمس کے رنگ ہاتھ
ہووے یہ کاش تا بہ گریباں لنگ - ہاتھ
جوں گل شگفتگی کا لگے تاکہ رنگ ہاتھ

آنکھوں پہ میری رکھ دے بتِ شوخ و شنگ ہاتھ
کولین سے اُنھاؤں میں تا بے درنگ ہاتھ

آج اپنے پاس شیشۂ دارو نہیں ہے برق
دیکھیں گے ہم ہٹے کے ترے وقتِ جنگ ہاتھ

چھیڑیں گے ہم پھر اس بتِ ابرو کماں کی زلف
اے شانہ گو رکھے ہے ترا سو خدنگ ہاتھ

چھیڑوں مگر کو میں ترے بالے کے کس طرح
دے ہے سمجھ کے کوئی بہ کامِ نہنگ ہاتھ

آبِ حیات ہی ہے خضر اُن کو آبِ تیغ
دھو بیٹھے ہیں حیات سے جو ہو کے تنگ ہاتھ

ہم بوسۂ رکاب لیں کیونکر کہ جب ترا
رکھنے کفل پہ دے نہ صبا کو سرنگ ہاتھ

یہ بھی لکھا نصیب کا جو اس نے لیے کے خط
قاصد ترے قلم ہی کیئے بے درنگ ہاتھ

دن رات ہے تصورِ خط اس کا ہمدمو
ساقی بڑھاؤ کیونکہ پیے جامِ بنگ ہاتھ

یارو عجب نہیں ہے کہ شام و سحر مَلوں
میں زندگی سے ہو کے نہایت بتنگ ہاتھ

آتا ہے پشتِ خارِ بلوریں کو دیکھ رشک
پہنچا ہے اس کی پشت تلک بن کے سنگ ہاتھ

ہم تیسری غزل نہ لکھیں کیونکہ اے نصیر
آیا ہے نوبنو گلِ مضموں کا رنگ ہاتھ

۳۰

چھوڑ اک پھری پہ سہر کی اے خانہ جنگ ہاتھ
تا یہ چڑھا لے پھینک کے تجھ سے دو رنگ ہاتھ

اس داغدار دل سے نہ دھو ہو کے تنگ ہاتھ
چیتے ترے ہی ہوں گے لگے کا پلنگ ہاتھ

کیا معجزِ حنا ہے کہ مرجاں کا بن گیا
وہ ہاتھ تھا جو پہلے زمرّد کے رنگ ہاتھ

شرط عمیق عشق میں کیا تو لگائے گا
میری طرح شناورِ دریاے گنگ ہاتھ

تو کس لیے یہ پہنے ہے سمرن عقیق کی
نازک بدن بنائے ہے کیوں اپنا سنگ ہاتھ

پاؤں کو کیا ملے ہے ہمارا یہ طفل اشک (کذا)
مژگاں کا چھوڑ دے ہے بوقتِ شلنگ ہاتھ

تصویر کر کبھی تری دیکھیں تو یک قلم
کاٹیں بہم مصوّرِ چین و فرنگ ہاتھ

گو آہوانِ دشت نے تعلیم کی، ولے
آیا نہ چشمِ یار کی شوخی کا ڈھنگ ہاتھ

جاں سہم کر نکل ہی چلی تھی بدن سے آہ
سینے پہ ہم نے رکھے جو کھا کر خدنگ ہاتھ

وہ ابرو و مژہ ہیں دلا مستعد بہ جنگ
رکھ مت بغل میں تو دمِ تیغ و تفنگ ہاتھ

سو ٹکڑے کر کے جیب کے جوں گل اٹھائیں گے
اے نشۂ ظہور جنوں کے ترنگ ہاتھ (؟)

پاؤں کو توڑ کنجِ قناعت میں بیٹھ رہ
روزی رساں ترا نہیں رکھنے کا تنگ ہاتھ
اہلِ دول کے سامنے درویش کو نصیر
پھیلانا احتیاج کی خاطر ہے ننگ ہاتھ

۳۱

کیا لیا وا کر کے اس نے پردۂ محمل کی تہ
کھولنی تھی قیس کو لیلیٰ کے رخت دل کی تہ
جامۂ شبنم پہن کر مثلِ گل منعم نہ پھول
اس قبا ہے جسم پر اک دن چڑھے گی گل کی تہ
گر مقابل ہو گئے مژگانِ تر تو دیکھنا
پل میں ہو جائے گی شیخی ابرِ دریا دل کی تہ
وصلیٔ گردوں کو انجم کیوں نہ افشانی کریں
جبکہ چمکا دے اسے فردِ مہِ کامل کی تہ
خضر سے کب پوچھتے ہیں ہو کے منت کش دلا
غرقِ دریائے محبت دامنِ ساحل کی تہ
ہاتھ ہو جائیں گے دونوں مفت میں تیرے قلم
نامہ بر دیکھی جو تو نے نامۂ قاتل کی تہ
غنچہ کس منہ سے مقابل ہو کے بولے باغ میں
اے صبا ہے بات میں اس شاہدِ محفل کی تہ
کیا ہوا گر تو نے دھویا تختۂ دامن ونے
رہ گئی ہے رنگِ خونِ عاشقِ بسمل کی تہ
غیر مقراضِ قناعت کس سے ہو سکتی ہے قطع
سی ہے خیاطِ طمع نے خرقۂ سایل کی تہ

دل مسیحا کا نہیں بستر زمیں کا چاہتا
کیا پسند آئی ہے بامِ چرخ کی منزل کی تہ
جز سخنداں دے سخن کی داد کون اب اے نصیر
ہے نہیں آساں سمجھنا معنیِ مشکل کی تہ

۳۲

دل کو حسرت سے نہ رکھیے بہ کنار آلودہ
خاک سوجھے جو ہو آئینہ غبار آلودہ
خوں بہا دے ہے شہیدوں کا وہ اپنے یک مشت
ہاتھ رکھتا نہیں مہندی سے نگار آلودہ
دیکھ تو آبلہ پائی کو ہماری اے قیس
خوں سے یکسر ہیں کئی دشت کے خار آلودہ
بیعتِ دستِ سبو ہم نے بھی کی پیرِ مغاں
مے سے سجادہ کیا آخرِ کار آلودہ
ہم سری کر کے ہوئے ہے مژۂ تر سے مری
آبِ خجلت میں رگِ ابرِ بہار آلودہ
زاہدا تیری طرح کر کے زمیں پر سجدہ
میں جبیں کو نہیں رکھتا ہوں غبار آلودہ
بندۂ عشق ہوں اے حلقہ بگوشِ تسبیح
دل ہے تاتار مرا دستِ نگار آلودہ (کذا)
ہو گی جز جشر نہ یہ دست و گریباں بلبل
دامنِ گل ہو صبا خوں میں ہزار آلودہ
اس زمیں میں غزل اک اور بھی لکھ اب کہ نصیر
ہے سیاہی سے زباں کلک کی یار آلودہ

۳۴

خاک سے دیکھ مری چشم نگار آلودہ
چشم قاتل ہوئی سرمے سے غبار آلودہ

سرخی پان سے جو دیکھا لب یار آلودہ
چھوڑ گئی شیخی گل برگ بہار آلودہ

طرفۃ العین میں ہو سر بہ گریبان نرگس
دیکھ گلشن میں تری چشم خمار آلودہ

سالب چھاتی پہ مری کیونکہ نہ لوٹے کہ وہاں
عرق سینہ سے پھولوں کا ہے ہار آلودہ

خوب رو صاف ہیں ہرچند بظاہر لیکن
دل تو جوں شیشۂ ساعت ہے غبار آلودہ

مہ جبیں ہے یہ ترے روے عرق ناک پہ زلف
یا ستاروں سے ہے دن کو شب تار آلودہ

شمع رو سرو چراغاں کا تماشا مت دیکھ
ہم بھی داغوں سے رکھیں ہیں تن زار آلودہ

حیف اک روز بھی تو چشم سے خوننابہ مرے
نہ کرے دامن مژگاں کو نگار آلودہ

اور اشکوں سے تن شمع بہ دل سوزی رات
ترے عاشق کے ہو بالین مزار آلودہ

چشم دل اپنی نہ خوابیدہ ہوئی حیف نصیر
خواب غفلت میں رہے لیل و نہار آلودہ

۳۴

نہ چھانے خاک کیوں ہو، صاحبِ احوال سرگشتہ
رہے ہے تنگ چشمی سے سدا غربال سرگشتہ

عبث دریا بھی نانِ حلقۂ گرداب کی خاطر
پھرے ہے لے کے کفنی صورتِ کنگال سرگشتہ

دلِ صد چاک کی کیونکر ہو خاطر جمع جوں شانہ
پریشانی سے ہیں زلفوں کے تیرے بال سرگشتہ

تری قسمت کے دانے خود بخود یک مشت پہنچے ہیں
عبث تو آسیا دانے کے ہے دنبال سرگشتہ

نہیں صحرا نورد اک ناقۂ لیلیٰ فقط تنہا
دلِ مجنوں بھی ہے ساتھ اس کے جوں گھنٹال سرگشتہ

مہ و خور کو کرے پھر شہر سے اپنے بدر گردوں
نہ ہوں گر ابلقِ شام و سحر کے بال سرگشتہ

ترا دیوانہ ہے جنگل میں آندھی خاک اڑانے کو
بگولا ہاتھ سے جس کے ہے ماہ و سال سرگشتہ

زمیں پر تیرے ہاتھوں سے گلال اے دل نہیں ٹوٹا
بسانِ چاک ہے اب آسماں کا حال سرگشتہ

پھرے ہے یوں نصیر آوارہ ان زلفوں کے سودے میں
رہے جس طرح سے بازار میں دلال سرگشتہ

۳۵

ہے جو شبیہِ ماہ یہ تیرا ہے رو سو وہ
شب کہیے جس کو زلف بھی ہے ہو بہو سو وہ

جو گل رکھے ہے، تجھ میں بھی ہے رنگ و بو سو وہ
کھولکر کہوں نہ صلِّ علیٰ ہے جو تو سو وہ

جوں غنچہ باغِ دہر میں جو دل گرفتہ ہے
پیتا ہے آہ اپنے جگر کا لہو سو وہ

ملنے کی اس صنم سے تمنّا جو دل میں ہے
شکرِ خدا بر آئی مری آرزو سو وہ

غنچے سے لوں چمن میں نہ کیوں کارِ مے کشی
اے گل جو شکلِ جام ہے تو ہے سبو سو وہ

افسوس ہے کہ رشتۂ اُلفت گیا ہے ٹوٹ
چاکِ جگر کو جس نے کیا تھا رفو سو وہ

جس ماہ وش کی صبح کو تھی دربدر تلاش
یارو ملا ہے شام کو بے جستجو سو وہ

سمجھے نہ گو عدو کوئی قائل ہیں دل میں پر
شاعر ہیں جتنے ہند کے تا لکھنؤ سو وہ

تھا ایک میر ملکِ سخن کا جو بادشاہ
کرتا تھا میری مدح و ثنا روبرو سو وہ

مدت ہوئی کہے ہوئے، دیتا ہے گر تو دے
جو تجھ سے چاہتا ہوں میں اے تند خو سو وہ

پامال ہو کے کون سنے مفت گالیاں
رفتار تو یہ کچھ ہے تری، گفتگو سو وہ

جینے کی چاہتے ہو حلاوت گر اے نصیر
تو لے کے بوسے لعلِ لبِ یار جو سو وہ (کذا)

مطلع

کوفیوں کا بھی ہے مسلم یہ کھلا آہ فریب
آئے بیعت کے لیے تھے یہ دغا بالذہ کے ہاتھ
(نقش ہے) دل پہ عجب خامہ مژگاں سے نصیر
تو نے واللہ یہ مجرے ہے کہا بالذہ کے ہاتھ
(رضا)

———:٥:———

حواشی

ردیف ر

غ ۱ (ہر تیر ہوا پر) ۱۳ رضا ، ۱۱ پٹیالہ (نمبر ۷ ، ۱۱ پٹیالہ نہیں) ۔

غ ۲ (خاکِ مایوسِ مزار) ۱۰ رضا ، ۹ پٹیالہ (نمبر ۹ پٹیالہ) ۔

ش ۳ الف : مینا جام دیکھ ۔ (رضا سہو) ۔

ش ۳ ب : موج فانوس مزار ۔ (رضا سہو) ۔

غ ۳ (نقاب تصویر) ۱۳ رضا ، پٹیالہ ۔

۲ ، ۳ ، ۵ ، ۶ سخن ، ۱ انتخاب ۔

ش ۹ ب : کوئی بلوا دو اسے (پٹیالہ) ۔

(لو یہ صواب تصویر) کذا سہو رضا ، پٹیالہ ۔

غ ۴ (کبھیں نوجوان دریا بر) ۸ رضا ، پٹیالہ ، قلمی ، ادبیات ۔

ش ۳ انتخاب ۔

ش ۴ الف : کرے ہے چشم سے تیری (پٹیالہ) ۔

ش ۸ الف : نصیر ہم وہ ہیں سرگشتہ (پٹیالہ) ۔

غ ۵ (مژگاں کے جوڑ پر) ۹ رضا ، ۷ ادبیات ، قلمی (۷ ، ۸ نہیں) ۔

ش ۲ الف : اوڑہیں سیہ گلیم (ادبیات ، قلمی سہو) ۔

ش ۲ الف : اوڑھے کلیم کو (رضا) -
ش ۵ ب : ان دزد راہ زن کے (ادبیات ، قلمی سہو) -
ش ٦ الف : لینے قد کی (رضا سہو) -
ش ۹ الف : سررشتہ اوس سے بولنے کو چاهیے (رضا) -

غ ٦ (جسم زار پر) ۹ رضا -

غ ۷ (کوئی کام زمیں پر) ۷ رضا - شعر ۱ ادبیات ، قلمی -
ش ۱ ب : تاچند رہے نام ہمارا بھی (قلمی ، ادبیات) -

غ ۸ (چشم گریاں کی بہار) ۱۲ رضا -

غ ۹ (سر مو پشت برابر) ۱۴ رضا ، پٹیالہ -
شعر ۳ ، ۵ سخن ، انتخاب -

غ ۱۰ (تو پشت برابر) ۲۰ ، ۱۳ پٹیالہ -
شعر ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ پٹیالہ نہیں -
شعر ۱۳ ، ۱۴ ، ۱۵ ، ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ سخن ، انتخاب -

غ ۱۱ (هیہات چھاتی پر) آصفیہ ، رضا ، قلمی ، ادبیات ، سخن -
شعر ۲ ، ٦ ، ۸ ، انتخاب ب -
ش ۵ ب : زمین پر پاؤں پھیلا سوئے ہیں (قلمی) -
ش ٦ الف : کس کو یا رب نیند آتی ہے (ادبیات) -
ش ۷ الف : نہیں اے سنگدل مٹتی (قلمی) -

غ ۱۲ (پشت نورانی پہ مہر) ۱۱ رضا ، پٹیالہ -

غ ۱۳ (زمیں کے پردے پر) ۱۰ رضا ، پٹیالہ۔
شعر ۱ تا ۸ و ۹ و ۱۰ سخن ، انتخاب ۔

غ ۱۴ (سمند آتش پر) ۱۴ رضا ، ۹ سخن۔
(شعر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ سخن نہیں)۔

غ ۱۵ (سمند آتش پر) ۱۴ پٹیالہ ۔ ۸ سخن ، انتخاب ۔
(نمبر ۵ و ۶ تا ۷ و ۸ و ۹ سخن ، انتخاب نہیں)۔

غ ۱۶ (زیر پا بالائے سر) ۱۱ پٹیالہ ، انتخاب ۔ ۱۰ سخن (نمبر ۲ سخن نہیں)۔

غ ۱۷ (بت عیار کے سر پر) ۱۸ ، ۱۶ پٹیالہ ۔ ۱۱ سخن ۔
(ش ۹ پٹیالہ ۔ نمبر ۳ و ۴ و ۵ و ۹ و ۷ و ۸ سخن نہیں)۔

غ ۱۸ (پھر لائی بہار) ۹ رضا ۔

غ ۱۹ (نمودار تار تار) ۲۰ سخن ۔

غ ۲۰ (زلف پیچاں چھوڑ کر) ۹ پٹیالہ ۔ ۸ رضا (نمبر ۸ رضا نہیں)۔
شعر ۷ سخن ، انتخاب ۔

غ ۲۱ (لب جاں بخش جاناں چھوڑ کر) ۱۲ رضا ، پٹیالہ ۔
شعر ۱ و ۹ سخن ، انتخاب ۔
ش ۴ الف : تیرے تیروں کا (پٹیالہ)۔

غ ۲۲ (خط ریحاں کی تحریر) ۹ رضا ، پٹیالہ ۔

شعر ۱ و ۷ و ۸ سخن ، انتخاب ۔ نمبر ۲ دواوین ۔
ش ۱ الف : رخ پر ترے خط سے عجب شانِ تحریر (رضا) ۔
ش ۱ الف : رخ پر نہیں اس رشک گلستان کی تحریر ۔ (سخن ، انتخاب) ۔

غ ۲۳ (سوال دیگر جواب دیگر) ۹ رضا ، پٹیالہ ۔
(شعر ۴ و ۵ و ۶ سخن ، انتخاب) ۔
ش ۳ الف : وہ آئینہ رو تو عیب چین ہے (رضا) ۔

غ ۲۴ (جوں لٹ ہے بانس پر) ۱۱ رضا ، پٹیالہ ۔ ۷ سخن ، انتخاب ۔
(شعر ۲ و ۳ و ۴ و ۵ سخن ، انتخاب نہیں) ۔
ش ۱ الف : ہوتی کبھی نہ چت ہے لہ لو پٹ ہے بانس پر (پٹیالہ) ۔
ش ۹ ب : بیتی کیا دکھاتی مراوٹ (انتخاب سہو) ۔
ش ۱۱ الف : غنچہ ہے نوک شاخ پہ گلشن میں اے نصیر (پٹیالہ) ۔

غ ۲۵ (ایک ترکش کے بہں تیر) ۹ رضا ، پٹیالہ ۔

غ ۲۶ (کل کی بات پر) ۶ رضا ، پٹیالہ ۔ ۴ سخن ، انتخاب ۔
(ش ۲ و ۳ سخن ، انتخاب نہیں) ۔
ش ۳ الف : بدمستی میں آہ (پٹیالہ) ۔

غ ۲۷ (خنجر ٹوٹ کر) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔
ش ۳ الف : سولگھتا پھرتا ہے یوں اوپر زمین کے (آصفیہ) ۔

غ ۲۸ (اے یار نظر) ۱۳ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۱۲ پٹیالہ (نمبر ۹ نہیں) ۔
شعر ۱ و ۲ و ۳ ادبیات ، قلمی ۔ نمبر ۴ شعرا ۔
ش ۵ الف : یوں رخ کو ترے (پٹیالہ) ۔

ش ۱۳ الف : دل کا کیا کھوج ملے کاکل جاناں میں نصیر(پٹیالہ) -

غ ۲۹ (چشم یار پر) ۱۱ سخن -

شعر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ رضا ، پٹیالہ -

غ ۳۰ (لب دل دار پر) ۱۰ رضا - ۹ پٹیالہ[1] - ۷ نہیں -

شعر ۱ و ۸ و ۱۱ و ۱۲ سخن -

ش ۱ الف : خط نہیں پشت لب دلدار گل رخسار پر (پٹیالہ) -

ش ۲ ب : پھینک منتر پڑھ کے پہلے ماش روئے یار پر (پٹیالہ) -

ش ۷ الف : فیض کا ہونا بھی آتش سر کا باعث ہی نہیں - کذا (رضا) -

(یہ شعر آتش کا ہے اور سہواً رضا میں نقل ہوا ہے) -

ش ۷ الف : سرکشوں کو خاک میں دے ہے سیہ بختی ملا (سخن) -

غ ۳۱ (رخ زیبا سے ہو کیوں کر) ۲۰ سخن -

غ ۳۲ (بت بے پیر چھاتی پر) ۳۳ سخن -

غ ۳۳ (بھنور سے تلوار) ۱۹ ، ۱۸ پٹیالہ - ۱۷ رضا - ۱۵ سخن -

۱۲ دواوین ، نازنیناں -

شعر ۱۰ پٹیالہ - نمبر ۱۷ و ۱۹ رضا - نمبر ۱ و ۳ و ۴ و ۱۹ سخن -

شعر ۱ و ۲ و ۵ و ۶ و ۹ و ۱۸ و ۱۹ دواوین ، نازنیناں نہیں) -

ش ۸ الف : کیا بادہ کش کا باعث (نازنیناں سہو) -

---

۱ - یہ غزل پٹیالہ میں دو بار نقل ہوئی ہے اور اس میں بعض مصرعے بالکل بدل گئے ہیں اور بعض بعض شعر نئے ہیں -

ش ۱۲ ب : قطرۂ خون کو ستم گر (دواوین ، نازلیناں) ۔
ش ۱۳ الف : دم چرانے کا گماں ہے یہ (دواوین ، نازلیناں) ۔

غ ۴۴ (ادھر سے تلوار) ۱۳ پٹیالہ ، سخن ۔ ۱۲ رضا (نمبر ۱۲ رضا نہیں) ۔
ش ۲ و ۳ و ۴ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۳ انتخاب ۔ نمبر ۹ ، ۱۳ شعرا ۔
ش ۳ ب : جی یار کے مر جانے سرے ۔ (رضا سہو) ۔

غ ۴۵ (ھلال چار) ۱۱ سخن ۔ ۱۰ رضا ، پٹیالہ ، انتخاب (نمبر ۵ نہیں) ۔
شعر ۳ شعرا : نمبر ۸ ابن طوفان ۔
ش ۶ الف : قاتل کی میرے تیغ الٹ کر جو گر پڑے (رضا ، پٹیالہ) ۔
ش ۸ ب : دیتا تجھے فلک جو کبھو (انتخاب) ۔
ش ۱۰ ب : موج مسلسل و لب ساغر ھلال چار (انتخاب) ۔

غ ۴۶ (میکش نے جیحوں پر) ۹ آصفیہ ، رضا ۔ ۸ سخن (نمبر ۲ و ۳ و ۴ نہیں) ۔
شعر ۱ و ۲ و ۳ ادبیات ، قلمی ۔ نمبر ۱ نغز ، ذکا ، دواوین ، منتخبہ ، خزینہ ، ابن طوفان ۔ نمبر ۱ ، ۸ شعرا ۔
ش ۱ الف : چرائی چادر مہتاب کو جو شب نے جیحوں پر ۔ (ابن طوفان سہو) ۔
ش ۸ الف : کونے ہیں یہ زنجیریں (سخن سہو) ۔
ش ۱۰ ب : برائے شہسواری (سخن) ۔

غ ۴۷ (آسماں کی سیر) ۱۰ آصفیہ[1] ، رضا ، سخن ۔

---

۱ ۔ مطلع میں مصرع ثانی کا کچھ حصہ آصفیہ میں کتابت سے رہ گیا ہے ۔

ش ۲ ب : مژہ سے کاٹ ہے کھیل کا ار (کذا) (آصفیہ ، سخن) ۔
ش ۲ الف : لیے چلیں نہ کیوں یہ اشک (آصفیہ) ۔
ش ۸ الف : نہیں شریک ہیں سرخ (رضا) ۔

غ ۳۸ (تصویر لگا کر) ۴۱ آصفیہ[1] ، رضا ، سخن ۔ ۱۱ پٹیالہ ۔
(ش ۸ و ۱۰ و ۱۱ نہیں) ۔

غ ۳۹ (ملت کھیل جان پر) ۔ ۱ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔ ۷ ادبیات ، قلمی ۔
(ش ۵ نہیں) شعر ۱ ، ۲ شعرا ۔
ش ۱ الف : اس شعلہ خو ۔ (شعرا) ۔
ش ۱ ب : حرف شکایت زبان پر (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۲ الف : لگایا ہے سان پر (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۲ الف : اوسان کیا رہیں کہ بنی اب تو (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۴۰ (بالائے گوش آیا نظر) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔
شعر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ ادبیات ، قلمی ۔
ش ۲ ب : پردہ کوش آیا نظر (ادبیات سہو) ۔
ش ۳ ب : پھر سبزی فروش آیا نظر (ادبیات قلمی) ۔
ش ۴ الف : جلوہ گر وہ رشک مہہ (ادبیات قلمی) ۔
ش ۹ الف : گل نہیں هیہات کچھ ساغر بکف (رضا) ۔

غ ۴۱ (توڑے پتھر) ۷ رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔
شعر نمبر ۱ و ۵ و ۷ انتخاب ۔ نمبر ۱ و ۷ ادبیات ، قلمی ۔

---

۱ ۔ شعر نمبر ۱۲ ، ۱۳ کا کچھ حصہ آصفیہ میں کتابت سے رہ گیا ہے ۔

ش ۲ الف : وحشت سے مجھلے (رضا) ۔
ش ۶ الف : کیوں نہیں در پے تکلیف (سخن) ۔
ش ۷ الف : کہ چلنے سے نصیر (سخن) ۔

غ ۴۲ (ہے درنگ سینے پر) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

غ ۴۳ (کیا زبان پر) ۱۰ آصفیہ ، سخن ۔ ۹ رضا ، ادبیات ، قلمی ۔
(ش ۵ رضا ۔ نمبر ۶ ادبیات قلمی نہیں) ۔
ش ۵ الف : ہر کام پر تو وہ (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۹ ب : تھا کہکشاں کی شب (سخن) ۔

غ ۴۴ (دیدۂ تر سے باہر) ۷ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔
شعر ۱ و ۳ ادبیات قلمی ۔
ش ۱ الف : موج اشک کیوں نہ ہو اب (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۳ الف : ابھرے ہیں حباب (ادبیات قلمی) ۔
ش ۳ الف : ابھرے ہیں حباب (پٹیالہ) ۔
ش ۳ ب : دم میں ہو جائیں گے سر سے باہر (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۴۵ (اپنے گھر سے باہر) ۷ پٹیالہ سخن ۔ ۴ رضا (نمبر ۳ و ۴ و ۵ رضا نہیں) ۔
ش ۱ الف : زور سے نکلے ہے جگر سے باہر (ادبیات ، قلمی سہو) ۔
ش ۲ الف : ضعف سے مانند ھلال (رضا) ۔
ش ۶ الف : میں نے کیا ہے اب یہہ (رضا) ۔

غ ۴۶ (کی چھاتی پر) ۸ آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، قلمی ، سخن ۔
شعر ۱ و ۹ - انتخاب ب ۔
ش ۳ ب : دلے مونگ گیوں کر تو (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۷ ب : جو رکھ دیتا ہے بالو (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۴۷ (ابروے دل پر کی قدر) ۱۳ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

غ ۴۸ (ترے تیر کے پر) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ، ادبیات ، قلمی ۔
ش ۱ ب : هر اک مرغ و عصافیر کے پر (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۹ الف : خاک سرسبز هو نقاش یہ اوس خط کے حضور (ادبیات ، قلمی)

غ ۴۹ (زلف گرہ گیر کے پر) ۱۲ آصفیہ ، رضا ، سخن[2] ، ادبیات ، قلمی ۔
ش ۱ ب : هم نے نہیں دیکھے ہیں (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۳ ب : ترے کھیت کی شمشیر کے پر (ادبیات ، قلمی سہو) ۔
ش ۵ الف : فارغ البال نہ مرکر تو بلبل نہ ہوئی (ادبیات ، قلمی سہو) ۔
ش ۵ الف : نہ مر کر یہ ہوئی اے بلبل (آصفیہ) ۔
ش ۷ ب : لگے ایسے نہیں سرمہ کی ہیں (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۹ ب : مرغ زریں کے نکالے ہیں (آصفیہ سہو) ۔
ش ۱۱ ب : پر پرواز نہیں (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۵۰ (دل ہمارا کھینچ گر) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ۔ ۱۰ سخن (نمبر ۶ سخن نہیں) ۔

---

۱ ۔ ادبیات اور قلمی میں شعر نمبر ۱۱ دوسری غزل میں شامل ہے ۔
۲ ۔ آصفیہ و سخن میں شعر نمبر ۶ کا مصرع اولیٰ کتابت سے رہ گیا ہے ۔

غ ۵۱ (اے گم راہ کر) ۱۰، ۹ آصفیہ، رضا، پٹیالہ، سخن (نمبر ۴ نہیں)
ش ۴ و ۱۰ ذکا، نمبر ۱۰ شعرا۔
ش ۶ الف : گر نہ یہاں ہو تو پھر الدھیر ہو (سخن)۔

غ ۵۲ (تری ہم آنکھوں پر) ۷ آصفیہ، رضا، پٹیالہ، سخن۔ شعر نمبر ۱ و ۲
ادبیات قلمی۔
ش ۲ الف : قلم آنکھوں میں (ادبیات، قلمی سہو)۔

غ ۵۳ (دو چار پھر) ۹ آصفیہ، رضا، پٹیالہ، سخن۔
ش ۷ ب : چشم یار پھر (رضا سہو)۔
ش ۸ الف : مجھکو کیا بوجھے ہے (پٹیالہ)۔

غ ۵۴ (سب اخگر) ۱۰ رضا، سخن۔ ۹ پٹیالہ (نمبر ۷ پٹیالہ نہیں)۔
ش ۸ ب : دلا ہوتے تھے (رضا)۔
ش ۹ الف : ابھی اس بلت میں باقی (پٹیالہ)۔
ش ۱۰ الف : نظارا کر نصیر نکتہ داں چشم حقیقت سے (پٹیالہ)۔

غ ۵۵ (محو تماشا زنجیر) ۱۱ رضا۔ ۱۰ پٹیالہ، آصفیہ، سخن۔ نمبر ۵ پٹیالہ۔
نمبر ۳ سخن آصفیہ نہیں)۔
شعر ۱ و ۴ و ۵ ذکا — نمبر ۲ و ۶ و ۸ و ۱۱ انتخاب۔
ش ۱ الف : ترے مجنوں کی ہے کیا (پٹیالہ)۔
ش ۱ الف : کس دوانے کی ہوئی (ذکا)۔
ش ۵ ب : ہر رگ خارا زنجیر (پٹیالہ سہو)۔
ش ۸ الف : میں تو وحشی نہیں تو (پٹیالہ، انتخاب)۔
ش ۸ الف : باد عبث پڑتی ہے (آصفیہ سہو)۔
ش ۹ الف : نگہہ میں میرا (آصفیہ، سخن سہو)۔

غ ۵۶ (رضائی سر پر) - ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، ادبیات ، قلمی - ۸ سخن (نمبر ۳ سخن نہیں) -

ش ۱ ذکا ، نغز ، دواوین ، خزینہ ، شعرا -
ش ۱ الف : نہیں اودی تری بسمہ کی رضائی[1] سر پر (ادبیات ، قلمی) -
ش ۱ ب : مہ جبیں رات یہ تارے بھی (ادبیات ، قلمی) -
ش ۲ الف : تا بفلک دھوم رہی (ادبیات ، قلمی) -
ش ۴ ب : کرے کیوں نہ ہوائی سر پر (آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ) -
ش ۵ ب : اک بلا مبرے سر شام یہ لائی سر پر (سخن) -
ش ۹ الف : پیچ و تاب اس کو (ادبیات ، قامی سہو) -

غ ۵۷ (دلگیر سے دلگیں) ۱۱ رضا - ۱۰ پٹیالہ ، سخن (نمبر ۹ سخن نہیں) -

شعر ۱ ، ۴ ، ۱۰ ، ۱۱ انتخاب -
ش ۱ الف : ہنستی نہیں دیکھی (سخن) -
ش ۲ ب : بنتا ہے جس تیرہ بھی اکسیر سے اکسیر[2] (پٹیالہ) -
ش ۴ الف : تاج زر آلودہ (رضا) -
ش ۶ الف : اوس کے خط رخ سے (پٹیالہ) -
ش ۹ الف : تقدیر موافق نہ ہو تدبیر سے جب تک (رضا) -

غ ۵۸ (گل اندام قفس پر) ۱۰ سخن - ۹ رضا ، پٹیالہ (نمبر ۵ نہیں) -
شعر ۱ ، ۲ ، ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۱۰ انتخاب -
ش ۴ الف : کر مرغ گرفتار (سخن) -

غ ۶۷ (گور غریبان سمجھ کر) ۱۳ رضا -

---

۱ - نغز میں رضائی کو رزائی لکھا گیا ہے -
۲ - پٹیالہ میں 'اکثیر سے اکسیر' لکھا ہے -

غ ۶۸ (نادان سمجھ کر) ۱۱ رضا ۔

غ ۶۹ (لہ پیچ کھا زلجیر) ۸ رضا ۔

غ ۷۰ (کالے کی لہر) ۹ رضا ۔

غ ۷۱ (لگا لگا کر) ۱۱ رضا ۔

غ ۷۲ (ہوا گیر اسیر) ۹ رضا ۔

غ ۷۳ (سر اٹھانے پر) ۱۱ رضا ، پٹیالہ—۱۰ سخن (نمبر ۲ سخن نہیں) ۔
ش ۲ ب : انار سرخ کے جیکا زبان (رضا سہو) ۔
ش ۷ ب : گر وہ آ جائے کشش دل کی (رضا ، پٹیالہ) ۔

غ ۷۴ (دلِ زار سر بمہر) ۸ آصفیہ ، رضا—۷ سخن (نمبر ۲ سخن نہیں) ۔
ش ۳ ب : شکل سبو—(شعرا) ۔
ش ۴ ب : بخت غنچہ پہ گلزار سر بہ بمہر (آصفیہ ، رضا) ۔

ردیف ڑ

غ ۱ (تار نہ چھیڑ) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔ نمبر ۱ ، ۲ ، ۵ ، ۱۰ انتخاب ۔

ش ۹ الف : ساتھ ہے سر کے یہ سر واے زلف (پٹیالہ سہو) ۔

غ ۲ (زلف معنبر سے بھی مت لوٹ) ۱۴ سخن ۔

ردیف ز

غ ۱ (گرفتار قفس کی پرواز) ۱۶ رضا ، پٹیالہ — ۱۳ سخن ۔ (نمبر ۳ ، ۴ ، ۵ نہیں) ۔ شعر نمبر ۲ ، ۳ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۹ تا ۱۳ انتخاب ۔

ش ۲ الف : چھوڑ کر دیکھ لہ دور (انتخاب سہو) ۔

ش ۱۰ الف : گو تری مٹھی میں رہا (انتخاب) ۔

گو ہے تری مٹھی میں (پٹیالہ) ۔

ش ۱۰ ب : پر نگارا نہیں اس کی لرے بس کی پرواز (انتخاب) ۔

ش ۱۲ الف : طفل دہقاں یہ تری سنگ فلاخن کا ہے خوف (انتخاب) ۔

ش ۱۳ ب : دیکھ کر محمل لیلٰی کے کلس کی پرواز (پٹیالہ ۔ انتخاب) ۔

غ ۲ (بادل ہے سرخ و سبز) ۱۳ رضا ، انتخاب ۔ ۱۲ دواوین ۔ ۱۰ سخن ۔ (نمبر ۸ دواوین ۔ نمبر ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ سخن نہیں) ۔

ش ۵ الف : ترے ھیرے سے کان کے (سخن) ۔

ش ۹ ب : یہ تری ہیکل ہے سرخ و سبز (سخن) ۔

غ ۳ (زلف سیہ حور دراز) ۱۱ آصفیہ[1] ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔

---

۱ ۔ آصفیہ میں اس غزل کا مقطع وہ ہے جو غزل نمبر ۵ میں آیا ہے ۔

ش ۱ ، ۳ ، ۴ انتخاب ۔ نمبر ۳ شعرا ۔
ش ۵ ب : ہو کے وہ مجبور (رضا ، پٹیالہ) ۔
ش ۸ الف : خیال گردن (پٹیالہ) ۔
خیال گل (رضا سہو) ۔

غ ۴ (زلف بتِ مغرور دراز) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔
ش ۱ ، ۲ ذکا ۔ نمبر ۱ قلمی ، ادبیات ۔
ش ۵ الف : "غفلت سے" پر صاد بنا کر حاشیہ میں 'خجلت' بنایا گیا ہے — (رضا) ۔

غ ۵ (اے بتِ مغرور دراز) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔
ش ۱ ، ۲ ، ۴ ، ۱۱ ذکا ۔ ش ۱ قلمی ، ادبیات ۔ نمبر ۴ ، ۱۱ انتخاب ۔
ش ۲ ب : تاک کی چھاؤں میں ہے اب (ذکا) ۔
ش ۴ الف : اے مسیحائے زمان (ذکا ، پٹیالہ) ۔
ش ۷ الف : ترے مژگاں کی لڑی (پٹیالہ ، سخن) ۔
ش ۱۱ الف : وادیِ الفت میں نصیر (ذکا) ۔

غ ۶ (برشگال سبز) ۱۱ آصفیہ ، رضا ۔ ۱۰ پٹیالہ ، سخن (۱۰ پٹیالہ ، سخن نہیں) ۔ ش ۱ ، ۶ ، ۷ ، ۱۰ ادبیات ، قلمی ۔
ش ۱ ب : شمع کا اک ہے نہال سبز (آصفیہ) ۔
ش ۷ الف : شاخ خمیدہ ہے نہ تہہ برگ گل (ادبیات ، پٹیالہ) ۔

غ ۷ (خط ہے یار سبز) ۴ رضا ، پٹیالہ ۔ ۱۱ سخن (نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ نہیں) ۔
ش ۱ الف : رخ پر یہ ہے سبب (سخن) ۔

غ ۸ (لخت جگر کا امتیاز) ۴ رضا - ۳ سخن (نمبر ۳ نہیں) -
ش ۲ الف : دیدگاہ عشق (سخن سہو) -

غ ۹ (نہ زر روز) ۵ رضا ، سخن -
ش ۱ الف : دولت ہے (سخن) -
ش ۳ الف : اس چرخ سے (رضا) -
ش ۴ الف : برسانے ہیں یاں (سخن) -
ش ۵ ب : کر سیر بدن کی سی جو ہے (رضا) -

غ ۱۰ (مست غرور چیز) ۱۰ رضا ، پٹیالہ ، سخن -
ش ۳ الف : ہم دل میں دیکھتے ہیں تجلی حق کو حق (رضا ، سخن سہو) -

---

غ ۱۱ (ترے رشک ماہ سبز) ۷ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ -
ش ۱ ب : ڈاک واہ سبز (آصفیہ سہو) -
ش ۲ الف : حاصل ہے تجھ کو بارش گریہ (رضا سہو) -
حاصل کچھ ایسی بارش گریہ سے (سخن) -
حاصل اس آب بارش گریہ (آصفیہ) -
ش ۴ الف : اس عکس رخ سے کیوں نہ ہو (پٹیالہ سہو) -
ش ۴ ب : لگتا ہے یعنی آب دل آویز (سخن سہو) -

غ ۱۲ (وہی ہے بپا ہنوز) ۴ رضا ، سخن -
ش ۱ ب : نہ آس سے (سخن) -
ش ۳ الف : کاٹے شیخ جی (سخن) -

غ ۱۳ (رشک قمر آخر روز) ۱۱ رضا ۔ ۱۰ سخن (نمبر ۱۰ سخن نہیں) ۔

غ ۱۴ (کبوتر ہے گرہ باز) ۶ رضا ۔ شعر ۱ ادبیات ، قلمی ۔

ردیف س

غ ۱ (بچہٗ یک سالہٗ طاؤس) ۸ رضا ۔ ۴ سخن ، انتخاب ۔ (۵ تا ۸ سخن انتخاب نہیں) ۔

غ ۲ (جلوہٗ داغِ پرِ طاؤس) ۷ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔
نمبر ۱ ادبیات ، قلمی ۔
ش ۵ ب : تو دیکھ تو زاغ پر طاؤس (آصفیہ) ۔
ش ۶ الف : ارم کی (کذا) آصفیہ) ۔
ش ۶ ب : یہ باغ پر طاؤس (آصفیہ) ۔

غ ۳ (باغ میں بہار افسوس) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۸ پٹیالہ (نمبر ۳ پٹیالہ نہیں) ش ۱ شعرا ۔

غ ۴ (یار کیا نرگس) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔
ش ۶ الف : مہ و مہر کے بھی یہ جوڑا[۱] (آصفیہ) ۔
،، : کے بھی جوڑا زور (پٹیالہ) ۔

---

۱ ۔ سخن میں بھی جوڑا ہی لکھا ہے ۔

۷ الف : رکھیے ہے بوقلموں ۔ (پٹیالہ)۔

غ ۵ (نہیں قمری اداس) ۹ رضا ، سخن ۔ ۸ پٹیالہ (۷ نہیں) ۔

ش ۲ الف : چشم مست یار (سخن) ۔
ایضاً : دیوانہ کیا (پٹیالہ) ۔

ش ۲ ب : اٹھ چلا ساقی (سخن) ۔
ش ۳ الف : مو برابر ہے نہ فرق (سخن) ۔
ش ۵ الف : مرغ جاں تن سے چھٹتا ہے آشیاں سونا پڑا (پٹیالہ) ۔
ش ۶ الف : دیکا طاؤس کا تجھ بن (رضا) ۔

غ ۶ (گلوگیر و قفس) ۷ رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔

ش ۴ ب : ہاتھ رکھ دو ذرا صیاد (رضا سہو) ۔

غ ۷ (رشکِ نگینِ الماس) ۵ رضا (حاشیہ) ، پٹیالہ ، انتخاب ، سخن ۔

غ ۸ (ترے گھر کے آس پاس) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، قلمی[1] ، سخن ۔

ش ۳ ، ۴ ، ۶ ، ۷ ، ۹ ، ۱۰ انتخاب ۔
ش ۳ الف : جوں بھٹکے شب کو (رضا) ۔
ش ۴ الف : مفت کٹئے شمع سر ترا (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۱۱ الف: غزل اور اسے نصیر (آصفیہ) ۔

غ ۹ (مرے دلبر کے آس پاس) ۸ آصفیہ ، رضا ، ادبیات[2] ، قلمی ۔

---

۱ ۔ ش ۳ ادبیات اور قلمی میں دوسری غزل میں شامل ہے ۔
۲ ۔ انتخاب ، ادبیات میں تعداد ۹ ہے اور نمبر ۲ پہلی غزل سے شامل کیا گیا ہے ۔

نمبر ۱ ذکا۔ نمبر ۱ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ انتخاب۔
ش ۱ الف : شیشے دھرے وہاں (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۲ ب : برپا ہے گردباد (آصفیہ ، رضا سہو) ۔
ش ۳ الف : جوں بھنور (سخن) ۔
ش ۴ ب : بیٹھے ہیں مل کے مست (رضا ، سخن) ۔
ش ۵ الف : تو بھی تو دیکھ آگے (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۸ الف : صفحۂ گیتی پہ اے نصیر (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۱۰ (کان کے بالے کے پاس) ۶ رضا ۔

غ ۱۱ (کر کے افسوس) ۷ رضا ۔

ردیف ش

غ ۱ (سیم بر آتش) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، قلمی ، ادبیات ، سخن ۔
ش ۱ الف : رخ دیکھ ترا دیکھے تجھے (ادبیات ، قلمی سہو) ۔
ش ۲ الف : ہے چشم میں رہ آپ کی (ادبیات ، قلمی سہو) ۔
ش ۷ ب : یہ دیکھیے ہے عشق کی ہم کو اثر (آصفیہ سہو) ۔
ش ۹ الف : ہر اشک میں ہے دیکھ (آصفیہ) ۔
" : ہر ذرہ میں ہے دیکھ (پٹیالہ) ۔
" : دیکھ کے کیا (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۹ ب : کچھ طور ہی پہ ہے نہ فقط جلوہ گر (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۲ (آب کی گردش) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔ ۹ ادبیات ، قلمی ۔ (نمبر ۲ ، ۵ ، ۹ نہیں) ۔ شعر ۱ شعرا ۔

ش ۲ ب : بھرنے سے ہو دولاب کی گردش (پٹیالہ) ۔

ش ۳ الف : پھر آتا ہے ساقی (آصفیہ ، پٹیالہ) ۔

" " : اے ساقی (ادبیات ، قلمی) ۔

" ۵ ب : لیے پھرتی ہے اسباب کی گردش (پٹیالہ) ۔

" ۶ الف : مسی زیب کے ہووے (قلمی) ۔

" " : مسی زیب کے ہو کے (ادبیات) ۔

غ ۳ (آزار آتش) ۱۲ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔

ش ۷ الف : ترا داغوں کی سوزش کا (آصفیہ ، رضا سہو) ۔

ش ۹ ب : خانہ دل میں لگے ہے مری انبار (آصفیہ سہو) ۔

غ ۴ (دل دلگیر کو جنبش) ۷ آصفیہ[1] ، رضا ، سخن ۔ نمبر ۱ ، ۲ ، ۵ ، انتخاب ۔ نمبر ۵ شعرا ۔

ش ۳ الف : ہے تیر ہوائی (آصفیہ) ۔

ش ۶ ب : مجنوں کے تجسس میں رہے (آصفیہ سہو) ۔

---

۱ ۔ آصفیہ میں مقطع سے پہلے دو شعروں کی جگہ چھوڑی گئی ہے جس سے خیال ہوتا ہے کہ کاتب بیاض کی نظر میں یہ غزل نو شعر پر مشتمل ہے ۔ اس سے ذہن اس طرف بھی منتقل ہوتا ہے کہ مرتب بیاض ، نصیر کے کلام سے واقف ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ ان کا شاگرد ہو ۔ اس غزل کا خط بھی بدلا ہوا ہے ۔

ش ۷ ب : دن رات ہے سپہر فلک پیر کو (آصفیہ) ۔

غ ۵ (زیر قدم گردش) ۔ ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔ ۹ ادبیات ، قلمی ،

ش ۱ الف : رکھوں نہ کیوں کر سر کو (رضا ، پٹیالہ ، سخن ، ادبیات ، قلمی) ۔

ش ۳ الف : جو آنے سے اب آہ کٹے ہیں اشک (ادبیات ، قلمی سہو) ۔

ش ۳ ب : ویسے ہی اے چشم نم (پٹیالہ) ۔

ش ۵ ب : خط پشت لعل لب پہ تو (ادبیات ، قلمی) ۔

ش ۷ الف : ہردم غرض ہمیں نئے قلیاں سے کام ہے (رضا) ۔

ش ۹ الف : ابروے دل دار رکھ ذرا (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۶ (آثار خوش) ۹ رضا ، سخن ۔ ۸ پٹیالہ (۳ نہیں) ۔

ش ۳ ب : پہن کر آثار خوش (سخن سہو) ۔

ش ۵ الف : طفل اشک بھہ (رضا) ۔

ش ۶ ب : سمند ناز کے آثار خوش (سخن سہو) ۔

غ ۷ (تن میں آتش) ۵ رضا ، ادبیات ، قلمی ۔

ردیف ص

غ ۱ (ہووے کیا اخلاص) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔ نمبر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ انتخاب ۔

ش ۹ ب : کہ وہ پاتا ہے اب جلا (آصفیہ) ۔

غ ۲ (جو سر اٹھائے حرص) ۸ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۷ پٹیالہ (۳ نہیں) ۔ نمبر ۱ ، ۲ ، ادبیات ، قلمی ۔ ۲ ، ۴ شعرا ۔

ش ۱ الف : گر سر اٹھائے حرص (قلمی ، ادبیات) ۔

ش ۲ ب : کبھی آشنائے حرص (سخن) ۔

ش ۴ الف : دانا تلاش دانا (پٹیالہ) ۔

ش ۵ ب : تا شام صبح سے نہ پھر آئے بلائے (آصفیہ) ۔

ش ۷ الف : لب بھر رو نہ کھول (سخن سہو) ۔

غ ۳ (بے تابانہ رقص) ۹ ادبیات ، قلمی ۔ ۸ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔ (نمبر ۲ نہیں) ۔

ش ۴ الف : ڈھیر پر تیرے شہید ناز کے (ادبیات) ۔

ش ۴ الف : شہیدوں کے (قلمی) ۔

ش ۸ الف : کیا بتوں کی صورتیں (سخن) ۔

غ ۴ (دمِ شمشیر مرخّص) ۸ رضا ، سخن ۔

ش ۱ ب : جوں شمع حرم ہو (سخن) ۔

ش ۲ ب : ہے موسم گل ، کر ہمیں (سخن) ۔

ش ۳ ب : کوئی دم کو ہے (رضا) ۔

ردیف ض

غ ۱ (سب کی غرض) ۱۱ رضا ، پٹیالہ ۔

غ ۲ (عرق فشاں عارض) ۱۲ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ - ۱۱ سخن (ش ۴ (سخن نہیں) - شعر ۲ ، ۷ شعرا - ۹ ادبیات ، قلمی - (نمبر ۴ سخن - نمبر ۱ ، ۸ ، ۹ ادبیات ، قلمی نہیں) -
ش ۱ ب : لاوینگے یہ طوفان (پٹیالہ) -
ش ۵ الف : اس رشک چمن کو دیکھوں (ادبیات ، قلمی سہو) -
ش ۷ ب : ترے ہیں نمایاں (سخن) -
ش ۹ ب : اسے دیکھے ہیں (آصفیہ سہو) -

ردیف ط

غ ۱ (اے دل دلگیر شرط) ۸ آصفیہ[1] ، رضا ، پٹیالہ ، ادبیات ، قلمی ، سخن -
ش ۱ ب : یہ ہے اب کھینچنی (سخن) -

غ ۲ (روے حسیں پہ خط) ۱۱ رضا ، پٹیالہ - ۱۰ سخن (نمبر ۹ نہیں) -
ش ۷ الف : پیک صبا اب کے تیرے ہاتھ (پٹیالہ) -

غ ۳ (دیواں بے نقط) ۹ پٹیالہ ، ادبیات ، قلمی ، سخن[2] - ۸ انتخاب (نمبر ۷ نہیں) -
ش ۲ الف : اس صفحہ آئنہ اوپر (ادبیات ، قلمی ، پٹیالہ سہو) -

---

۱ - آصفیہ میں مصرع ثانی میں ”تصویر“ کا لفظ کاٹ کر ’شمشیر‘ بنایا گیا -
۲ - دو شعر مطبوعہ میں مکرر ہیں -

غ ۴ (جاں کی احتیاط) ۶ رضا ، سخن ۔

غ ۵ (بس شمع نمط) ۱۶ ، ۱۴ رضا ، دواوین ۔ ۱۳ پٹیالہ ۔ ۹ سخن ، انتخاب ۔ (نمبر ۲ ، ۱۰ رضا ، دواوین ۔ نمبر ۶ ، ۹ پٹیالہ ۔ نمبر ۲ ، ۵ تا ۱۰ سخن ، انتخاب نہیں) ۔

ش ۱ ب : دست اور پا کی جلیں (پٹیالہ) ۔

ش ۱۴ الف : رہ ملک عدم کو دیکھو ۔

ردیف ظ

غ ۱ (وہ غارت گر ، خدا حافظ) ۱۰ آصفیہ[۱] ۔ ۷ رضا ، پٹیالہ ، ادبیات ، قلمی ، سخن ۔

ش ۱ ب : ہوا پھر ایک ہے ہنگامۂ محشر (ادبیات) ۔

ش ۲ الف : خورشید کا ہوگا (آصفیہ سہو) ۔

ش ۳ الف : جگر دے کر (ادبیات ، قلمی سہو) ۔

ش ۵ الف : دل کو اندیشہ (سخن) ۔

ش ۶ الف : حلقے میں تھل بیڑا (رضا ، پٹیالہ ، ادبیات ، قلمی ، سخن) ۔

ش ۱۰ الف : اس دل پہ بیٹھا ہے (قلمی) ۔

ایضاً : اب دل میں رہتا ہے (سخن) ۔

---

۱ ۔ آصفیہ میں تیسرے اور چوتھے شعر کے مصرع ہائے ثانی کی جگہ بدلی ہوئی ہے ۔

ردیف ع

غ ۱ (اشک کے قطرات شروع) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ - ۸ سخن (نمبر ۸ سخن نہیں) -

ش ۱ الف : آہ کے ساتھ ہوا موسم برسات شروع (آصفیہ ابتدائی) -
ش ۲ الف : گل کے لگے یہ پھول (سخن) -
ش ۴ ب : فکر ساغر نہ کریں (پٹیالہ سہو) -
ش ۵ ب : ہاتھ سے تیرے لگاوٹ جو کی پیہات شروع (آصفیہ) -
ش ۶ ب : یہ نہیں ہے سیرِ ظلمات (سخن) -
ش ۷ الف : آج ہے چاند کہیں (آصفیہ سہو) -

غ ۲ (سرِ پندار شمع) ۷ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن -

ش ۵ ب : مو بہ مو رکھیے (ہے) جستے گرمی بازار (آصفیہ) -
ش ۷ الف : یہ چراغِ گور (آصفیہ ابتدائی قلمزد) -

غ ۳ (توقیرِ پائے شمع) ۱۱ رضا ، پٹیالہ - ۸ سخن ، انتخاب - (نمبر ۳ ، ۴ سخن انتخاب نہیں) -

---

غ ۴ (اشکبار شمع) ۸ رضا -

- اس غزل کے چوتھے اور پانچویں شعر پر حاشیہ نگار نے نوٹ دیا ہے : "دریافت طلب" اور "دریافت" علی الترتیب -

غ ۵ (رونق پیشانی شمع) ۱۱ رضا ۔

غ ۶ (محفل سے نور شمع) ۱۰ رضا ۔

ردیف غ

غ ۱ (دو شمع و یک چراغ) ۱۲ ، ۱۱ ، رضا ، پٹیالہ ۔ ۱۰ انتخاب ۔
۸ سخن ۔ (شعر ۲ رضا ۔ ۳ پٹیالہ ۔ ۲ ، ۳ انتخاب ۔ ۲ ، ۳ ، ۱۰ ،
۱۱ سخن نہیں) ۔

ش ۱ ب : روز یہ رکھتے ہیں (سخن سہو) ۔

ش ۵ الف : گل و غنچہ مہیا ہیں یہاں (رضا) ۔

ایضاً : گل بشگفتہ باغ دھر میں (پٹیالہ) ۔

ش ۱۱ الف : ان عاشقوں سے ہے بھری (انتخاب) ۔

غ ۲ (قدرت کا چراغ) ۱۷ سخن (نمبر ۱ تا ۹ رضا) ۔

ش ۱ الف : چرخ پر جیسا ہے یہ شب (رضا سہو) ۔

ش ۳ ب : یہ بھنور میں (سخن) ۔

ش ۹ الف : شمع کی آنکھوں پر دیکھا تو نے (رضا) ۔

غ ۳ (کاکل سپر و تیغ) ۹ آصفیہ[1] ، رضا ، سخن ، ادبیات ، قلمی ۔
(ش ۱ ، ۳ ، ۷ انتخاب) ۔

---

۱ ۔ آصفیہ میں اس غزل کے ہر شعر پر حاشیے میں صاد بنایا گیا ہے اور شعر نمبر ۳ کے سامنے دو صاد بنائے گئے ہیں ۔ اس نسخے کا قاری بہت سی غزلوں کے ساتھ ایسا کرتا رہا ہے ۔ چنانچہ اس کے صفحہ ۹۷ ، ۹۸ ، ۱۰۳ اور ۱۰۵ پر یہی صورت ملتی ہے ۔

ش ۴ ب : شکل میں ہیں مل (آصفیہ ، رضا سہو) -
ایضاً : شکل میں مایل سپر و تیغ (ادبیات ، قلمی سہو)
ش ۶ الف : آب رواں سے (آصفیہ سہو) -
ش ۶ ب : کوئی چھوڑ کے ڈوبا ہے (آصفیہ ، قلمی) -
ش ۷ ب : ہے یاں بر (سخن سہو) -
ش ۸ الف : نصیر آج یہ میدان سخن میں (آصفیہ) -
ش ۹ الف : وہ مصرع کرے طرحی (آصفیہ) -
ش ۹ ب : ہر جز سے لے تا کل (ادبیات سہو) -

غ ۴ (جان آئینے کا داغ) ۶ آصفیہ ، سخن -
ش ۳ ب : اپناہ آہ اس سینے کا داغ (آصفیہ) -
ش ۶ ب : ایک تازہ جان من تھا (سخن) -

غ ۵ (بالے کے چراغ) ۷ آصفیہ ، سخن -
ش ۲ ب : داغ دل ہی بس ہے (ابتدائی) - ("ہے" کاٹ کر "ہیں"
بنایا گیا ہے اور اس پر دو صاد بنا دئے گئے ہیں -
شعر ۴ پر حاشیہ میں صاد اور اس کے بعد آخر لکھا ہے) -

غ ۶ (فانوس و چراغ) ۵ آصفیہ ، رضا ، سخن - نمبر ۱ ذکا - نمبر ۱ ، ۲ ،
انتخاب -

غ ۷ ہنس ہنس سخن چراغ) ۹ رضا ، پٹیالہ ، سخن - ۷ قلمی ، ادبیات -
(ش ۴ ، ۵ نہیں) -

ش ۱ الف : گو تجھ سے شمع گرتی ہے (ادبیات ، قلمی) -
ش ۱ ب : لگانا گٹھن چراغ (ادبیات ، قلمی سہو) -
ش ۳ ب : شمع نمط پیرہن چراغ (پٹیالہ) -
ش ۶ الف : الدھیر ہوگیا (ادبیات ، قلمی) -

غ ۸ (گل و گلزار کا دماغ) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن -
ش ۲ الف : کہ دیکھی کبھی نہ نیند (آصفیہ سہو)

غ ۹ (اے مہوش چراغ) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن -

غ ۱۰ (یہ تن باغ) ۶ ، رضا ، سخ ن -

غ ۱۱ (کشتگانِ تیغ) ۱۰ رضا ، سخن -
ش ۹ ب : ہو موج سے لگائے ہے دریا دکان تیغ (رضا) -

غ ۱۲ (تن میں چراغ) ۷ رضا -

ردیف ف

غ ۱ (تلوار صاف) ۹ رضا ، ادبیات ، قلمی - ۸ سخن -

غ ۲ (دو چار صاف) ۸ رضا -

غ ۳ (کاکل دلدار کی طرف) ۱۳ رضا - ۱۲ سخن ، انتخاب -
ش ۹ الف : دشنام تلخ (رضا ، انتخاب) -
ش ۱۲ الف : تعمیر میکدہ تو محراب کعبہ ہے (رضا) -

غ ۴ (موئے میاں کی تعریف) ۱۲ رضا ، پٹیالہ - ۱۵ سخن ، انتخاب -
(نمبر ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ ، ۱۲ سخن انتخاب نہیں) -
ش ۱۰ ب : کروں کیا میں کہاں کی تعریف (پٹیالہ) -
ش ۱۱ ب : اپنے مجنوں کی تو کرتی ہے (پٹیالہ) -

غ ۵ (چشم پریرو کی طرف) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن - (نمبر ۲ ادبیات ، قلمی) -
ش ۲ الف : زاهدا مسجد میں تو پڑھ ایجیو جا کر نماز (آصفیہ رضا ، سخن) -
ش ۳ ب : چشم بد میں ڈال دے یا لے کے اس کو کی طرف[1] -
ش ۴ الف : در سے کب اٹھتے ہیں اپنے وہ[2] . . . مثل لگین (آصفیہ) -

---

غ ۶ (قتل پر دونوں طرف) ۱۱ آصفیہ ، رضا - ۱۰ سخن (نمبر ۹ سخن نہیں) - نمبر ۱ ، ۲ ذکا -

---

۱ - "یا لے کے" الفاظ آصفیہ کا کاتب غالباً نہیں پڑھ سکا لهذا اس نے حاشیے پر "صحت طلب" لکھا ہے -
۲ - نقطے دیا ہوا حصہ آصفیہ میں کتابت سے رہ گیا ہے -

غ ۷ (آرام سے نہیں واقف) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ (نمبر ۱ ، ۲ ذکا) ۔

ش ۷ الف : سر پہ تو ان کے کلہ گدائی کا (رضا ، سخن) ۔

ش ۹ الف : نہ خوش وصال میں نے غم پہ ہجر میں ہو نصیر (آصفیہ) ۔

ش ۹ ب : مگر تو کہنہ ایام سے . . . (رضا)

ش ۹ حاشیہ : نہ خوش وصال میں غمگین نہ ھجر میں یہ نصیر ۔
خوشی نہ وصل میں نے ہجر میں غم اس کو نصیر ۔
(آصفیہ)

غ ۸ (سحر حلقۂ زلف) ۹ رضا ، سخن ۔ ۸ ادبیات ، قلمی (نمبر ۷ نہیں) ۔
(نمبر ۲ ، ۵ تا ۸ انتخاب ۔ ۱ تا ۶ ادبیات ، قلمی) ۔

ش ۲ ب : آتش الفت میں گر جی کو ضرر (ادبیات سہو) ۔

ش ۵ الف : کوچۂ زلف میں زلگی ہے بجا خال سیاہ (قلمی) ۔

ش ۶ ب : خط پرکار کی مانند ہے ہر حلقۂ زلف (قلمی) ۔

غ ۹ (اٹھ گیا انصاف) ۹ آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، قلمی ، سخن ۔

ش ۲ الف : دل میں رکھ اپنے (ادبیات) ۔

ش ۴ الف : فلک پہ دیکھ نہ خورشید (رضا ، سخن) ۔

ش ۵ ب : کسی نے آگے نہ بھیجا (قلمی) ۔

(چھٹے اور ساتویں شعر کا قافیہ چونکہ ایک ہی ہے
اس لیے حاشیے میں لکھا گیا ہے :
"گمان آنست کہ قافیہ دیگر باشد سہواً کتابت شد ۔")

ردیف ق

غ ۱ (دکھانے کا شوق) ۹ آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، قلمی ، سخن ۔
ش ۴ ب : شکل طاؤس چمن تھا (رضا ، قلمی) ۔
ش ۶ الف : کیوں نہ رکھے دالہ تسبیح کی . . . . شیخ[1] ۔
ش ۹ الف : اس زمیں اور بھی اک لکھ غزل اب نصیر (رضا ، قلمی) ۔
ایضاً : اس زمیں میں اور (بھی)[2] ایک تو غزل لکھ اے نصیر (آصفیہ) ۔

غ ۲ (آب اور دانے کا شوق) ۸ آصفیہ ، رضا ۔
ش ۴ الف : خواہش دل آٹھ کہیں (قلمی ، ادبیات) ۔
ش ۵ ب : مجھ کو خم خانے کا شوق (آصفیہ) ۔
ش ۷ الف : پھینک دے گی لات . . . . . (قلمی) ۔
ایضاً : . . . بار کر (آصفیہ[3] ، ادبیات سہو) ۔

---

۱ ۔ چونکہ آصفیہ میں یہ مصرع مکمل نہیں ہے اس لیے حاشیے میں 'صحت' لکھا ہے ۔

۲ ۔ قوسین میں دیا ہوا لفظ مقطع میں موجود نہ تھا اس لیے حاشیے پر لکھا ہے :

"مصرع وزن سے خارج ہے" اور اصلاح کے ساتھ اسے دوبارہ مخطوطے میں لکھا گیا ہے ۔

۳ ۔ آصفیہ میں اس غزل کے مقطع کا مصرع ثانی جلد بندی میں کٹ گیا ہے اس لیے اس پر حاشیے میں "صحت طلب" لکھا گیا ہے ۔

غ ۳ (پہنے کیا آہن کے طوق) ۱۱ رضا ، انتخاب ، سخن ۔
ش ۴ الف : مت پھن منت کا تو اے رشک مہ بن ٹھن کے طوق (رضا) ۔
ایضاً : . . . . طوق نقرہ (کذا) (پٹیالہ) ۔

غ ۴ (تصویر کا ورق) ۱۴ رضا ، پٹیالہ ، انتخاب ۔ ۱۳ آصفیہ ، دواوین ، نازنیناں ۔ (نمبر ۱۰ نہیں) ۔
ش ۶ الف : قاصد سے تب کہا[1] (پٹیالہ) ۔
ش ۷ ب : احوال قیس ثانی زنجیر (آصفیہ سہو) ۔
ش ۸ الف : آج جو یہ خال رخ ترا (پٹیالہ) ۔
ش ۸ ب : دھو ڈالے آب شرم سے (پٹیالہ) ۔
ش ۱۱ الف : تم گنجفہ میں عشق کے (پٹیالہ) ۔
ش ۱۳ الف : پہچان کر بدست تمنا اٹھا لیا (رضا) ۔
ش ۱۳ الف : چھاتی پہ اپنے آہ[2] (نازنیناں) ۔

غ ۵ (دن رات کا ہے فرق) ۱۱ رضا ، سخن ، انتخاب ۔

غ ۶ (زلف دوتا میں برق) ۷ ۔ ۶ رضا (نمبر ۷ نہیں) ۔ شعر نمبر ۱ ، ۲ ، ۷ سخن ، انتخاب ۔

---

۱ ۔ پٹیالہ میں اس قطعے کے اشعار کی ترتیب بدلی ہوئی ہے ۔
۲ ۔ "نازنیناں" میں شعر ۱۲ کے مصرع ثانی میں "ایک عالم" کو "صاد کے نشان کے ساتھ "عاشق" بنایا گیا ہے ۔

غ ۷ (نگاہ میں فرق) ۱۳ سخن ۔

غ ۸ (دکھلاتی ہے برق) ۱۰ رضا ۔ ۹ سخن ۔ ۸ انتخاب ۔ (نمبر ۳ سخن ۔ نمبر ۳ ، ۷ انتخاب نہیں) ۔

ش ۶ الف : کیا جھڑتے ہیں پھول (رضا ، انتخاب) ۔

ش ۷ الف : اوڑھ مت اودا ڈوپٹہ تو لگا (رضا ، انتخاب) ۔

غ ۹ (از دیدۂ بینائے عشق) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۷ قلمی ، ادبیات ۔ (نمبر ۵ ، ۶ نہیں) ۔

ش ۱ الف : دید کر اے شوق (قلمی سہو) ۔

ش ۱ ب : دیدۂ لیلی ہے (آصفیہ سہو) ۔

ش ۳ الف : ذرۂ مہر میں[1] (ادبیات) ۔

ش ۴ ب : ہے جائے عشق (آصفیہ ، رضا ، سخن) ۔

ش ۵ الف : ہفت پائے آسمان (آصفیہ ، رضا سہو) ۔

ش ۵ ب : ہے مطالع میں جنوں کے روز و شب (آصفیہ ، رضا سہو) ۔

غ ۱۰ (ہر آب میں برق) ۹ رضا ۔

غ ۱۱ (افتخار عاشق) ۴ شعر ایک مصرع آصفیہ[2] ، رضا (نمبر ۵ مصرع سخن نہیں) ۔

---

۱ ۔ حاشیہ نگار آصفیہ نے ''ذرہ میں مہر'' کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھا ہے : ''مہر بالمناسب است'' ''ذرہ میں تاب'' ۔

۲ ۔ آخری شعر کے ساتھ حاشیے میں ''دریافت طلب'' لکھا گیا ہے ۔

ردیف ک

غ ۱ (دنبالے کی جھونک) ۹ رضا ، سخن ، انتخاب ۔ ۸ آصفیہ (مقطع نہیں) ۔

ش ۲ الف : مت چڑھا پھولوں کا پنکھا مرقد عاشق اوپر (آصفیہ) ۔

غ ۲ (پتھر کو جونک) ۲ سخن (انتخاب ب ، سخن) ۔

غ ۳ (استخواں نلک) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن[1] ۔

ش ۲ الف : کیونکر کر گیا سیر تیری مرغ نامہ بر (آصفیہ سہو) ۔

ش ۷ ب : پہنچا نہ آہ آڑ کے کبھی (سخن) ۔

غ ۴ (کج ادائی کب تلک) ۹ رضا ۔ ۸ آصفیہ ، سخن (نمبر ۷ آصفیہ ، سخن نہیں) ۔

ش ۹ ب : منہ پہ شب مہتاب کے (آصفیہ) ۔

غ ۵ (ناخدا شریک) ۱۷ رضا ، پٹیالہ ۔ ۱۶ سخن (نمبر ۲ سخن نہیں) ۔

ش ۲ ب : ہم سایہ تو سنا ہے (پٹیالہ) ۔

---

۱ ۔ رضا اور سخن میں شعر اول اور شعر سوم کے مصرع ہائے ثانی کی ترتیب بدلی ہوئی ہے ۔

'آصفیہ' میں مقطع کا پہلا مصرع یوں ہے : "وہ صید ناتواں کہ جز نردہاں نصیر" ۔ حاشیہ نگار نے "جز" کو "بجز" سے بدل کر وزن پورا کیا ہے ۔ ویسے ناتواں میں اعلانِ ن کے ساتھ بھی وزن پورا ہو جاتا ہے جس کی جانب حاشیہ نگار کا ذہن منتقل نہیں ہوا ۔

ش ۷ الف : ممکن و واجب سے ہے ولے (رضا ، سخن) ۔
ش ۸ الف : عزیزان پر دغا (پٹیالہ) ۔
ش ۱۰ ب : رہتی ہے اس کی خاک سے (رضا) ۔
ش ۱۷ ب : دل کی کشش سے کیا ہو (پٹیالہ) ۔

غ ۹ (خاک دامن تک) ۱۲ - ۱۱ آصفیہ ، رضا ، ادبیات[1] ، قلمی (نمبر ۳ آصفیہ ، رضا ۔ نمبر ۱۰ ادبیات ، قلمی نہیں) ۔

ش ۱ ب : دشت وحشت سے (ادبیات) ۔
ش ۲ الف : چمن سے کس روش (آصفیہ ، ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۶ الف : خطر کیا سوزش مہر قیامت کا (آصفیہ ، ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۷ ب : کوئی پہنچے گی اس کے (رضا ، سخن) ۔
ش ۹ ب : پہنچے اب کیا خاک (آصفیہ ، ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۱۰ ب : تو اس کی زیں کا چشمِ حلقہ[2] فتراک[3] ۔

غ ۷ کام اب تلک) ۱۵ آصفیہ ، رضا ، سخن (نمبر ۲ رضا ، ذکا) ۔
ش ۲ الف : سینے میں تھا جو دل کو رکھا (آصفیہ[3] ، رضا ، سخن) ۔
ش ۱۵ الف : اس سے گو ہے لگاوٹ (سخن سہو) ۔

---

۱ ۔ ادبیات میں شعر ۸ میں ''اتو'' کو ''عطو'' لکھا گیا ہے جو کاتب کی کم سوادی کی جانب اشارہ کرتا ہے ۔
۲ ۔ اس شعر کے سامنے حاشیہ نگارِ آصفیہ نے ''غلط'' لکھا ہے ۔
۳ ۔ آصفیہ میں اس شعر کے بالمقابل حاشیے میں لکھا ہے : ''درین ہم شاید سہو کاتب است ۔'' اور شعر نمبر ۹ پر دو صاد بنا کر ''خوب است'' لکھا گیا ہے ۔

غ ۸ (دوش تلک) ۷ پٹیالہ ۔ ۵ رضا[1] (نمبر ۶ ، ۷ رضا نہیں) ۔

غ ۹ (انجام تہِ خاک) ۱۵ رضا ۔ ۱۱ سخن (نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ سخن نہیں) ۔

ش ۱۴ ب : اے آرزوئے وصل . . . تہِ خاک[2] ۔

غ ۱۰ (دلدار سے اب تک) ۵ رضا ، ادبیات ، قلمی ۔

ش ۵ الف : لکھتا ہوں غزل اور نصیر ایک جہاں میں ۔ (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۱۱ (کہسار سے اب تک) ۹ رضا ۔ ۵ ادبیات ، قلمی ۔ (شعر ۳ ، ۴ ، ۶ ، ۷ ادبیات ، قلمی نہیں) ۔

غ ۱۲ (کیا رنگ اور نمک) ۸ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ شعر ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۵ انتخاب ۔ شعر ۱ ، ۳ ادبیات ، قلمی ۔

ش ۲ ب : ناز و ادا و غمزہ میں ہے ڈھنگ اور نمک (آصفیہ) ۔

ش ۴ الف : اک ابرو میں ہے چین بڑے (آصفیہ) ۔

ش ۵ الف : چشم میں ہے جگر میں ہے خون (سخن سہو) ۔

ش ۷ ب : رکھتے ہے تیرا شانہ تہِ سنگ اور نمک[3] (آصفیہ) ۔

---

۱ ۔ رضا میں اخیر میں دو شعروں کی جگہ خالی چھوڑی گئی ہے جو غالباً تکمیل کے خیال سے ہے ۔

۲ ۔ رضا میں حاشیے پر صاد بنا کر درست کیا گیا ہے ۔

۳ ۔ آصفیہ میں حاشیے پر صاد بنا کر ''رہے'' لکھا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ ''بنواحرم'' میں یہی لکھا تھا ۔ پھر ''آوے بھی'' بنایا گیا ۔

غ ۱۳ (ہرگاہ اشک) ۹ آصفیہ ، رضا ۔ ۷ سخن (شعر ۲ ، ۳ سخن نہیں) ۔
شعر ۱ ، ۲ ، ۳ قلمی ۔ شعر ۲ ، ۳ ، ۴ انتخاب) ۔
ش ۸ ب : چشم کے چشموں سے کیوں کر اب نہ رکھیے (آصفیہ) ۔

غ ۱۴ (نہ چراوے جب تک) ۷ آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، قلمی ، سخن ۔
ش ۱ الف : نہ آڑائے جب تک (قلمی) ۔
ش ۴ ب : ہاتھ میں لے کے تو آلینہ کو اپنی چھب تلک
(آصفیہ ، ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۵ ب : واقف نہیں میں تو اب تک (آصفیہ ، ادبیات) ۔
ش ۶ الف : آنکھ لڑائی اس سے (سخن) ۔
ش ۶ ب : صبح سے بھی اب شب تک (سخن) ۔

غ ۱۵ (یار کی ایک) ۱۴ رضا ، پٹیالہ ۔ ۱۲ سخن (شعر ۱ ، ۲ نہیں) ۔
ش ۳ الف : بہ بزار گوش گذار (پٹیالہ) ۔
ش ۴ الف : امواج بحر دیکھ کے ہو (سخن سہو) ۔
ش ۱۰ ب : انیاں ہیں اور کنار کی ایک (سخن سہو) ۔

ردیف گ

غ ۱ (ترے مبتلا کا رنگ) ۱۵ سخن ، انتخاب ۔
ش ۹ الف : مانگتے ہیں غزال چیں (سخن سہو) ۔

---

۱ ۔ حاشیے میں لکھا ہے "سہوِ کاتب است" ۔

ش ۵ الف : عالم میں یہ اے رشک پری سر پہ چڑھا کر (رضا ، سخن) ۔

ش ۸ ب : سیپارۂ گل ہے ۔ (رضا ، سخن سہو) ۔

ش ۹ الف : برقع سے نکلتی ہے ... صبح کے خورشید[1] ۔

غ ۷ (سیم تن کا رنگ) ۱۶ رضا ۔ ۸ سخن ، انتخاب ۔ (شعر ۳ تا ۱۰ سخن ، انتخاب نہیں) ۔

ردیف ل

غ ۱ (خوش آویں نسیم و گل) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ (شعر ۱ ، ۲ ، ۵ انتخاب) ۔

ش ۸ الف : تیرا سمیں یہ قامت (رضا) ۔

غ ۲ (گلستاں نسیم و گل) ۹ رضا ، سخن ۔ شعر ۲ ، ۵ ، ۶ ، ۸ ، ۹ انتخاب) ۔

ش ۳ ب : یاد مجھ کو (سخن) ۔

ش ۶ الف : ہو رہوں (سخن) ۔

غ ۳ (اتنا تو باغ و گل[2]) ۹ آصفیہ ، رضا ۔ ۸ سخن (شعر ۲ نہیں) ۔ شعر ۱ ، ۴ ادبیات ، قلمی ۔ شعر ۲ ، ۴ انتخاب) ۔

ش ۴ ب : حق نے دیے ہیں دیکھو (قلمی) ۔

۱۔ آصفیہ میں حاشیے پر ''سہو کاتب است'' لکھا ہے ۔
۲۔ ادبیات میں ''باغ گل'' ہے ۔

ش ۵ ب : کیوں کر نہ زاغ و گل (آصفیہ سہو) ۔

غ ۴ (دیکھ باغ و گل) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ (شعر ۶ ، ۷ ، ۹ انتخاب) ۔

ش ۱ ب : کھائے ہیں جس کے واسطے (رضا) ۔

ش ۷ الف : روشن ہیں داغ دل سے تو عشق کی گور میں (سخن) ۔

ش ۸ الف : گل رخوں کی خاک ۔ (رضا ، سخن) ۔

غ ۵ (رشکِ قمر پان پھول) ۸ رضا ، سخن

غ ۶ (غل ہر سرِ گل) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

غ ۷ (گل چین شاخِ گل) ۱۰[1] آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ (شعر ۱ ، ۲ قلمی ۔ شعر ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۷ ۔ ۹ انتخاب) ۔

ش ۲ الف : صانع قدرت نے صبح ۔

(''قدرت نے صبح'' کے الفاظ آصفیہ میں کتابت سے رہ گئے ہیں) ۔

غ ۸ (داغ روشن مراد حاصل) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ (شعر ۱ ، ۳ قلمی ۔ شعر ۱ ، ۲ ، ۷ انتخاب) ۔

ش ۲ الف : مٹے محبت کی ہے یہاں کی (آصفیہ ۔ رضا ، قلمی سہو) ۔

---

۱ ۔ آصفیہ میں یہ غزل حاشیے پر لکھی ہے ۔

غ ۱۴ (اٹھانا شبِ وصل) ۷ رضا ، سخن ، انتخاب ۔

غ ۱۵ (کڑھانا شبِ وصل) ۵ شعر ایک مصرع : رضا ۔

غ ۱۶ (قربانِ سرِ گل) ۱۰ ۔ ۹ انتخاب ، سخن ۔ (سخن نہیں) ۔
ش ۸ الف : کیوں نہ بنا خال (سخن سہو) ۔
ش ۹ ب : نہیں بہتی ہر سرِ گل (سخن سہو) ۔

غ ۱۷ (خزاں سے پھول) ۸ آصفیہ ، رضا ۔ ۷ سخن ۔ ۶ ادبیات ، قلمی
(نمبر ۴ سخن ۔ نمبر ۳ ، ۴ ادبیات ، قلمی نہیں) ۔

غ ۱۸ (گل کے منہ پہ تل) ۱۳ رضا ۔ شعر ۲ ، ۱۲ ، ۱۳ سخن ،
انتخاب) ۔

غ ۱۹ (ادھر قمری آدھر بلبل) ۲ رضا ، سخن ، انتخاب ۔

غ ۲۰ (شیشہ شکستہ دل) ۱۶ سخن ۔

غ ۲۱ (ہاتھ آٹھانا مشکل) ۲۴ سخن ۔

غ ۲۲ (اخگر تپشِ دل) ۹ رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔ (شعر ۱ ، ۲ ، ۵ ، ۷
انتخاب) ۔
ش ۴ الف : جوں شعلہ بنا مونس (پٹیالہ) ۔

ش ۷ ب : اب لگانے گی (رضا ، پٹیالہ) ۔

ش ۸ الف : تپ ہجر کی یارب (پٹیالہ) ۔

ش ۹ الف : نے یار سے ہے وصل کا پیغام نصیر آہ (پٹیالہ) ۔

ش ۹ ب : بتلا تو فرو ہووے گی کیونکر طپش دل (پٹیالہ) ۔

غ ۲۳ (چراغِ دل) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ (شعر ۱ ، ۲ قلمی) ۔

غ ۲۴ (چراغ دل) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ (شعر ۱ ، ۲ قلمی) ۔

ش ۳ الف : برنگِ گل (آصفیہ) ۔

ش ۵ ب : کچھ اور تو رکھے ہے (آصفیہ) ۔

غ ۲۵ (سہرباں در دل) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ (شعر ۱ قلمی) ۔

ش ۱ ب : مثل مشہور ہے یارو (رضا ، سخن) ۔

ش ۲ ب : شیر کا رکھتے ہیں (رضا ، سخن) ۔

ش ۴ الف : نام کو اپنے (آصفیہ) ۔

ش ۵ الف : اپنے موج زن (آصفیہ سہو) ۔

ش ۷ الف : توڑیں ز دستِ خود (آصفیہ) ۔

ش ۷ الف : توڑے ز دستِ خود (رضا) ۔

ش ۷ ب : یہ فرصت ہو سکے (رضا) ۔

غ ۲۶ (ہر دم تپش دل) ۹ رضا ، سخن ۔ ۸ پٹیالہ (شعر ۲ پٹیالہ نہیں) ۔

ش ۱ ب : پرکشش دل (پٹیالہ) ۔

ش ۲ الف : ناک میں جی (سخن) ۔

ش ۲ الف : یاد میں اس کی (پٹیالہ) ۔
ش ۹ ب : گیا کہیے نصیر اب سے داد و دہش دل (پٹیالہ) ۔

غ ۲۷ (ہم کنار گل) ۸ ایک مصرع : آصفیہ ۔ ۸ رضا ، سخن ۔ (شعر ۵ مصرع : رضا ، سخن نہیں) ۔
ش ۶ ب : تو نے یہ ہے چڑھا کے بڑھایا وقار گل (شکل ثانی) ۔

غ ۲۸ (چمن میں گل) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، سخن ، پٹیالہ ۔
ش ۷ الف : نہیں آویختہ گوہر (پٹیالہ) ۔

غ ۲۹ (ستارۂ گل) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن (شعر ۸ سخن نہیں) ۔
ش ۸ ب : رہے سدا جلوۂ ستارۂ گل (پٹیالہ) ۔
ش ۹ الف : نصیر یہ متحرک نہیں نسیم کی شاخ (پٹیالہ) ۔

غ ۳۰ (صبا کھول کے چل) ۱۵ رضا ۔ ۱۳ سخن (شعر ۶ ، ۷ سخن نہیں) ۔

غ ۳۱ (خاک کے مول) ۸ آصفیہ ، رضا ، سخن (شعر ۱ ، ۲ انتخاب) ۔
ش ۱ الف : نہ کیوں خاک کے مول (آصفیہ سہو) ۔
ش ۲ ب : نہ کوئی ہر دل صد چاک کے مول (رضا ، سخن) ۔
ش ۷ الف : اے بادہ کشو (رضا ، سخن) ۔
ش ۸ ب : تاج اپنا بھی ہے یہ (آصفیہ ، رضا ، سخن) ۔

غ ۳۲ (دلِ زار میں بال) ۱۳ رضا ۔ ۱۲ سخن (شعر ۱۰ سخن نہیں) ۔
شعر ۱ ، ۲ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ انتخاب) ۔
ش ۳ الف : داغ دل کو (رضا سہو) ۔
ش ۴ ب : دامنِ دل‌دار میں بال (رضا سہو) ۔
ش ۶ ب : مینہ کی طرح (سخن) ۔

غ ۳۳ (دل آزار سے مل) ۱۱ رضا ۔ ۸ سخن (شعر ۸ ، ۹ ، ۱۰
سخن نہیں) ۔

غ ۳۴ (کاکلِ دلدار سے مل) ۱۴ رضا ۔

ردیف م

غ ۱ (پڑھواتے ہیں ہم) ۹۱ شعر ایک مصرع : رضا ۔ ۱۶ سخن[۱] ۔ (شعر
۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۲۰ مصرع ثانی : سخن نہیں) ۔
ش ۱۵ الف : میں نے جب پوچھی (سخن) ۔

غ ۲ (اشک بھر لاتے ہیں ہم) ۱۶ رضا ، سخن ۔

غ ۳ (ناز و ادا گرم) ۱۱ آصفیہ ، رضا ۔ ۹ سخن (شعر ۳ ، ۴ سخن نہیں) ۔
ش ۱ الف : روشِ تازہ ادا گرم (سخن سہو) ۔

---

۱ ۔ رضا میں شعر ۲ ، ۳ ، ۴ آنے والے مطلع درمیان غزل میں آتے ہیں ۔

ش ۶ ب : ترے پا سے لپٹنے کو (کچھ حصہ آصفیہ میں کتابت سے رہ گیا ہے) -

---

غ ۴ (ثنا خوانیوں میں ہم) ۲۴ سخن -

غ ۵ (ٹھوکر بھی ہم) ۱۱ رضا ، سخن - (شعر ۱ ، ۳ ، ۶ ، ۱۰ ، ۱۱ انتخاب) -

---

غ ۶ (کثرت میں ٹمر ہم) ۱۸ رضا - ۱۵ سخن (شعر ۱ ، ۶ ، ۷ نہیں) -

غ ۷ (شمشیر لنظر ہم) ۳۳ سخن - (شعر ۱ ، ۲ ، ۴ ، ۶ ، ۷ ، ۱۳ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۵ رضا - شعر ۱ ، ۴ ، ۱۳ ، ۲۱ ، ۲۲ ، ۲۳ انتخاب) -

ش ۲ الف : کیا رو کے کریں (رضا) -

ش ۷ الف : کاہے یہ دن رات تصور (رضا) -

ش ۷ ب : کونین کی رکھتے ہیں واللہ خبر ہم (رضا) -

ش ۱۹ الف : کوچے میں لگائیں گے ترے ہاتھ سے اپنے (رضا) -

ش ۱۹ ب : نارنگیوں کا لے کے کوئی مول شجر ہم (رضا) -

ش ۲۰ الف : بیٹوں کی طرح (رضا) -

ش ۲۲ ب : گھر چھوڑ کے ہاتھوں سے ترے (رضا) -

ش ۲۳ الف : پاتے ہی نہیں خانہ نشینی میں بھی آرام (رضا) -

ش ۲۳ ب : پابند سفر ہم (رضا) -

ش ۲۵ الف: تم دیکھنا سر سے صفت شمع جلیں گے (رضا) ۔
ش ۲۵ ب : آخر کو اسی راہ کو ڈے گذریں گے سر ہم (رضا) ۔

غ ۸ (اے یار تبسّم ۱۱ رضا ، ادبیات ، قلمی ۔

غ ۹ (طلب رکھتے ہیں ہم) ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، ادبیات ، قلمی ، سخن ۔
ش ۱ ب : وا اپنے لب (آصفیہ سہو) ۔
ش ۲ الف : صرف اک نکتہ ترا دنیا میں اب (آصفیہ ، پٹیالہ سہو) ۔
ش ۵ ب : طالع عجب رکھتے ہیں ہم (رضا) ۔
ش ۶ الف : اس شعلہ خو کو دیکھ کر (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۸ الف : دل کے داغ و آبلہ (آصفیہ) ۔
ش ۹ الف : صاف کر لیتے ہیں دل (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۹ الف : صاف کر لیتے ہیں تب (آصفیہ ابتدائی) ۔

غ ۱۰ (اگر دکھلائے جام) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن (شعر ۱ قلمی) ۔

غ ۱۱ (خاک نشیں ہم) ۱۰ رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔
ش ۱ ب : جہاں تو تو وہیں ہم (پٹیالہ) ۔
ش ۳ الف : کرتے ہیں سدا اشک (پٹیالہ) ۔
ش ۴ الف : اے موج نسیم سحری (رضا) ۔
ش ۱۰ الف: نصیر آہ (پٹیالہ) ۔

غ ۱۲ (ہنمیں پروانۂ خم) ۱۰ - ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن (شعر ۱۰ نہیں)۔
(شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۱۰ پٹیالہ) ۔

ش ۱ ب : دل ہے شیشہ آبلہ ہے جانۂ خم (پٹیالہ) ۔

ش ۲ ب : اے بالائے خم (پٹیالہ) ۔

ش ۶ الف : لائے ہے سے ساقیا ہوں میں (آصفیہ) ۔

ش ۶ ب : تو مجھے کس رو سے (آصفیہ) ۔

ش ۷ ب : جام جم کر ہاتھ میں ہو (آصفیہ) ۔

غ ۱۳ (دکھا جاتے ہو تم) ۱۲ رضا - ۹ سخن (شعر ۲ ، ۴ ، ۶ نہیں) ۔

غ ۱۴ (بے خبری کا عالم) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن (شعر ۱ ، ۲ قلمی) ۔

ش ۱ ب : دیکھنا ہوگا جوانی میں (رضا ، سخن) ۔

ش ۷ ب : خضر جانے یہ (رضا ، سخن) ۔

غ ۱۵ (نزاکت میں لب سے کم) ۱۲ رضا - ۱۰ سخن - ۹ پٹیالہ ۔
(شعر ۲ ، ۳ سخن - شعر ۳ ، ۶ ، ۹ پٹیالہ نہیں) ۔

ش ۵ الف : ہے خواہاں وہ دوستو (رضا ، سخن) ۔

ش ۱۰ الف : تو دستگیر ہو (رضا ، سخن) ۔

ش ۱۱ الف : اب زایک دم تو ہنسے اے (رضا ، سخن) ۔

ش ۱۲ ب : جو آپ کو نصیر سمجھتا ہے سب سے کم (رضا ، سخن) ۔

غ ۱۶ (تیغِ دو سر چشم) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۷ ادبیات ، قلمی ۔
(شعر ۳ ، ۸ نہیں) ۔
ش ۵ ب : یہ گل نیلوفر چشم (قلمی) ۔
ش ۶ ب : ہے انھوں کا گذر چشم (آصفیہ) ۔

غ ۱۷ (اشکِ ترِ چشم) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ شعر ۱ ، ۳ ، ۶ ، ۷ ، ۹
ادبیات ، قلمی ۔ شعر ۱ ، ۳ ، ۶ ، ۷ انتخاب) ۔
ش ۱ الف : نہ یہ اشک تر چشم (رضا ، سخن ، ادبیات ، قلمی)
ش ۹ ب : شتابی جگر چشم (آصفیہ ، رضا سہو) ۔
ش ۹ ب : اثرِ چشم (ادبیات ، قلمی) ۔

غ ۱۸ (ہمہ تن چشم) ۱۵ رضا ، سخن) ۔
ش ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۶ ، ۷ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۵ آصفیہ ۔
ش ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۹ ، ۱۴ ، ۱۵ دواوین ، نازلیناں ۔
ش ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۹ ، ۱۴ ، ۱۵ انتخاب ۔
ش ۴ ب : ہم کو بنایا ہمہ تن چشم (آصفیہ) ۔
ش ۵ الف : گل کھاتے ہو تن پر (سخن سہو) ۔
ش ۵ ب : میں ہوتا ہمہ تن چشم (سخن) ۔

غ ۱۹ (اے یار چشم) ۱۵ آصفیہ ، رضا ۔ ۱۳ سخن ۔
ش ۱ الف : صاف ہے چہرے پہ ترے (سخن) ۔
ش ۷ الف : رشتۂ الفت نے باندھی ہے نئی پرواز آہ (آصفیہ) ۔

غ ۲۰ (دلِ مضطر سے دام) ۱۴ رضا ۔ ۱۷ پٹیالہ ، ۱۰ سخن ۔ (نمبر ۱۱
پٹیالہ ۔ نمبر ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ سخن نہیں) ۔

ش ۹ ب : جس وجہہ سے ہوا ہے (ادبیات) ۔
ش ۷ الف : یعنی آسی کے عشق میں (سخن) ۔
ش ۷ الف : اس دم بھلا ہے یہاں (ادبیات سہو) ۔
ش ۷ الف : اس دم ملے ہے یاں (سخن) ۔

غ ۲۴ (اپنا کبھو قلم) ۷ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، شخن ۔ (شعر ۱ ، ۲ ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۱ ب : پہلی ہو تو (ادبیات سہو) ۔
ش ۱ ب : نامہ ہو بلی ہو تو قلم (پٹیالہ) ۔
ش ۲ ب : بہتر کوئی مژہ سے نہیں دیکھیے (سخن) ۔
ش ۳ الف : احوال سرگذشت (پٹیالہ) ۔
ش ۶ الف : اختر سے ہے یہ کاغذ افشانی اب فلک (سخن، رضا) ۔
ش ۶ الف : کاغذ افشاں اب آسماں[1] (آصفیہ) ۔
ش ۶ ب : ہے کہکشاں کا دیکھ لے (سخن) ۔
ش ۶ ب : اور خط کہکشاں سے ہے اے جنگجو (پٹیالہ) ۔

غ ۲۵ (یا صبا ہیں ہم) ۱۳ رضا ۔ ۹ سخن ۔ (شعر ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ سخن نہیں) ۔
ش ۱۲ ب : کشتہ[ٔ] خنجر ادا ہیں ہم (رضا سہو) ۔

غ ۲۶ (تابانِ گل و شبنم) ۲۱ انتخاب ۔ ۱۷ سخن ۔ نمبر ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ سخن نہیں) ۔
ش ۲ ب : کہ چسپاں جس سے ہے ...[2] الخ (رضا) ۔

۱۔ آصفیہ میں لفظ ''فلک'' کو کاٹ کر ''آسماں'' بنایا گیا ہے ۔
۲۔ یہ شعر نمبر ۳ کا مصرعِ ثانی ہے اور اس موقع پر سہواً نقل ہوا ہے ۔

غ ۲۷ (دلدار سے کام) ۱۱ شعر ۴ مصرع : رضا[1] - ۱۵ سخن - (شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ سخن) -

---

غ ۲۸ (خدا کی قسم) ۱۴ رضا[2] - ۱۱ سخن ، انتخاب (شعر ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ نہیں) -

ش ۸ الف : نہیں کیوں ہے ملایا لبوں نے یہ لب (انتخاب) -

غ ۲۹ (دل آرام یہ نام) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن - ۹ پٹیالہ - ۸ ادبیات ، قلمی - (شعر ۹ ، ۱۰ پٹیالہ - شعر ۶ ، ۹ ، ۱۰ ادبیات ، قلمی نہیں) -

ش ۲ الف : اے تشنہ دہن (ادبیات سہو) -

ش ۳ الف : ڈک جائے (ادبیات سہو) -

ش ۳ الف : تھک جائے (پٹیالہ) -

ش ۴ الف : راحتِ جاں[3] -

ش ۴ الف : ہم نے ترے اے دلدار (آصفیہ) -

ش ۵ الف : آنکھوں سے لگا کر پیوں میں (ادبیات) -

ش ۵ ب : ہم رقم (ادبیات سہو) -

ش ۶ الف : نہیں شاکی میں (آصفیہ اصلاح) -

غ ۳۰ (تھی کھائی شبنم) ۷ رضا ، سخن -

ردیف ن

غ ۱ (اسبابِ سفر باندھے ہیں) ۵ آصفیہ ، رضا - ۴ سخن (نمبر ۲ نہیں) -

---

۱ - رضا میں نمبر ۱۱ کا مصرع ثانی اور نمبر ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ کے مصرع ہائے اولی جلد بندی میں دب گئے ہیں -

۲ - رضا میں یہ غزل حاشیے پر لکھی ہوئی ہے - خط دوسرا ہے -

۳ - آصفیہ میں "راحتِ جاں" کو قلم زد کر کے اصلاح دی گئی ہے -

غ ۵ (دیوار بیٹھے ہیں) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

غ ۶ (دور آستیں) ۶ آصفیہ[۲] ، رضا ، سخن ۔ شعر ۱ ، ۲ ، ۵ انتخاب) ۔
ش ۳ ب : نہیں رکھتی ہے (آصفیہ سہو) ۔
ش ۶ ب : چھوڑنے کا میں نہیں اس کی بقدور آستیں (سخن) ۔

غ ۷ (آتارے سوتے ہیں) ۱۳ رضا ۔ ۱۲ سخن (نمبر ۲ نہیں) ۔ شعر ۱ ، ۵ ، ۷ ، ۱۲ ، ۱۳ انتخاب ۔
ش ۱۱ ب : کوئی ہمیں ہرگز نہ جگانا ہم یہ پکارے (رضا) ۔

غ ۸ (قد و قامت دیکھتے ہیں) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

---

۱ ۔ اس غزل کے شعر ۳ کے مصرع ثانی میں "آب دم تلوار" پر حاشیہ نگار نے لکھا : "دم فارسی ، تلوار ہندی ، افسوس شاہ صاحب یہ بات بھی نہ جانے ۔"

حاشیہ نگار نے شعر ۴ کے مصرع ثانی میں "دامن سے لگے" پر یوں اصلاح دی ہے : "ناچار کو دامن کہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کاش یوں کہتے: قدموں سے لگے ناچار بیٹھے ہیں ۔"

۲ ۔ شعر ۵ کے مصرع اولی کے حاشیے میں "بلبلہ" یعنی حباب ۔

شعر ۶ کے مصرع اولی میں "بزم تصویرات" پر حاشیے میں لکھا گیا ہے : "بزم تصویر درست ہے ، تصویرات غیر فصیح ۔"

شعر ۸ کے مصرع ثانی "آگیے ہم بھی مستعد چلنے کو یاں تیار بیٹھے ہیں" پر یوں حاشیہ چڑھایا گیا ہے : "یا مستعد یا طیار ۔ (تکرار ضروری نہ تھا ۔"

آصفیہ میں شعر ۵ پر ایک سے زیادہ اصلاحیں اور اعتراضات ملتے ہیں مگر ان کی قرات یہاں ممکن نہیں ۔

غ ۹ (رونقِ بازارِ گلستاں[1]) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، ۱۱ سخن ۔ (شعر ۲ نہیں) ۔
ش ۲ ب : لالہ کی طرح (آصفیہ اصلاح) ۔

غ ۱۰ (غیر دل‌آرام کہیں[2]) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔
ش ۸ الف : لکڑیاں کھانے کی پھر پیٹ تو (رضا) ۔

غ ۱۱ (از خود رمیدہ ہوں) ۱۲ رضا ، سخن ۔
ش ۷ الف : یہ چاہتی ہے تو کشش دل کہ بعدِ مرگ (رضا سہو) ۔
ش ۱۲ ب : صورتِ شاخِ بریدہ ہوں (رضا سہو) ۔

غ ۱۲ (جوں حباب پانی یاں[3]) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ شعر ۹ ، ۱۰ ذکا ۔

---

۱ ۔ اس غزل کے مقطع پر تبصرہ کرتے ہوئے آصفیہ کے حاشیہ نگار نے لکھا ہے : ''نرگس کا آزاد ہونا کیا ؟ یہ کوئی سمجھائے تو آگے لکھیں ۔''

۲ ۔ اس غزل کے شعر ۷ پر تبصرہ کرتے ہوئے آصفیہ کے حاشیے میں لکھا ہے : ''اگر یہ کہنا معشوق کا ہے تو گویا وہ اپنے منہ سے اپنی ہجو کرتا ہے ۔ کس لیے کہ خط کا نکلنا برہم زنِ حسن ہے ۔ جب اس آغاز کا انجام نہیں تو گویا معشوق در پردہ یہ لکھتا ہے کہ اب مجھ سے کوئی عشق نہ کرے ۔ میرا حسن غارت ہو چکا ۔''

شعر ۸ کی تعریف کرتے ہوئے اس پر دو صاد بنائے ہیں اور لکھا ہے : ''شعر ایسے ہوتے ہیں ۔''

۳ ۔ اس غزل کے شعر ۳ پر آصفیہ کے حاشیے میں لکھا ہے : ''سبحان اللہ ! رحمتِ خدا ۔''

شعر ۴ پر لکھا ہے : ''اشک اگر تخلص شاعر کا ہو تو پھر اس شعر پر ہماری دو 'ص' سمجھ لو ۔''

شعر ۸ ''بندھا سیدھا'' کا حاشیہ سہوِ کاتب ہے ۔ ''بنا سیدھا'' صحیح ۔ نیز مطلعِ غزل پر رائے دیتے ہوئے لکھا ہے : ''اس زمین میں یقین ہے ایسی غزل بھی کسی سے نہ ہوئی ہوگی ۔''

ش ۳ الف : وقت گریۂ محزوں (سخن سہو) ۔
ش ۷ ب : مالیے ہے (آصفیہ) ۔
ش ۱۰ الف : گر وہاں دانا آ کے پیچو (ذکا) ۔

غ ۱۳ (زخم دل نہیں) ۱۱ رضا ، سخن ۔

غ ۱۴ (بلا شک روشن) ۱۰ ، ۹ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔ ۸ قلمی ۔
۷ ادبیات ۔ (شعر ۱۰ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ شعر ۴ ، ۱۰ قلمی ۔
شعر ۴ ، ۷ ، ۱۰ ادبیات نہیں) ۔
ش ۳ ب : مار کے چشمک روشن (آصفیہ ، پٹیالہ ، سخن ، ادبیات
سہو) ۔
ش ۶ الف : یوں فلک پر ہے چڑھی (ادبیات) ۔
ش ۷ ب : رات کو تھی شب مہتاب سے (سخن) ۔

غ ۱۵ (ہم آغوش ہوں میں) ۱۱ رضا ، سخن ۔
ش ۱ الف : شب کو گر تجھ سے لپٹ خواب میں سویا تو کیا
(رضا) ۔

غ ۱۶ (آسمانی چوڑیاں) ۱۰ ۔ ۹ رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔ (۱۰ رضا، سخن ۔ ۹
پٹیالہ نہیں) ۔ شعر ۱ ، ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ انتخاب ۔
ش ۳ الف : عشق پوچھے کی (سخن) ۔
ش ۴ الف : تری ناگن ہے گو زلف سیاہ (پٹیالہ) ۔
ش ۴ ب : ہر ستم ہے یہ بلائے ناگہانی (پٹیالہ) ۔

غ ۱۷ (اے سر دماں روشن) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

ش ۲ الف : اٹھے شعلہ زو فتنہ کو (آصفیہ) ۔
ش ۹ الف : جوں نقش قدم تیزاً (نسخہ) ۔

غ ۱۸ (یک دہن ہزار زباں) ۵ رضا ، پٹیالہ ، انتخاب ، سخن ۔
ش ۱ الف : ایک دہن (انتخاب) ۔
ش ۱ ب : ہمارا دل ہے بنا (پٹیالہ) ۔
ش ۴ الف : مہر بھی دیکھو (انتخاب) ۔
ش ۵ الف : تری وہ بندشِ دستار ہے کہ طرّۂ زر (سخن) ۔

غ ۱۹ (ساقی ابر میں) ۱۰ آصفیہ ، رضا ۔ ۹ پٹیالہ ، سخن ۔ (شعر ۴ ، ۶ پٹیالہ ۔ شعر ۳ ، ۴ سخن نہیں) ۔
ش ۳ الف : اک ہزار کیا مدام (آصفیہ سہو) ۔
ش ۴ ب : اس ہوا کے مہکنے پر (رضا سہو) ۔
ش ۸ ب : ایک ہوں میں (سخن) ۔
ش ۱۰ الف : لوٹتا ہے برق سا بے تابیِ دل سے نصیر (پٹیالہ) ۔

غ ۲۰ (عندلیبانِ چمن) ۱۵ رضا ، سخن ۔ شعر ۳ ، ۵ ، ۱۱ ، ۱۲ انتخاب ۔
ش ۵ الف : گل پہ ہے بلبل نثار (سخن) ۔
ش ۵ ب : بہ دامان چمن (رضا سہو) ۔
ش ۹ الف : ہر سرِ لالۂ ضعرا نہیں (سخن سہو) ۔
ش ۱۲ الف : اس قدر کیا ہے خموشی مجھ پہ لک (انتخاب) ۔

غ ۲۱ (مشقِ ستم سمجھتے ہیں) ۱۰ آصفیہ ۷ رضا ، سخن ۔
ش ۲ الف : تو لئے لپشتاں ہم (سخن) ۔

---

۱ ۔ شعر ۴ اور شعر ۹ حاشیہ نگار نے آصفیہ میں اپنے قلم سے بڑھائے ہیں اور اول الذکر پر دو صاد بنا کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے ۔

غ ۲۲ (سر ہر قطرہ ہار گلے میں) ۱۲ - ۱۱ رضا ، سخن ، انتخاب - (شعر ۱۱ رضا ، انتخاب - ش ۱۰ سخن نہیں) -

---

غ ۲۳ (خیالِ گردن) ۶ آصفیہ ، رضا ، سخن - (شعر ۱ ذکا ، ریاض) -

غ ۲۴ (نکلیاں دیکھیاں) ۹ آصفیہ ، رضا - ۷ سخن (نمبر ۲ ، ۳ نہیں) -

---

غ ۲۵ (سوختہ تر پانی میں) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن - ۱۰ ادبیات ، قلمی - (نمبر ۹ نہیں) - شعر ۷ ، ۹ انتخاب -
ش ۲ الف : ہاتھ میں آئینہ نہیں رکھتا ہوں (آصفیہ ، رضا ، سخن سہو)
ش ۳ الف : ہو گئے چھاتی پہ (آصفیہ) -
ش ۷ : آب میں عین آرام (آصفیہ) -

غ ۲۶ (اپنی ہوا گلشن میں) ۱۳ رضا - ۱۰ سخن (نمبر ۳ ، ۴ ، ۵ سخن نہیں) -

---

غ ۲۷ (ہردم گیا دریاے خوں) ۱۲ پٹیالہ - ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن - (نمبر ۴ ، ۱۱ نہیں) - شعر ۲ ، ۳ انتخاب -
ش ۱ ب : کیا جوں سمندر کم گیا (پٹیالہ) -
ش ۲ ب : کس دن کم گیا (پٹیالہ) -
ش ۵ ب : غلتہ دامن پہ اُس کے (پٹیالہ) -
ش ۶ ب : آن میں اس دل کو کر درہم گیا (آصفیہ) -
ش ۷ ب : ہر رگِ گل میں ہے (سخن) -
ش ۱۰ ب : شاد کیا ہو خاک (آصفیہ) -

غ ۲۸ (زلیخہ چلیا کم نہیں) ۱۳ رضا - ۱۲ آصفیہ - ۹ سخن - (نمبر ۲ آصفیہ - نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ سخن نہیں) -
ش ۷ الف : جوں شیشہ ساعت یہ ہم (آصفیہ) -
ش ۹ ب : جن کو جینے کی نہ شادی (سخن) -
ش ۱۱ ب : شمع بالیں پر اگر (سخن) -

غ ۲۹ (خال پردے میں) ۱۳ آصفیہ[1] ، رضا ، سخن -
ش ۸ الف : نہ کیونکہ جی سمجھے (آصفیہ) -
ش ۱۰ ب : نہ پہنچے تا کہ یہ دست خیال (آصفیہ) -

غ ۳۰ (خم ذوالفقار میں) ۱۷ رضا - ۱۵ سخن (نمبر ۲ ، ۳ نہیں)، شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۶ تا ۱۱ آصفیہ[2] -

---

۱ - شعر ۸ کے مصرع اولیٰ پر حاشیہ نگار آصفیہ نے نوٹ دیتے ہوئے لکھا ہے : "پھر جی کیوں نہ جلے - اس لونڈ خور کو دیکھیے اور... سے ذرا خیال کیجیے - سمجھنے والا خاک سمجھے -" مصرع ثانی کے متعلق لکھا ہے : "متصل دل لگتی ہے -" مقطع سے پہلے دو شعروں پر "بطور قطعہ" لکھا گیا ہے اور حاشیہ ہے : "قطعہ آنست کہ شعر اول تشنہ شعر دیگر باشد -" شعر ۹ سے متعلق آصفیہ کے حاشیہ نگار نے لکھا ہے : "جاڑے میں اکثر لوگ دوپہر کو صحن میں . . . . اس لیے وقت زوال مناسب نہیں -" بعد کی عبارت جلد بندی میں کٹ گئی ہے -

۲ - شعر ۱ میں "ذوالفقار" پر حاشیہ نگار نے بحث کی ہے اور شاہ نصیر پر اعتراض وارد کیے ہیں : "سانپدھار" سے متعلق لکھا ہے : "یہ محاورہ اب نہیں ہے - کچھ ہو مضمون برا نہیں -"
شعر ۶ پر حاشیہ نگار نے "لاحول ولا قوۃ" لکھا ہے -
شعر ۱۱ پر لکھا گیا ہے : "کہاں بید کہاں تاک - بید جنگلی اور تاک باغی - بید کے بجائے کچھ اور لفظ لکھتے تو دوسرا مصرع کیا خوب تھا -

غ ۳۱ (لو لکاتے ہیں) ۹ آصفیہ ، رضا - ۸ سخن - ۷ ادبیات ، قلمی - (شعر ۲ سخن - ش ۷ ، ۸ ادبیات ، قلمی نہیں) - شعر ۷ ، ۸ ذکا -
ش ۱ الف : اپنے یوں لکاتے ہیں (ادبیات ، قلمی) -

غ ۳۲ (کیا لکاتے ہیں) ۹ آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، قلمی - ۸ سخن (شعر ۲ سخن نہیں) - شعر ۱ ذکا -
ش ۵ ب : کہ جس کو دیکھ چراغ پتنگ (ادبیات ، قلمی) -
ش ۷ ب : کہ آن بان میں (رضا ، سخن) -
ش ۹ الف : تصوّرِ الفِ قامتِ بتاں میں لصیر (آصفیہ ، ادبیات) -
ش ۹ الف : خیالِ قامتِ جاناں میں ہم سے (سخن) -
ش ۹ ب : قیامت آہ کے مصرعے یہ ہم سے (آصفیہ ، [ابتدائی] ادبیات ، قلمی) -
(مصرعِ ثانی پر سخن میں اصلاح آصفیہ کے مطابق ہے) -

غ ۳۳ (ہمراہ سفر میں) ۱۴ رضا - ۱۱ سخن (نمبر ۴ ، ۵ ، ۹ نہیں) -

غ ۳۴ (آنسو کو ترستے ہیں) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن - شعر ۱ لغز ، دواوین ، نازنیناں ، خزینہ - شعر ۱ ، ۵ ، ۶ ذکا -
ش ۱ الف : مژگاں سے وقتِ نالہ (لغز) -
ش ۲ الف : ہمیں ہے ظاہر و باطن (رضا) -
ش ۶ ب : جلو میں آج اپنے بھی (ذکا) -

غ ۳۵ (دلا چمن میں) ۱۳ رضا ، پٹیالہ - ۱۱ سخن (نمبر ۳ ، ۴ نہیں) -
ش ۲ ب : ہم کو بلا چمن میں (پٹیالہ) -
ش ۷ الف : قمری عبث ہے قرباں (پٹیالہ) -

ش ۹ ب : ہر شاخِ گل لگے برگِ چمن (پٹیالہ) ۔
ش ۱۳ الف : جاؤں کہاں نصیر اب (پٹیالہ) ۔

غ ۳۶ (اب آویں نہیں) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۸ میوزیم ، ادبیات (نمبر ۶ نہیں) ۔ شعر ۱ ذکا ۔
ش ۳ الف : خاک ساں نام و نشاں اپنا کرو (ادبیات ، قلمی) ۔
ش ۴ الف : ہر لحظہ دل کو (میوزیم ، ادبیات) ۔

غ ۳۷ (سنگدل ہمارے دن) ۱۲ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۹ پٹیالہ (نمبر ۲ ، ۹ ، ۱۰ نہیں) ۔ شعر ۶ ذکا ۔
ش ۳ ب : نہ وہ اب ہیں رہے تمھارے دن (پٹیالہ) ۔
ش ۸ ب : کہ وہ اب پھر آئے (پٹیالہ) ۔
ش ۱۱ ب : لگے وہ کہنے یہ ہے رات (پٹیالہ) ۔
ش ۱۲ الف : دیا جواب جو میں نے نصیر ہے شب تار (پٹیالہ) ۔

غ ۳۸ (جو جنگل بھریں) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ شعر ۱ ، ۳ ، ۵ انتخاب ۔
ش ۶ ب : دم خاک کیا پل پل بھریں (آصفیہ) ۔
ش ۹ الف : آج کیوں آنکھیں دکھا (رضا ، سخن) ۔

غ ۳۹ (طلبکار نہیں عالم میں) ۱۲ آصفیہ ، رضا ۔ ۱۱ سخن ۔ ۱۰ پٹیالہ ۔ (نمبر ۱۰ سخن ۔ نمبر ۸ ، ۱۲ پٹیالہ نہیں) ۔
ش ۳ الف : گل رخاں حیف ہے (پٹیالہ) ۔
ش ۵ الف : دار پر بولا تھا منصور انا الحق کو نصیر (پٹیالہ) ۔

غ ۴۰ (کسو کا ہو رہوں) ۱۰ رضا ، پٹیالہ ۔ ۹ سخن (نمبر ۲ نہیں) ۔

ش ۱ الف : تیرہ بو زلفیں ہیں (رضا ، سخن) ۔
ش ۱ ب : دو ہیں کافر (رضا ، سخن) ۔
ش ۲ الف : کس کو جائے دم زدن (پٹیالہ) ۔
ش ۷ الف : تجھ پہ دیوانہ ہوا ہے (پٹیالہ) ۔
ش ۸ الف : مجھ سے کیا پوچھے ہے تو (سخن) ۔

غ ۴۱ (صدا ہے پیر پھوٹ) ۱۰ رضا ۔ ۹ سخن ۔ ۸ پٹیالہ ۔ (نمبر ۲ سخن ۔ نمبر ۲ ، ۷ پٹیالہ نہیں) ۔

غ ۴۲ (بےباک سینے میں) ۹ رضا ۔ ۷ سخن ۔ (نمبر ۲ ، ۳ نہیں) ۔

غ ۴۳ (پیچ و تابیاں ہیں) ۸ رضا ۔ ۷ سخن ۔ (نمبر ۲ نہیں) ۔

غ ۴۴ (دھرا کیونکر پاؤں) ۱۰ رضا[1] ۔ ۹ سخن (نمبر ۳ نہیں) نمبر ۱ ، ۴ ، ۵ ، ۶ ، ۱۰ انتخاب ۔
ش ۶ ب : بایاں ہی اب اے کافر (انتخاب) ۔

غ ۴۵ (سوختہ تن آب میں) ۱۲ سخن ۔ نمبر ۱ تا ۹ رضا[2] ۔ نمبر ۱ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ انتخاب ۔

غ ۴۶ (ناوک افگن آب میں) ۱۲ سخن ۔

---

۱ ۔ رضا میں یہ غزل ردیف "و" کے تحت درج ہے ۔
۲ ۔ رضا میں یہ غزل حاشیے میں لکھی گئی ہے ۔

غ ۴۷ (زلفِ معنبر آگ میں) ۴ رضا ۔ ۸ سخن، انتخاب۔ (نمبر ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴ سخن، انتخاب نہیں) ۔
ش ۵ الف : کرے وہ لعل آتش رنگ پر (انتخاب) ۔
ش ۵ ب : کو لہ زرگر (رضا نسخہ) ۔

غ ۴۸ (رہ کر آگ میں) ۲۳ - ۱۷ رضا ۔ ۱۵ سخن ۔ شعر ۱، ۱۱
۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۸، ۱۹ انتخاب : (شعر ۱، ۶، ۱۱، ۱۲
۱۳، ۱۴، ۱۶ رضا ۔ شعر ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰
سخن نہیں) ۔
ش ۱۵ الف : کوچۂ جاناں میں جا سکتا نہیں پیکِ صبا (رضا) ۔
ش ۱۵ ب : کیونکہ پہنچے نامہ بر (رضا) ۔
ش ۱۷ الف : دوڑتا پھرتا وہ گھر سے (رضا) ۔
ش ۲۱ الف : آتشِ فرقت سے دل (رضا) ۔

غ ۴۹ (آنکھوں میں) ۱۲ سخن[1] ۔

غ ۵۰ (یگانہ رکھتے ہیں) ۲۰ - ۱۸ رضا، سخن ۔ (نمبر ۱، ۱۹ رضا ۔
نمبر ۴، ۲۰ سخن نہیں) ۔ شعر ۲، ۳، ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۰،
۲۰ آصفیہ ۔

غ ۵۱ (زلفِ یار رکھتا ہوں) ۹ آصفیہ، رضا، سخن ۔
ش ۱ الف : کبھی جو کفر (سخن) ۔
ش ۸ ب : تصیر کن سے (آصفیہ) ۔

---

۱ ۔ سخن میں شعر ۷، ۸ کے مصرع ہائے ثانی کے بعض حصے کتابت سے رہ گئے ہیں ۔

غ ۵۲ (خواہش پلنگ نہیں) ۱۰ آصفیہ، رضا، سخن - ۸ ادبیات، قلمی (نمبر ۱، ۵ نہیں) -
ش ۲ الف : کوئلہ کا (ادبیات، قلمی) -
ش ۲ ب : ہوائے بالشِ پر اور سرِ پلنگ نہیں (ادبیات) -
ش ۷ ب : اب یاد یہ پکنگ نہیں (کذا) (آصفیہ، ادبیات، قلمی) -
ش ۹ ب : یہ اس کے آگے سفید و سیاہ (قلمی) -

غ ۵۳ (آثار سے آنکھیں) ۷ آصفیہ، رضا، سخن -
ش ۲ الف : سوچے ہے (رضا سہو) -

غ ۵۴ (یار آنکھوں میں) ۹ آصفیہ، رضا - ۷ سخن - ۲ ادبیات[1]، قلمی -
(نمبر ۳، ۴ سخن - نمبر ۳، ۴، ۸ ادبیات، قلمی نہیں) -

غ ۵۵ (زمن میں مرچیں) ۱۴[2] رضا، سخن - شعر ۱، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۱۰، ۱۱ انتخاب -
ش ۱ ب : دیکھونے ہی لگیں (انتخاب) -
ش ۷ الف : دیکھیں آنے کا لہ یار سفری لوکٹب تک (انتخاب) -
ش ۱۴ الف : فکر پر تیز ہے گہ اور نصیر اک مطلع (رضا) -

غ ۵۶ (دکھالیں آنکھیں) ۱۰ آصفیہ، رضا، سخن -
ش ۴ الف : اے غنچہ دہن (سخن) -

---

۱ - ادبیات میں شعر ۵، ۷ کے مصرع ہائے ثانی بدلے ہوئے ہیں - شعر ۵ دوبارہ نقل ہوا ہے -
۲ - اس غزل کے شعر ۲، ۱۲، ۱۳ رضا میں مقطع کے بعد دوسری غزل کے طور پر آئے ہیں، جس کی تکمیل کے لیے جگہ چھوڑی ہوئی ہے - اس کا ثبوت رضا کے مقطع میں مصرع اولیٰ سے بھی فراہم ہوتا ہے -

غ ۵۷ (وہ نئے پر بالوں میں) ۔ ۱ آصفیہ ، رضا ، ۹ ادبیات ، قلمی ۔ (نمبر ۵ ادبیات ، قلمی ۔ نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ سخن نہیں) ۔
ش ۲ الف : اے پری تیرا (آصفیہ) ۔
ش ۴ الف : دھولیں میں ہے (آصفیہ) ۔
ش ۵ الف : مالک موتی میں (ادبیات ، قلمی سہو) ۔
ش ۹ ب : دل تو ہو گیا (سخن) ۔

غ ۵۸ (کل دریا میں) ۷ آصفیہ ، رضا ، میوزیم ، ادبیات ، ۲ سخن (نمبر ۲ سخن نہیں) ۔
ش ۱ الف : پوچھ ساقی سے عجب سیر تھی (رضا ، سخن) ۔
ش ۷ ب : بازو تیراک کے (سخن) ۔

غ ۵۹ (دکھلائیں کہیں) ۱۱ آصفیہ ، پٹیالہ ۔ ۱۰ رضا ۔ ۹ ادبیات ، قلمی ، سخن ۔ (نمبر ۳ رضا ۔ نمبر ۶ ، ۹ ادبیات ، قلمی ۔ نمبر ۲ ، ۳ سخن نہیں) ۔
ش ۲ ب : دستہ نرگس بھی بارے (آصفیہ) ۔
ش ۵ الف : ہاتھ جب تک دھو نہ بیٹھے (ادبیات) ۔
ش ۶ ب : اور وہ گھبرائے کہیں (آصفیہ) ۔
ش ۷ الف : دام رہا میں ہو نہ بند (پٹیالہ) ۔
ش ۱۰ الف : ایک پرچہ نامہ بر لایا نہیں اس سمت سے (پٹیالہ) ۔
ش ۱۱ الف : اور بھی لکھ اک غزل تازہ نصیر (پٹیالہ) ۔

غ ۶۰ (جو دکھلائے کہیں) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، ادبیات ، قلمی ، سخن ۔ ۹ پٹیالہ (نمبر ۸ پٹیالہ نہیں) ۔
ش ۱ الف : للدقو ہاتھ لگاریں (پٹیالہ) ۔
ش ۳ ب : بعجبہ مرجاتے ہے عاشق کیوں (آصفیہ ، رضا ، ادبیات ،

قلمی ، سخن) ۔

ش ۲ ب : زبان میری تو جل جائے (پٹیالہ) ۔

ش ۵ ب : شاخ سنبھلو اس روش ہے (سخن) ۔

ش ۱۰ الف : خلق سے کھینچا ہے پالقوں کو (پٹیالہ) ۔

ش ۱۲ ب : کس فراغت سے ہیں لوٹے (قلمی) ۔

ش ۱۲ ب : کس فراغت سے ہیں بیٹھے (سخن) ۔

غ ۶۱ (پیوستہ لڑتے ہیں) ۱۰ آصفیہ ، رضا ۔ ۷ سخن ۔ (نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ نہیں) ۔

غ ۶۲ (زنّار سے گردن) ۱۳ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

ش ۳ الف : آنکھیں مری پتھرا گئیں اپنے واسطے (سخن) ۔

ش ۳ ب : دیکھا نہ اٹھا کر کبھی (سخن) ۔

ش ۷ الف : کہ ہے بالتحقیق (آصفیہ) ۔

غ ۶۳ (آنسو بہا نہیں) ۱۳ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

ش ۴ الف : وا ہے بسان مہر لقا بھی (رضا سہو) ۔

غ ۶۴ (قفس کی تیلیاں[1]) ۲۲ رضا ، سخن ، انتخاب ۔

ش ۱۲ ب : کرسی کی تیلیاں (سخن) ۔

---

۱ ۔ اس غزل کا شعر ۱ "دیوان ذوق" مرتبہ آزاد میں بھی شامل ہے ۔ شعر ۷ اور ۸ کتاب خانہ انجمن ترقی اردو میں محفوظ ایک بیاض میں میاں منیر صاحب زادہ شاہ نصیر کے نام سے درج کیے گئے ہیں ۔ مولانا آزاد نے اپنی کتاب "آب حیات" میں انھیں گھنشام داس عاشق کے نام سے بیان کیا ہے ۔

ش ۱ ۲ ب : بول گاہ خلق (رضا) ۔

غ ۶۵ (خس کی ٹیاں) ۱۳ رضا ۔ ۱۱ سخن ، انتخاب ۔ (نمبر ۳ ، ۴ ، ۵ سخن ، انتخاب نہیں) ۔
ش ۱ الف : کیا کروں گی ریس (رضا) ۔

غ ۶۶ (گاہ خدنگ و گاہ کماں) ۲ سخن ، انتخاب ۔

غ ۶۷ (ساون بھادوں) ۹ رضا ۔ ۷ سخن ۔ ۶ آصفیہ ۔ (نمبر ۲ ، ۹ سخن ۔ نمبر ۲ ، ۶ ، ۹ آصفیہ نہیں) ۔
ش ۵ ب : سوجھے ہے بے ہار نہ دیں گے (سخن) ۔
ش ۶ الف : دریائے یکتا بادہ پرستو (رضا ، سخن) ۔

غ ۶۸ (ٹکڑے ٹکڑے ہیں) ۳ انتخاب ، سخن ۔

غ ۶۹ (پڑا بازار میں) ۵ انتخاب ، سخن ۔

غ ۷۰ (بیٹھا ہوں میں) ۳ انتخاب ، سخن

غ ۷۱ (اٹھا کہ یوں) ۷ رضا ۔ ۶ سخن ۔ (نمبر ۲ نہیں) ۔

غ ۷۲ (روئے یار سے لوں) ۱۵ آصفیہ ، رضا ، دواوین ۔ ۱۳ سخن ۔ (نمبر ۷ نہیں) ۔
ش ۱۰ ب : لو شیشہ مے خس سرو جوئے بار سے لوں (سخن سہو)

ش ۱۳-ب : کنارِ جوئے رواں (رضا ، سخن) ۔

غ ۷۳ (تیشہ زنی خوب نہیں) ۱۷ - ۱۶ رضا - ۱۵ سخن - (نمبر ۹ رضا - نمبر ۲ ، ۳ سخن نہیں) ۔

ش ۷ الف : پیمانہ شکن ـــ (سخن) ۔

غ ۷۴ (قاتل ہاتھ میں) ۵ رضا ، سخن ۔

ش ۲ الف : یار کی صورت ہے (رضا) ۔

ش ۴ الف : شب تِرے تھا (رضا) ۔

غ ۷۵ (خالِ رخ دمکتے ہیں) ۹ رضا - ۸ پٹیالہ ، سخن - نمبر ۲ پٹیالہ - نمبر ۲ سخن نہیں) - شعر ۱ نغز - ۲ ذکا ۔

ش ۱ ب : کبھی بدلی گھر آتی ہے کبھی تارے (سخن) ۔

ش ۳ ب : لڑی ہم راہ تکتے ہیں (پٹیالہ) ۔

ش ۴ ب : بیابانِ جنوں میں اب تلک (پٹیالہ) ۔

ش ۷ الف : ابر و برق آسا ہے (پٹیالہ) ۔

ش ۸ الف : ہر نخل مارے ہے (پٹیالہ) ۔

ش ۹ الف : نہ کیونکر ہوں نصیر اب ہم پری رویوں کے دامن کش (پٹیالہ) ۔

غ ۷۶ (گلشن میں) ۹ رضا ، سخن ، قلمی ۔

ش ب : ذرا موجِ صبا جو گل کو بتھلاتی ہے (رضا سہو) ۔

غ ۷۷ (دلدار باقی میں) ۹ رضا ، ادبیات ، قلمی - ۸ سخن - (نمبر ۳ نہیں) ۔

ش ۱ ذکا ۔

ش ۱ الف : لگا کیا عکسِ ابرو (سخن) ۔

ش ۱۱ ب : حجاب کیا ہے بت ِ بےحجاب کے گھر میں (پٹیالہ) ۔
ش ۱۲ الف : جب وہ ہوا سوار تصیر (پٹیالہ) ۔

غ ۸۴ (بےدستور ملتے ہیں) ۱۳ رضا ۔ ۱۲ سخن ۔ (نمبر ۱۱ نہیں) ۔
ش ۱۰ الف : اپنے دانتوں میں (رضا) ۔

غ ۸۵ (کیا مسرور ملتے ہیں) ۱۱ رضا ، سخن ۔
ش ۱۱ ب : کلال ِ عہد اُس کے منہ سے ہو (رضا) ۔

غ ۸۶ (بہار گریباں) ۱۳ رضا ۔ ۱۱ آصفیہ ۔ ۱۰ سخن ۔ (نمبر ۳ ، ۴ آصفیہ ۔ نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ سخن نہیں) ۔
ش ۷ الف : سپرد اب تو ہم نے کیا ناصحا ہے (سخن) ۔

غ ۸۷ (زلف ِ دوتا لکھوں) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

غ ۸۸ (ہم کیونکر کریں) ۱۳ رضا ، سخن ۔

غ ۸۹ (شہ سوار حسن) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔
ش ۶ الف : آج تو ہی دیکھ (آصفیہ) ۔

غ ۹۰ (تا لب ِ فریاد ہوں) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔
ش ۳ الف : واہ تو بالدے ہوا رشک ِ پری (آصفیہ) ۔

غ ۹۱ (درپۓ تدبیر ہوں) ۱۰ سخن ۱ - ۹ آصفیہ ، رضا (نمبر ۱ آصفیہ ، رضا نہیں) -

---

غ ۹۲ (چھالیاں دیکھیں) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ، میوزیم - شعر ۱ بے خار ، منتخبہ -
ش ۱ الف : کبھی نہ آس (سخن) -
ش ۲ ب : خود ممالیاں دیکھیں (قلمی) -
ش ۷ الف : کسی نے لی نہ خبر (سخن) -

غ ۹۳ (خالِ دہاں نہیں[۲]) ۱۶ آصفیہ ، رضا - ۱۴ سخن - (نمبر ۴ ، ۵ سخن نہیں) -

---

غ ۹۴ (دمِ سرد بھر نہ چنداں) ۹ آصفیہ ، رضا ، قلمی - ۸ سخن - (نمبر ۲ نہیں) -
ش ۲ ب : دل و جان نیاز کر کے گئے مری جان (آصفیہ سہو) -
ش ۷ الف : ہے ہر ایک (آصفیہ) -
ش ۸ الف : اسے چھیو نہ پالہ (آصفیہ) -

غ ۹۵ (بے اسباب چکر میں) ۱۱ رضا ، سخن -
ش ۶ الف : ترے عاشق کی تربت پر نہ کیوں جاروب دے (رضا) -

---

۱ - اس غزل کا شعر ۱ مکتّرر لکھا گیا ہے - اس سے پہلے آنے والی غزل نمبر ۱۴ میں بھی یہ شعر موجود ہے -
۲ - شعر ۴ اور ۵ آصفیہ میں حاشیے پر بڑھائے گئے ہیں - نمبر ۵ میں لفظ "ہے" نہیں ہے اور منقوطہ حصے کی قراءت ممکن نہیں ہے - آصفیہ میں یہ حصہ کتابت سے رہ گیا ہے -

غ ۹۶ (جلن سے دھواں) ۱۰ رضا ، سخن ۔ ۹ آصفیہ۔ ۸ پٹیالہ ، انتخاب۔
(نمبر ۹ آصفیہ ۔ نمبر ۵ ، ۹ پٹیالہ ۔ نمبر ۶ ، ۸ انتخاب نہیں) ۔
شعر ۱ ، ۷ ذکا۔
ش ۱ الف : تپ غم کی یوں جلن سے (ذکا) ۔
ش ۱ الف : تپ ِ غم کی یہ جلن سے (انتخاب) ۔
ش ۱ الف : تپ ِ غم کی اس جلن سے (پٹیالہ) ۔
ش ۴ الف : کہ مرے نالوں[1] کا (پٹیالہ) ۔
ش ۴ الف : اس گنبد ِ کہن سے (سخن) ۔
ش ۵ ب : نہ سمجھو سنبل اسے (رضا) ۔
ش ۸ الف : دھونی لگا کے (آصفیہ ، پٹیالہ سہو) ۔
ش ۱۰ الف : پڑھی ہے تو نے دھواں دھار یہ غزل (پٹیالہ) ۔

غ ۹۷ رسمیں ہیں) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

غ ۹۸ (یارو وہ دکھلاتے ہیں) ۲۱ سخن ۔
ش ۱۶ ب : اوڑنے سے افزوں ... (سخن سہو) ۔

غ ۹۹ (جتاتے ہیں) ۱۷ سخن ۔

غ ۱۰۰ (چپکن پہ ہزاروں) ۲۳ سخن ۔

غ ۱۰۱ (رنگ ِ حنا کی پھلیاں) ۱۷ رضا ، سخن ، انتخاب ۔ شعر ۱ ، ۵ ذکا۔
ش ۳ الف : گر دیکھیں کہیں (سخن) ۔

---

۱ ۔ اس شعر میں بعد میں اصلاح دی گئی اور ''آہوں کا'' بنا دیا گیا ۔

ش ۷ الف : آشنائے بحر مضمون و معانی (سخن) ۔

غ ۱۰۲ (فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں) ۱۱ آصفیہ ، سخن ۔ نمبر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۵ ، ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ انتخاب ۔

غ ۱۰۳ (فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں) ۱۱ رضا¹ ۔ ۱۰ آصفیہ ، سخن (نمبر ۱۰ نہیں) ۔ نمبر ۳ ذکا² ۔ نمبر ۲ ، ۳ ، ۵ انتخاب ۔

ش ۳ الف : وہ ماہ رو ہے سوار توسن اور اس کا توسن عرق فشاں ہے (ذکا) ۔

ش ۳ ب : عجب ہے اک سیر دوپہر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں (ذکا) ۔

غ ۱۰۴ (وہ دہاں منہ میں) ۲۲ سخن ۔

غ ۱۰۵ (جاناں میں) ۱۷ سخن ۔

غ ۱۰۶ (ہماری آنکھیں) ۱۱ سخن ۔ نمبر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۶ ، ۷ ، ۹ انتخاب ۔ نمبر ۱ ، ۶ ذکا ۔

ش ۲ الف : اس کی آنکھوں سے کہ سوچ (انتخاب) ۔

ش ۳ ب : اے حباب بھر کر دے گی کناری (انتخاب) ۔

---

۱ ۔ رضا میں آخر کے دو شعر وہ ہیں جو اس سے پہلی غزل میں آخر میں آئے ہیں اور اس طرح وہاں تعداد ۱۳ ہو جاتی ہے جو غلط ہے ۔

۲ ۔ ذکا میں یہ شعر حاشیے پر ملتا ہے ۔

غ ۱۰۷ (کسے دوں) ۲۲ سخن ۔

غ ۱۰۸ (زرد ہیں دونوں) ۳ رضا ، انتخاب ۔ شعر ۳ ذکا ۔

غ ۱۰۹ (ہوا تیسرے دن) ۱۵ رضا ۔

مطلع ۱ : لغز ، منتخبہ ، ذکا ، دواوین ۔
مطلع ۲ (ذکا) ۔ اشعار ۲ (ذکا) ۔

ردیف و

غ ۱ ابروے جاناں سبز ہو) ۹ سخن ۔

غ ۲ (کر خونِ رگِ گل ہو) ۲۲ سخن ۔

غ ۳ (جا رکھتا ہو) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۸ قلمی (نمبر ۸ نہیں) ۔
ش ۱ الف : ترے مراب کی ابرو میں (آصفیہ سہو) ۔
ش ۳ الف : تو ہوا کیونکہ چمن بھی نہ اب اس کی باندھے (آصفیہ) ۔
ش ۶ الف : حلقۂ زلف میں کیونکر گرفتار ہو دل (آصفیہ سہو) ۔
ش ۶ الف : حلقۂ زلف سے کیونکر یہ بچے طائر دل (قلمی) ۔
ش ۶ ب : کہ ہر اک صید فگن دامِ بلا رکھتا ہو (قلمی) ۔

غ ۴ (مت دوش تلک دیکھو) ۲۳ سخن ۔ ۲۲ رضا ۔ (نمبر ۱۷ نہیں) ۔
شعر ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۲۰ ، ۲۱ ، ۲۲ ، ۲۳ انتخاب ۔

غ ۵ (نہ کیوں یاں ہم کو) ۱۸ رضا ، انتخاب ، سخن ۔

غ ۶ (شمع خوباں ہم کو) ۱۷ رضا ۔
ش ۱ الف : ماہ و خور چاہیے کیا۱ ۔

غ ۷ (چشم تر چھڑکاؤ) ۵ رضا ، سخن ۔ ۴ انتخاب ۔ (نمبر ۳ نہیں) ۔

غ ۸ (یارو سوچ کر دیکھو) ۱۷ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔
ش ۴ الف : اے سخن سنجو (پٹیالہ) ۔
ش ۶ ب : جلوہ گر کیا سربسر دیکھو (سخن) ۔
ش ۱۱ الف : تمھاری تاب رخ سے کیوں نہ ہووے (سخن) ۔
ش ۱۷ الف : گل رنگین مضموں اے نصیراس میں شگفتہ ہو (پٹیالہ) ۔

غ ۹ (یارو اثر دیکھو) ۱۷ رضا ، سخن ۔ ۱۶ آصفیہ ۔ ۱۴ پٹیالہ ۔ (نمبر ۱۴ آصفیہ ۔ نمبر ۹ ، ۱۴ ، ۱۵ پٹیالہ نہیں) ۔
ش ۱۶ الف : سنو تم حضرت دل (پٹیالہ) ۔
ش الف : نظر رکھیے (پٹیالہ) ۔

---

۱۰ (جگر اس کو) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

---

۱۱ (لگاتے کیوں ہو) ۱۱ رضا ۔ ۱۰ سخن ۔ (نمبر ۲ سخن نہیں) ۔
ش ۴ الف : اے طفل سرشک (سخن سہو) ۔

۱۔ یہ حصہ عبارت رضا میں نہیں ہے ۔

غ ۱۲ (دلِ وحشت گزیدہ کو) ۹ آصفیہ ، رضا ، قلمی ، سخن ۔
ش ۱ ب : لایا ہے گھیر (رضا ، قلمی) ۔
ش ۴ الف : گلشن میں گل کو حلقۂ موجِ نسیم سے (قلمی) ۔
ش ۸ ب : دلِ آفت گزیدہ کو (رضا) ۔
ش ۹ الف : پہنچے کب اس کو یہ دُرِ شہوار (قلمی) ۔

غ ۱۳ (قمر طلعت ہو) ۱۳ ایک مصرع : رضا ۔ ۱۱ سخن ۔ (نمبر ۲ ، ۳ سخن نہیں) ۔

غ ۱۴ (نہ آلفت سمجھو) ۱۵ رضا ، سخن ۔ ۱۴ پٹیالہ ۔ (نمبر ۱۱ نہیں) ۔
شعر ۲ خزینہ ۔
ش ۱۴ الف : ہے تو اپنے نصیر (پٹیالہ) ۔

غ ۱۵ (جامے کے بند کو) ۹ آصفیہ ، رضا ۔ ۸ سخن ۔ (نمبر ۲ نہیں) ۔
ش ۵ ب : چھیڑا جو تو نے ناز کے جس دم سمند کو (آصفیہ سہو) ۔

غ ۱۶ (مہرِ عالم تاب کو) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ نمبر ۱ ذکا ۔

غ ۱۷ قدِ رعنائے سرو) ۶ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۵ پٹیالہ (نمبر ۳ پٹیالہ نہیں) ۔
ش ۲ الف : گلہائے سرو (آصفیہ سہو) ۔
ش ۶ الف : لکھ غزل سرسبز ایسی اس زمیں میں (پٹیالہ) ۔

غ ۱۸ (زیبر ہائے سرو) ۷ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ ۔ ۹ سخن ۔ (نمبر ۲ سخن نہیں) ۔

ش ۱ الف : گریز برپائے سرو (آصفیہ) ۔
ش ۳ الف : اپنی دکھائے ہے زبان (پٹیالہ) ۔
ش ۷ ب : بعد ِ مجنوں پر نہ مجنوں (پٹیالہ سہو) ۔
ش ۷ ب : بعد ِ مجنوں پر ہے قائل (آصفیہ ابتدائی) ۔

غ ۱۹ (شور ِ محشر رات کو) ۱۶ سخن ۔ ۱۳ رضا ۔ (نمبر ۵ ، ۶ نہیں) ۔
شعر ۱ ، ۳ ، ۱۵ ، ۱۶ انتخاب ۔
ش ۱۵ ب : کس جا تو چھپ کر رات کو (سخن) ۔

غ ۲۰ (لب ِ جاناں ہم کو) ۱۶ - ۱۵ آصفیہ[1] ، رضا ، پٹیالہ ، سخن ۔
(نمبر ۱۶ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ نمبر ۶ پٹیالہ نہیں) ۔
ش ۷ الف : نہ چھوڑیں گے پر (آصفیہ ، رضا ، سخن) ۔
ش ۹ الف : جو دکھا دے تو کبھی (سخن) ۔
ش ۱۲ الف : سخت جانی کے سبب تو ہی تو منہ موڑے گا (پٹیالہ) ۔
ش ۱۳ الف : خانۂ زنجیر میں ہووے برپا (پٹیالہ) ۔
ش ۱۳ ب : بعد مجنوں کے میں اب (پٹیالہ) ۔

غ ۲۱ (اشک جاری ہو) ۹ رضا ، سخن ۔
ش ۷ الف : کبھی وہ یاد ہے درہم (سخن سہو) ۔

غ ۲۲ (دل ِ ناشاد آرزو) ۷ رضا ، سخن ۔

---

۱ ۔ یہ غزل آصفیہ میں حاشیے پر لکھی ہے ۔ جلد بندی میں اشعار کٹ گئے ہیں مگر تعداد وہی ہے جو رضا اور مطبوعہ نسخے میں ہے ۔

غ ۲۳ (کالا بھجنّو) ۹ سخن ۔ ۸ آصفیہ ، رضا ۔ ۷ پٹیالہ ۔ نمبر ۸ آصفیہ ، رضا ۔ نمبر ۶ ، ۸ پٹیالہ نہیں) ۔ شعر ۱ ، ۲ ، ۳ انتخاب ۔
ش ۲ الف : اک پل بھی نہ سوزش سے لگی صد افسوس (انتخاب) ۔
ش ۴ ب : موم کا میں نے بنا کر (آصفیہ) ۔
ش ۹ الف : اے نصیر آبلہ دل ہے یہ وہ زہر کی گانٹھ (سخن) ۔

غ ۲۴ (ہو نہ ہو) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔
ش ۴ الف : اے ہم نشیں (رضا) ۔
ش ۵ الف : یہ صحبتِ سہ جبیں (آصفیہ) ۔

غ ۲۵ (رشکِ چراغاں جگنو) ۱۱ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۶ ، ۸ ، ۱۰ ، ۱۱ انتخاب ۔
ش ۶ ب : صبا کرتی ہیں (آصفیہ) ۔
ش ۸ الف : اس کی کب الکیا کی بنت پر ہیں صبا (آصفیہ قلمزد) ۔

غ ۲۶ (کلبرگِ تر دیکھا کرو) ۱۵ رضا ۔ ۱۴ سخن ۔ (نمبر ۴ نہیں[1]) ۔

غ ۲۷ (مانندِ حنا ہو) ۱۳ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ[2] ، سخن ۔ شعر ۱ ، ۳ ، ۷ ، ۸ ، ۱۱ ، ۱۲ انتخاب ۔
ش ۸ الف : آئینہ دیوار (سخن کذا) ۔
ش ۱۰ الف : اور اس نے جلایا (پٹیالہ) ۔

---

۱ ۔ شعر ۴ کا نقطے دیا ہوا حصہ رضا میں کتابت سے رہ گیا ہے ۔
۲ ۔ پٹیالہ میں تعدادِ اشعار ۱۷ ہے اور غزلِ دوم کے اشعار ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۶ ، ۷ غزلِ اول میں شامل ہیں ۔

غ ۲۸ (چمن آرا جو صبا ہو) ۱۶ آصفیہ ، رضا ، پٹیالہ - ۱۵ سخن - (نمبر ۳ نہیں) - شعر ۲ ، ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۱۰ التخاب -
ش ۶ الف : چشمۂ حیواں سے نصیر آہ (التخاب) -
ش ۱۴ ب : کیونکر نہ بلا ہو (آصفیہ سہو) -

غ ۲۹ (آرام کیونکر ہو) ۱۰ رضا ، سخن -
ش ۲ الف : فروغ دام چھٹ زلفِ عنبر فام (رضا کذا) -
ش ۴ الف : ہوا ہنگامِ مےنوشی (رضا) -

غ ۳۰ (لیا چاہتے ہو) ۱۵ - ۱۴ رضا - (نمبر ۳ نہیں) -
ش ۱۳ الف : آئینہ رخو (سخن) -

غ ۳۱ (زلفِ سیہ فام کسی کو) ۱۳ سخن -

غ ۳۲ (ابھی لدوا لے تو) ۱۳ رضا - ۱۰ سخن - (نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ نہیں) -
ش ۲ الف : زمیں سہو سے مہوا لے تو (رضا سہو) -
ش ۳ ب : مکھی بن کر کہیں ہو جائے گا (رضا سہو) -
ش ۵ الف : اے زلف سنا (سخن) -

غ ۳۳ (کیوں نام کو تو) ۱۱ رضا ، پٹیالہ - ۹ سخن - (نمبر ۲ ، ۴ سخن نہیں) -
ش ۹ الف : ترے تن پر یہ فلس (پٹیالہ) -

غ ۳۴ (نہ لے نام کو تو) ۱۳ رضا ، پٹیالہ - شعر ۱ سخن -
ش ۱ الف : بار ہوں میں (سخن) -
ش ۷ ب : حلقۂ ماتم خورشید (رضا سہو) -
ش ۱۲ الف : جوں نگیں گھر سے نصیر اپنے نہ رکھ باہر پاؤں (رضا) -

ش ۱۲ الف : نہ رکھ پاؤں کو باہر تو نصیر (پٹیالہ) ۔
ش ۱۲ ب : صفحۂ دہر پہ یہ چاہیے ہے (پٹیالہ) ۔

غ ۳۵ (دلدار سے ہو) ۱۱ رضا - ۸ سخن - (نمبر ۳ ، ۴ ، ۵ نہیں) ۔
ش ۸ الف : قبر پر اس کی ہو روئیدہ نہ کیونکر نرگس (سخن) ۔

غ ۳۶ (کاکل کو ملا دو) ۱۷ رضا ، پٹیالہ - ۱۳ سخن ۔ (نمبر ۵ ، ۶ ، ۷ ، ۸ نہیں) ۔ شعر ۳ ، ۵ ، ۱۲ ، ۱۳ انتخاب ۔
ش ۹ الف : ابر میں دیکھی نہیں میں نے (سخن) ۔
ش ۱۲ ب : تو گردن تو ہلا دو (سخن) ۔
ش ۱۳ الف : دل لے کے الجھتی ہیں ہم (رضا ، پٹیالہ) ۔

غ ۳۷ (خط رخسار پر رکھو) ۱۱ رضا ، سخن) ۔
ش ۴ ب : اپنی نہ اس مردار پر (سخن) ۔
ش ۶ الف : شب کی باز آیا بالش پر سے (رضا) ۔

غ ۳۸ (عاشقِ دلگیر کو) ۱۰ - ۹ رضا ، پٹیالہ - ۸ سخن - (نمبر ۴ رضا ، پٹیالہ - نمبر ۲ ، ۳ سخن نہیں) - شعر ۲ لغز ، ذکا ، طبقات ، صنادید ۔
ش ۳ ب : ہم نے اس عقدہ کو سونپا (پٹیالہ) ۔
ش ۵ الف : سوتے ہیں آسودگاں (سخن) ۔
ش ۱۰ الف : خور آبِ خجلت میں نصیر (پٹیالہ) ۔
ش ۱۰ ب : صبحدم دیکھے گر اس کے (پٹیالہ) ۔

غ ۳۹ (دل کو مرے آرام دو) ۹ رضا - شعر ۱ ، ۲ سخن - شعر ۱ ذکا ۔

ش ۱ الف : کھول اپنی زلف کو (سخن) ۔
ش ۲ الف : میرے منہ سے خم لگا دے (سخن) ۔

غ ۴۰ (بیاری دور ہو) ۱۲ ، ۱۱ رضا ۔ ۸ سخن ۔ (نمبر ۱۰ رضا ۔ نمبر ۳ ، ۴ ، ۵ ، ۷ سخن نہیں) ۔
ش ۱ الف : اس طرح سے خاک ہوں روشن ضمیر اہلِ صفات (سخن) ۔

غ ۴۱ (حائل کی آرزو) ۱۰ رضا ۔ ۶ سخن ۔ (نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ نہیں) ۔
ش ۱ الف : دل میں ہے رہا کی (سخن) ۔
ش ۶ الف : کب ہم کو (سخن) ۔
ش ۸ الف : اب در پہ آس کے (سخن) ۔

غ ۴۲ (ہر آن دیکھو) ۹ رضا ۔

غ ۴۳ (نہ ایک نہ دو) بیاض[۱] : ق ۶۴۳/۳ ۔
مطلع : (نفاق رکھتو) بے خار ، سخن ، صنادید ۔

ردیف ہ

غ ۱ (چشمِ پُر آبِ فاختہ) ۱۴ رضا ۔ ۹ انتخاب ، سخن ۔ (نمبر ۲ ، ۳ ، ۵ ، ۱۰ ، ۱۴ نہیں) ۔

---

۱ ۔ کتاب خانۂ انجمنِ ترقی اردو کراچی ۔

ش ۱ الف : گو وبالِ گردن اس کا طوق ہے پر چھوڑ دے (رضا[1]،
سخن) ۔

غ ۲ (ہنر تین ہے ساتھ) ۱۲ رضا ، پٹیالہ ۔ ۷ انتخاب ، سخن[2]۔ (نمبر ۲،
۳ ، ۴ ، ۵ ، ۶ نہیں) ۔
ش ۱ ب : پائیں اس رمز کو (انتخاب) ۔

غ ۳ (نور کا خوشہ) ۷ رضا ۔ ۹ انتخاب ، سخن (نمبر ۲ نہیں) ۔
ش ۴ الف : خبردار (سخن سہو) ۔

غ ۴ (جم کر تہ بہ تہ[2]) ۱۴ رضا ۔ ۱۳ انتخاب ، دواوین ، سخن ۔ (نمبر
۳ نہیں) ۔
ش ۲ ب : تیر آہ عاشقاں ہوتے ہیں (دواوین) ۔
ش ۴ الف : لب پردو کے پار (دواوین) ۔
ش ۵ الف : خون سے مقتولوں کے (رضا ، انتخاب) ۔
ش ۱۳ ب : افرادِ دفتر (دواوین ، سخن) ۔

غ ۵ (آفاق میں غنچہ) ۱۱ سخن ۔

غ ۶ (رکھ کر کمر پہ ہاتھ[3]) ۱۸ سخن ۔ ۱۵ رضا ، پٹیالہ ۔ (نمبر ۳ ،

---

۱ ۔ یہ شعر رضا میں دو مرتبہ باختلافِ نسخ لکھا گیا ہے ۔ ایک سے (جو
حاشیے میں ہے) مطبوعہ کی تائید ہوتی ہے ۔ مخطوطہ حصہ ہائے عبارت
رضا میں نقل ہونے سے رہ گئے ہیں ۔
۲ ۔ اس غزل کا شعر ۲ رضا میں دو بار نقل ہوا ہے ۔
۳ ۔ پٹیالہ میں "ہاتھ" کو "ہات" لکھا گیا ہے اور اس غزل کو ردیف "ت"
میں شامل کیا گیا ہے ۔

۱۵ ، ۱۶ رضا ، پٹیالہ نہیں) ۔
ش ۵ الف : یوں دل ہے اُس کے (پٹیالہ) ۔
ش ۶ الف : یہ لوح کے طوفاں کی ہے ہوا (سخن) ۔
ش ۸ الف : لایا ہے چاک کرنے کو (سخن) ۔
ش ۹ ب : ہو جائے خاک زر یہی (پٹیالہ) ۔
ش ۱۰ ب : هیہات اٹھے جھاڑ کے (رضا ، پٹیالہ) ۔
ش ۱۱ الف : حیرت نہیں کہ ڈال دے گر شانہ کھیل کر (پٹیالہ) ۔
ش ۱۲ الف : کھل گئی جب آنکھ دوستو (پٹیالہ) ۔
ش ۱۷ الف : کیوں میں نے خط لکھا آسے (پٹیالہ) ۔

غ ۷ (دل میں عشق کا شعلہ) ۳۱ سخن ۔

غ ۸ (معمور ہے شیشہ[۱]) ۱۵ سخن ۔ ۹ رضا ۔ (نمبر ۱ ، ۲ ، ۴ ، ۶ ، ۹ ، ۱۲ ، ۱۵ نہیں) ۔
ش ۵ الف : وہ ہوں میں مستِ جامِ چشمِ ساقیِ ازل یارو (سخن) ۔
ش ۷ الف : یہاں تک آبلہ پائی کے ہاتھوں آ نہیں سکتا (سخن) ۔
ش ۸ الف : دلِ کاہیدہ رنداں (سخن) ۔

غ ۹ (پتھر شیشہ) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔
ش ۱ الف : جو تولا ہے تو پتھر (سخن سہو) ۔

غ ۱۰ (نہ سمجھ تو شیشہ) ۱۰ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ شعر ۱ ، ۳ ، ۸ ، ۱۰ انتخاب ۔
ش ۱ ب : رکھ دے یہ لب جو شیشہ (آصفیہ) ۔

---

۱ ۔ شعر ۱ ، ۲ کے مصرعوں کی ترتیب رضا میں بدلی ہوئی ہے ۔

غ ۱۱ (ماتم سے قافلہ) ۹ رضا ، سخن ۔

ش ۲ ب : ہر تھم رہا ہے (سخن سہو) ۔

غ ۱۲ (گل کی جدائی دیدہ) ۷ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

غ ۱۳ (سکندر کی لگی آنکھ) ۱۷ رضا - ۱۵ سخن - ۱۳ پٹیالہ ۔(نمبر ۱۴ ، ۱۵ سخن - نمبر ۸ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ پٹیالہ نہیں) - شعر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۱۰ ، ۱۵ انتخاب ۔

غ ۱۴ (مصطفا سے لڑی آنکھ) ۱۲ رضا ، سخن ۔
ش ۱ الف : اشکوں سے لگاتی ہے (رضا)
ش ۷ ب : بن آس کے دلا یاد لہ (سخن سہو) ۔
ش ۷ ب : چاندی کی لڑی آنکھ (سخن سہو) ۔

غ ۱۵ (شبنم کی گرہ) ۱۰ آصفیہ ، رضا - ۸ پٹیالہ ۔ (نمبر ۶ ، ۸ نہیں) ۔
ش ۴ الف : خضر سے دیکھا تو منت کش (رضا سہو) ۔

غ ۱۶ (ناخن موج صبا گرہ) ۹ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

غ ۱۷ (اس قدر پردہ) ۱۲ رضا - ۱۱ آصفیہ ۔ (نمبر ۳ نہیں) - شعر ۲ ، ۴ ، ۵ انتخاب ۔
ش ۴ ب : نالۂ بلبل سے تر پردہ (آصفیہ سہو) ۔

ش ۵ الف : یہ چشم نے رو رو (آصفیہ) ۔
ش ۸ ب : دل لگا کر ہم کو سرپردہ (سخن) ۔

غ ۱۸ (گذرِ ویرانہ) ۸ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔ ۷ پٹیالہ ۔ (نمبر ۳ نہیں) ۔
ش ۴ الف : شعلہ رُو (آصفیہ سہو) ۔

غ ۱۹ (ترحّم سے زیادہ) ۱۷ - ۱۵ رضا ، پٹیالہ ۔ (نمبر ۲ ، ۳ رضا ۔
نمبر ۶ ، ۸ پٹیالہ نہیں) ۔

غ ۲۰ (تقصیرِ پشتِ آئنہ) ۹ رضا ، سخن ۔ ۷ پٹیالہ[۱] ۔ (نمبر ۷ ، ۹ پٹیالہ
نہیں) ۔
ش ۹ الف : اور لکھتا ہوں (سخن) ۔

غ ۲۱ (دامن گیرِ پشتِ آئنہ) ۱۱ رضا ، سخن ۔ ۱۰ پٹیالہ ۔ (نمبر ۳ نہیں) ۔
شعر ۳ ، ۴ ، ۹ ، ۱۱ انتخاب ۔

غ ۲۲ (نگارِ آئینہ) ۱۴ رضا[۲] ۔ ۹ سخن ۔ (نمبر ۹ ، ۱۰ ، ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳
سخن نہیں) ۔
ش ۱ ب : لوح سے پتھر پہ ملو (رضا ، سخن سہو) ۔
ش ۴ الف : یہ کھلتی نہیں (رضا ، سخن سہو) ۔

غ ۲۳ (چشمِ پُر آبِ آئنہ) ۸ آصفیہ ، رضا ، سخن ۔

---

۱ ۔ پٹیالہ میں ایک ہی غزل ہے جس میں ۱۷ شعر موجود ہیں ۔
۲ ۔ رضا میں منقوطہ حصے کتابت سے رہ گئے ہیں ۔

ش ۳ الف : مدرسہ میں عشق کے (سخن) ۔

غ ۲۴ (جو تن میں آلنہ) ۹ - ۸ رضا - ۶ سخن - (نمبر ۸ رضا - نمبر ۳ ، ۴ ، ۵ سخن نہیں) ۔

ش ۳ الف : تو بھی قیامت ہے ظلم (رضا سہو) ۔

ش ۵ الف : کہ آلکھیں ہیں مری (سخن سہو) ۔

غ ۲۵ (مدام سالھ) ۱۳ - ۱۲ رضا ، پٹیالہ - ۸ سخن - (نمبر ۲ رضا - نمبر ۸ پٹیالہ - نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۵ سخن نہیں) ۔

ش ۱۱ ب : طفلاں سنگ راہ (سخن سہو) ۔

غ ۲۶ (آسماں سوختہ) ۹ رضا ، سخن ۔

ش ۳ الف : نہ چھوڑے ہم نے پاؤں (سخن کذا) ۔

غ ۲۷ (ہے دلا گناہ) ۱۱ آصفیہ ، رضا - ۸ سخن - (نمبر ۲ ، ۳ ، ۴ سخن میں نہیں) ۔

غ ۲۸ (بتان فرنگ ہاتھ) ۱۲ رضا ، سخن - شعر ۲ ، ۱۰ ، ۱۱ انتخاب ۔

غ ۲۹ (بت شوخ و شنگ ہاتھ) ۱۳ رضا - ۱۰ سخن[1] - (نمبر ۴ ، ۵ ، ۶ سخن نہیں) ۔

ش ۱۰ الف : مدت سے ہے تصور خط اس کا چشم میں (سخن) ۔

---

۱ - سخن میں شعر ۳ اس کے بعد والی غزل میں شامل ہے ۔

غ ۳۰ (خالہ جنگ ہاتھ) ۱۳ رضا ، سخن ۔
ش ۳ الف : مژگاں کا بن گیا (سخن) ۔
ش ۶ الف : پاؤں کا کیا ملے تپ (سخن کذا) ۔

غ ۳۱ (پردۂ محمل کی تہہ) ۱۱ رضا ، سخن ۔
ش ۴ ب : جب کہ چپکاوے (رضا) ۔

غ ۳۲ (بہ کنار آلودہ) ۹ ۔ ۸ رضا ، سخن ۔ (نمبر ۵ رضا ۔ نمبر ۸ سخن نہیں) ۔
ش ۳ الف : رنگ ہے آبلہ پائی کو (رضا) ۔
ش ۶ ب : میں جبیں رکھتا نہیں اپنی غبار آلودہ (رضا) ۔
ش ۷ ب : دل ہے ہا یار مرا (رضا سہو) ۔

غ ۳۳ (چشم نگار آلودہ) ۱۰ سخن ۔ ۹ رضا ۔ (نمبر ۵ رضا نہیں) ۔
ش ۶ الف : روے غضبناک پہ (رضا سہو) ۔

غ ۳۴ (احوال سرگشتہ) ۹ رضا ۔ ۸ پٹیالہ ۔ ۷ سخن ۔ (نمبر ۸ پٹیالہ ۔ نمبر ۱ ، ۲ سخن نہیں) ۔
ش ۲ الف : ہاتھ میں کشتی لے (رضا) ۔
ش ۹ الف : ہوا ہے شیخ کو سودا نصیر اب یوں جو رہتا ہے (سخن) ۔

غ ۳۵ (تیرا ہے رو سو وہ) ۱۲ رضا ، پٹیالہ ۔
ایضاً ۔

* * *